يُرِيدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ (سورۃ انفال: ۸،۷)

ترجمہ: اللہ چاہتا ہے کہ حق کو اپنی باتوں سے ثابت کردے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ حق ثابت کردے اور باطل کو مٹادے اور اگرچہ (اس سے) گنہگار ناخوش ہوں۔

کتاب شہادت

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی بحث

شیعی مطاعن اور اُن کے جواب، مسلمانوں کا عقیدہ

حکیمانہ، محققانہ اور عالمانہ بحث

چوتھا مقدمہ

مصنفہ

مرزا حیرت دہلوی

کرزن پریس دہلی انڈیا
المطبوعہ ۱۳۲۵ھ

عرض ناشر

علوم اسلامی میں اس وقت سب سے زیادہ مظلوم موضوع غالباً تاریخ کا ہے۔ دشمنانِ اسلام نے اپنی دشمنی، کینہ، حسد اور بغض کی بنا پر اس موضوع کو پوری طرح مسخ کر کے رکھ دیا ہے۔ منافقین و مجرمین نے اپنے نفاق و جرم کی پردہ پوشی کرنے کی خاطر طرح طرح کے جھوٹے اور بے بنیاد واقعات اور روایات سے تاریخ اسلام کو داغدار کر دیا ہے۔ لیکن بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی کیونکہ دین کے محافظ اور شریعت کے نگہبان ادارے بھی اس کے ساتھ بے اعتنائی برتنے میں کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ قصہ سازوں، مفاد پرستوں اور روایت فروشوں کو اس بات کی مکمل آزادی مل گئی جو مرضی چاہیں کریں۔ کوئی ان کو روکنے والا ہی نہیں ہے۔ لہٰذا تاریخ اسلام کے متعلق کتب ضد و نقیض سے بھری ہوئی نظر آتی ہیں۔ آج امتِ مسلمہ کے ہر فرقہ کے پاس اسلام کی اپنی ایک الگ تاریخ ہے۔ رفتہ رفتہ ان غلط تواریخ کی غلط روایات کو عقیدہ کا مقام دے دیا گیا ہے۔ تاریخ میں نقل کیے گئے بعض واقعات خصوصاً واقعہ کربلا یا ان کے مصادر اتنی اہمیت کے حامل نہ ہونے کے باوجود دین کے ستون و بنیاد کی حیثیت حاصل کر چکے ہیں اِن کے بارے میں شکوک و شبہات کا اظہار تو کجا استفسار کرنے کو بھی نا قابل معافی جرم قرار دیا جاتا ہے۔ واقعات کربلا کے متعلق تاریخ سے ناواقف لوگوں نے اپنی بسر اوقات کے لیے جن کہانیوں اور افسانوں کو ملا جلا کر پیش کیا ہے ان میں اکثر و بیشتر تو ایسے ہیں جو بے سند کتابوں میں بھی نہیں ملتے اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ جعل کے دروازے تو کھلے ہوئے ہیں۔ اور نقد و تصحیح کے دروازے بند کر کے قفل لگا دیئے گئے ہیں۔ آج اگر کوئی فرد کسی مخلص باصفا بلکہ اعلیٰ تعلیم یافتہ، علماء تک کو ان روایات کا جعل دلائل محکم سے ثابت بھی کر دیتا ہے۔ تو بھی تمام حقائق تسلیم کر لینے کے بعد ان روایات کے دفاع کی گنجائش باقی نہ رہنے کے باوجود بہت ہی پر اثر لہجے میں کہتے ہیں اگر ان سب روایات کو چھوڑ دیا جائے تو پھر ہمارے پاس باقی کیا بچے گا۔؟ گویا ان کی نظروں میں یہ ہی جعلی روایات سب کچھ ہیں اور بس! اسکی مثال کچھ اس طرح ہے کہ ایک گروہ کسی کے گھر میں زبردستی داخل ہو کر اس گھر میں سے صاحب گھر اور اسکے اصحاب کو تو باہر نکال

دیں اور خود اس گھر پر قبضہ کر کے اس گھر کی ساخت اور تعمیر سے متعلق ان کے کارناموں کا ذکر شروع کر دیں یا اس صاحب گھر کو اسکی تعمیر کے سلسلے میں کن کن مشکلات کا سامنے کرنا پڑا ہے بڑی مدح سرائی بھی کرلے تو بھی کوئی انصاف پسند شخص اس پر بھی اس گروہ کو اس اہل بیت کا دشمن ہی کہے گا۔ذرا سوچئے ایسے غاصبوں کے متعلق۔ دنیا کا ہر انصاف پسند انسان تسلیم کرے گا کہ اپنی پسند کا دین اختیار کرنے کا حق ہر انسان کو ہے۔ مگر دوسرے کے دین کا جھوٹا مدعی بن کر اپنے گمراہ کن عقائد اس دین میں داخل کرنے کا حق کسی کو نہیں۔ اگر آج ہم مسلمان ہوتے ہوئے عیسائی یا ہندو ہونے کا بھی دعویٰ کر دیں اور عیسائیت و ہندومت کا نام لے کر ان کے مذہب کا حلیہ بگاڑنا شروع کر دیں۔ تو وہ ہم کو اپنے مذہب کا دشمن قرار دے کر ہم پر ٹوٹ نہیں پڑیں گے؟۔ کتنی بڑی ستم ظریفی ہے کہ شیعہ (رافضی) صدیوں سے اسلام میں نقب لگا رہے ہیں۔ ان کا مقصد بظاہر مسلمان بن کر اسلام کو مٹانے کے سوا کچھ نہیں۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ ایک طرف تو یہ صورت حال اور دوسری طرف جید و ممتاز علماء، دین کا درد رکھنے والے اور مقتدر حضرات ان خرافات یعنی جھوٹی روایات کے خلاف آواز اٹھانے کو بھی مصلحت کے خلاف قرار دیتے ہیں۔ اس قسم کی باتیں لکھنے اور کہنے والوں کو ناپسندیدہ افراد قرار دے کر مختلف القابات سے نوازتے ہیں اور باقاعدہ تنبیہہ کرتے ہیں۔ اب آپ خود سوچئے ایک طرف تو ایسے چیلنج کا سامنا ہے اور دوسری طرف یہ علماء حضرات ہیں کہ من گھڑت روایات کے خلاف آواز اٹھانے والوں کے لبوں پر بھی مہر سکوت ثبت کرنا چاہتے ہیں۔ حق کی تائید کے لیے ضروری نہیں کہ ایسے خیالات کے علماء کے بغیر فکری شعور قائم ہی نہیں رہ سکتا اس کی فکر نہ کریں آپ کی آواز کو دبا یا جائے گا۔ حق کی آواز بلند کرنے کے خواہش مند دنیا کے کسی بھی خطے میں ہیں حق کی خاطر اپنی کوششوں کو جاری رکھیں اس بات کا تعلق صرف میری ذات سے نہیں بلکہ امت کے ہر اُس فرد سے ہے جو حق کی آواز بلند کرنے کی خواہش میں فکر مند ہے۔

مذہب کو کسی طرف سے چیلنج کا جب سامنا ہوتا ہے تو دین و مذہب کی قید سے آزاد انسان بھی اسکے دفاع کا فکر کرنے لگتا ہے۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اپنے دینی امور میں اہل سنت سے زیادہ بے حس اور بے حمیت کوئی جماعت دنیا میں نہیں ہے۔ جب خود ان ہی حضرات کے ہاتھوں

روایات کے ذریعے سے حقائق پر ضربیں لگتیں ہیں تو اس وقت صورت حال اور بھی شدید ہو جاتی اور نا قابل برداشت ہوتی ہے۔

قارئین کرام! سید الشہدا ُ کا لقب شیعہ روایات کے مطابق خود حق تعالیٰ نے اور سنی روایات کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو دیا تھا دنیا کا ہر انصاف پسند شخص اس بات کو تسلیم کرے گا کہ اب سید الشہدا ُ کا لقب حضرت حسین پر چپاں کرنا صریحاً اللہ اور رسول اللہ کی مخالفت ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ و حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا دور فتوحات کا دور تھا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس کو سب تسلیم کرتے ہیں۔ اسی فتوحات کو روکنے کے لئے خلیفہ راشد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بے رحمی کے ساتھ شہید کر دیا گیا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کو بے وقعت کرنے اور اپنے جرائم پر پردہ ڈالنے کی خاطر واقعہ کربلا سو سال بعد گھڑا گیا۔ اور اس واقعہ کو گھڑنے والے کیلئے شیعی راویان نے بھی کذاب کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ہم سنیوں کا عقیدہ ہے کہ یقیناً حضرت حسین شہید ہوئے مگر اس طرح نہیں ہوئے جسطرح آج اپنے بیگانے روایات کا انبار لگا کر یہ سب لغویات کو اپنا عقیدہ بنائے ہوئے ہیں۔ اس شہادت کو جو عظمت واقتدار آج دیا جا رہا ہے۔ جس کے سامنے اور صحابہ کرام کے متصل و منصوص شہادتیں بالکل بے وقعت ہوئی جاتی ہیں۔ یہ نہیں ہونا چاہئے۔ خاص کر فتح مکہ سے پہلے کے جہادات اور شہادتیں تو ضرور ایسی ایسی کئی شہادتوں سے بہت زیادہ فضیلت والی ہیں اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی کچھ کم مظلومانہ نہیں ہے یہ حقیقت کسی سے پوشیدہ نہیں کہ دشمنان اسلام یہود اور صلیبی طاقتیں ہی ان ماتمی حضرات (رافضیوں) کے ساتھ مکمل تعاون اور اتحاد کئے بیٹھے ہیں۔ امریکہ نے حال ہی میں بیس ملین ڈالر کی خطیر رقم شیعوں میں صرف تعزیہ داری کے لئے دیئے ہیں تفصیل کے لئے دیکھئے شیعہ مشہور عالم کی کتاب ''افق گفتگو'' اب آپ ذرا انصاف سے کام لیتے ہوئے ذرا خود ہی کہئے۔ صحیح معنوں میں اگر کوئی بھی فرد ان ماتمی حضرات کے عزائم کی نقاب کشائی کرتا ہے تو اپنوں ہی میں سے مذمتیں اور اختلافات کو ہوا دے کر فسادات کا بازار گرم کرنے کے الزامات کی بھر مار کر دی جاتی ہے ،اصل مسئلے کو پس پشت ڈال کر صرف چند مفادات کی خاطر ان ماتمی حضرات کو اپنے عزائم کی تکمیل کے

لئے خاص انداز میں مدد فراہم کی جاتی ہے۔ اسی غیر تسلی بخش صورت حال کا نتیجہ ہے کہ اس وقت پاک و ہند میں پانی مہنگا اور مسلمانوں کا خون ارزاں ہے۔ دشمن کے ہاتھوں قتل ہونے والوں کو کم از کم شہید تو کہتے ہیں۔ لیکن خود اپنے ہی لوگوں کے ہاتھوں اگر کوئی کسی سازش کی تحت ذبح ہو جائے تو اُسے مذہب کی طرف سے سزا قرار دیا جاتا ہے۔ ایسی صورت حال سے دوچار ہونے کے بعد انسان متحیر ہو کر سوچنے لگتا ہے کہ ایسی تنگ حالتوں میں کیا کیا جائے۔ ایسے وقت میں انسان کے دل پر ہمیشہ دو طرح کے خیال گزرتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ دوسرے یہ کہ ہم کو کچھ کرنا چاہئے پہلے خیال کا یہ نتیجہ ہوا کہ کچھ نہ ہو سکا۔ اور دوسرے خیال سے دنیا میں بڑے بڑے عجائبات ظاہر ہوئے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْ بَعْدِ مَاقَنَطُوْا وَیَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ (سورۃ شوریٰ آیت نمبر ۲۷ سپارہ ۲۵)

اور وہ ایسا ربّ ہے کہ جب لوگ نا امید ہو جاتے ہیں۔ تو مینہ برساتا ہے۔ اور اپنی رحمت پھیلاتا ہے۔

آج سٹیج اور منابر پر مذہبی بھانڈوں اور اکثر جہلا کا قبضہ ہے۔ یہ لوگ یا تو اپنی جہالت کی وجہ سے سمجھتے ہی نہیں یا پھر ایسا نہیں ہے پڑھے لکھے ہیں۔ تو سامعین کی خوشنودی کو اللہ تبارک تعالیٰ کی رضا پر ترجیح دیتے ہیں حد تو یہ ہے فرضی قصے، غلط روایتوں کو خلاف واقعہ ہونے کو تسلیم کر لینے کے بعد بھی اپنے خطبات میں بیان کرتے ہیں اور سینہ بہ سینہ منتقل کرتے چلے جاتے ہیں۔ فکر و تخیل کی ان میں کمی نہیں چاہیں تو اپنی گفتار سے پوری دنیا میں بسنے والوں کو صحیح فکر کا پیغام دے سکتے ہیں۔ تہ تھوڑے نہیں ہیں دھاڑے کا دھاڑا ہے۔ ہر جگہ، ہر موڑ، ہر نکڑ اور ہر بازار میں جھنڈے گاڑے بیٹھے ہیں۔ مذہبی مالیات پر بھی ان کی مکمل گرفت ہے۔ اور ہر قسم کی مراعات ان ہی کی تحویل میں ہیں۔ یاد رکھئے بھیک منگے کبھی مزاحمت نہیں کر سکتے۔! اگر ان سب مذہبی معاملات کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑ کر یہ سوچ لیا جائے کہ یہ کچھ انصاف سے کام لیں گے۔ خام خیالی کے سوا کچھ بھی نہیں ہم تمام دانشور علماء اور اُمتِ مسلمہ کے ہر باشعور فرد سے درخواست کرتے ہیں کہ تحقیقی روش کو صرف احکام فقہ تک محدود نہ کیجئے، تاریخ اسلام میں تمام تر واقعات کو افسانہ سازوں کے ہاتھوں میں نہ دیں۔ اس پر تحقیق کرنے والوں کو اجازت دیں تا کہ کھلے مباحثوں اور مذاکروں کا انعقاد کر سکیں۔ تحقیقی مقالہ جات، استفسارات

اور جوابات پر مشتمل باوقار مجلات کا اجراء کیا جائے تا کہ علمی بنیادوں پر نئی تحقیقات اور تجاویز سامنے آ سکیں ہم اس کتاب کو شائع کر کے کسی پر احسان نہیں کر رہے ہیں۔ تاریخ کا ایک رخ یہ بھی ہے جسکو صدیوں سے پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ ہم تو مولف کو ذاتی طور پر جانتے تک نہیں۔ تاریخ کے طالب علموں کے لئے اس میں جانچنے اور جاننے کے لئے بہت کچھ ہے۔ ہمارا یہ پیغام کسی بھی ممکنہ صورت میں جہاں تک ہو سکے پہنچا دیجئے۔ ہمارا مقصد صرف اور صرف تاریخ کی اس تحقیق کو آشکار کرنا ہے۔ آج میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ میں اپنے ہی اختیار کردہ اس مقصد کا ست رو خادم ہوں۔ کسی فرقہ کے جھوٹے سچے مذہب پر حملہ کرنا ہمارا مقصود نہیں اور نہ ہی کسی بھی فرقہ کے خلاف ہمارے کچھ عزائم ہیں۔ یہ بات تہذیب و متانت کے خلاف ہے کہ میں ان لوگوں کا شکریہ ادا نہ کروں جنہوں اس کتاب شہادت کو دوبارہ جمع کرنے میں یا کسی صورت میں میری مدد فرمائی میں ان سب احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

فقط کم ترین
غازی حسین العباس مہدی
دہلی، کراچی
۱۰ محرم ۱۴۲۵ ہجری

اقتباس:

مرزا حیرت اور ان کی کتابِ شہادت

(مفتی محمد طاہر مکّی کی کتاب سقوط دہلی کے بعد برصغیر کے نامور مؤرخین سے ماخوذ)

سقوطِ دہلی کے بعد برصغیر کے سب سے اہم اور نامور مورخ جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں سر سیّد مرحوم تھے اور ان کا تحقیقی ذوق اور مشہورِ عام روایات سے مرغوب نہ ہونے کا مزاج ان کے معاصر اور بعد میں آنے والے تقریباً تمام مورخین نے حسبِ استطاعت اپنانے کی کوشش کی ان ہی میں ایک مؤرخ و مصنف مرزا حیرت دہلوی تھے۔

امراؤ مرزا عرف مرزا حیرت دہلوی یکم جنوری ۱۸۶۸ء کو یعنی سقوط دہلی کے گیارہ سال بعد مرزا محمد ابراھیم بیگ کے ہاں پیدا ہوئے۔ دِلّی کے مشہور عربک سکول میں تعلیم پائی۔ تاریخ اور وقائع نگاری کی طرف خاص رغبت تھی۔ کرزن گزٹ جاری کیا جو ہفتہ وار رسالہ تھا۔ اس میں ۲۳ مارچ ۱۹۰۹ء سے پہلا مقدمہ چھپنا شروع ہوا (ہر ہفتے آٹھ صفحے) اور ۸ جولائی ۱۹۱۳ء کو چوتھا مقدمہ چھپ کر مکمل ہوا اس کے بعد ۱۵ جولائی ۱۹۱۳ء سے کتاب شہادت (ہر ہفتے آٹھ صفحے) چھپنی شروع ہوئی جو بعد میں مقدمہ کتاب شہادت اوّل دوم سوم چہارم اور کتاب شہادت حصہ اوّل کی مجلدات کی شکل میں کئی بار شائع ہوئی کتاب شہادت حصہ دوم شائع ہونا شروع ہوئی ہی تھی کہ مخالفین نے مرزا کے پریس کو آگ لگا دی جس سے مطبوعہ کتب کا بہت سا ذخیرہ اور یہ چھٹی جلد مکمل طور پر ضائع ہوگئی اور شہادت حسین کے متعلق ان کی تحقیق پورے طور پر سامنے نہ آ سکی۔ اگر کتاب شہادت جلائے جانے کا یہ حادثہ نہ ہوا ہوتا تو غالباً یہ کتاب آٹھ یا نو مجلّدات پر مشتمل ہوتی کیونکہ چھٹی جلد بھی (جس کی طباعت کے موقعہ پر مرزا حیرت کے پریس کو آگ لگائی گئی) حضرت علی کے باقی حالات پر مشتمل تھی جس میں دلائل سے جمل وصفین کی جنگوں کے مرقوع کا

انکار کیا گیا تھا. غالباً ساتویں جلد میں یہ بحث مکمل ہوتی آٹھویں جلد میں حضرت حسنؓ اور نویں جلد میں حضرت حسینؓ کے حالات پیش کیے جاتے. مرزا صاحب کثیر التصانیف بزرگ تھے ان کی جن کتابوں کا ہمیں علم ہو سکا وہ درج ذیل ہیں۔

تالیفاتِ مرزا حیرت

کتب مذہبی:

علوم قرآن:۔ اردو ترجمہ قرآن کریم. انگریزی ترجمہ قرآن. مقدمہ تفسیر الفرقان۔ الہام و وحی۔

علوم حدیث:۔ اردو ترجمہ بخاری شریف تین جلد. اردو ترجمہ مشکوۃ شریف چار جلد. ترجمہ دارمی شریف. تعارف فن اسماء الرجال

سیرت:۔ دنیا کا آخری پیغمبر (قرآن کی روشنی میں سیرت طیبہ) سیرت محمدی. سیرۃ الرسول چھ جلد۔

سوانح صحابہ:۔ خلافت شیخین. حیات حضرت عائشہ صدیقہ. حیات حضرت فاطمہؓ. سوانح عمری حضرت علیؓ. کتاب شہادت پانچ جلد. تازیانہ شہادت.

سوانح بزرگان دین:۔ سوانح حضرت لقمان. سوانح امام ابوحنیفہ۔ حیات مجاہد اعظم (صلاح الدین ایوبی). تاریخ چراغ دہلی. سوانح بو علی شاہ قلندر. حیات طیبہ (سوانح شاہ اسماعیل شہید)

غیر مذہبی سوانح:۔ ترجمہ تزک بابری. سوانح نور جہاں بیگم. حیات حمیدیہ (سلطان عبدالحمید خان) تین جلد. ترجمہ تزک امیر عبدالرحمٰن خان. سوانح ابوالحسن بیوقوف. عمرو عیار. علی بابا چالیس چور جعفر کذاب. جعفر زٹلی. سوانح شیطان ۲ جلد

تاریخ:۔ خلافت عثمانی. تاریخ عالم (امیر تیمور سے بہادر شاہ ظفر تک) ایک ہزار صفحات۔ تاریخ ہند ۲ جلد. ترجمہ تاریخ الحکماء. تاریخ حریت. بغاوت نامہ ۱۸۵۷ء

ادبیات:۔ ترجمہ الف لیلہ. ترجمہ حاجی بابا اصفہانی (ایرانی سفرنامہ) بمشاطہ بغداد (خلافت عباسی کی تباہی میں دشمن عورتوں کا کردار)۔ سیر گل فروشاں ڈرامہ انصاف. مضامین حیرت انشائے حیرت وغیرہ۔

ملاّ واحدی اور مرزا حیرت:۔ دلّی کی مشہور ادبی شخصیت مُلاّ واحدی نے اپنے زمانے کی دلّی کے مشاہیر کا تذکرہ کرتے ہوئے مرزا حیرت کا ان الفاظ میں تعارف کرایا ہے۔

مرزا حیرت بڑے طرّار انسان تھے. کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے اور اس میں شک نہیں کہ اُنھوں نے ٹھیک طریقہ سے پڑھ لکھ لیا ہوتا اور اپنی صلاحیتوں کا استعمال کیا ہوتا تو ہندوستان بھر میں اُن کا جواب نہ تھا. مرزا حیرت نے اپنے اخبار کرزن گزٹ میں اجمل خان پارٹی کے خلاف تابڑ توڑ مضامین شائع کیے مگر حکیم اجمل خان کا اقبال یاور تھا. جسے خدا رکھے اسے کون چکھے. اُن کے ہر مخالف نے منہ کی کھائی. اور مخالفت تو اولیا انبیاء کی ہوتی رہی ہے. مرزا حیرت وہی بزرگ ہیں جنھوں نے سیّدنا حضرت امام حسینؓ کے کارنامہ شہادت سے انکار کیا تھا اور انکار پر ایک ضخیم کتاب لکھی تھی. کمال یہ تھا جس زمانہ میں انکار شہادت پر کتاب تصنیف کر رہے تھے. اُسی زمانہ میں جمعہ کے جمعہ شہادت پر تقریریں کرتے تھے. اور ایسی تقریریں کرتے تھے. کہ سننے والوں کی روتے روتے ہچکیاں بندھ جاتی تھیں. مرزا حیرت کا دفتر آخر میں تو میرے بالکل نزدیک کلاں محل میں آ گیا تھا. انکار شہادت کی تصنیف اور بیان شہادت کے زمانہ میں دفتر جامعہ مسجد کے شمالی دروازہ کے سامنے پائے والوں کے پاس شیش محل میں تھا. شیش محل عظیم الشان مکان ہے. سارا مکان اور اُس کا صحن سُننے والوں سے بھر جاتا تھا. اور خلقت باہر سڑک پر کھڑی رہتی تھی. کہ شاید کوئی بھنک کان میں پڑ جائے. میکروفون (لاؤڈ سپیکر) اُس وقت نہیں تھے ورنہ شاید راستے رک جاتے. مرزا حیرت جیسا بولتے تھے ویسا ہی لکھتے تھے. حالانکہ ضابطہ کی تعلیم نہ جدید قسم کی پائی تھی نہ قدیم قسم کی. لیکن قرآن مجید کا ترجمہ کیا تھا اور اُسے مولوی نذیر احمد کے ترجمہ سے ٹکرایا تھا فارسی میں شعر کہنے کے مدعی تھے. ہر کس و ناکس صرف دیکھ کر مرعو

ب ہو جاتا تھا۔اللہ تعالی نے غیر معمولی حُسن مردانہ عطا فرمایا تھا۔ایک لطیفہ یاد آ گیا سر عبدالقادر نے سُنایا تھا۔اُس زمانہ میں۔جبکہ مرزا حیرت کا عروج تھا اور عبدالقادر شیخ عبدالقادر ایڈیٹر مخزن تھے۔آل انڈیا محڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا مدراس کی طرف کہیں سالانہ اجلاس تھا۔شیخ عبدالقادر اوران کے احباب میر غلام بھیک نیرنگ۔مسٹر عبدالعزیز (فلک پیما) اور شیخ خوشی محمد' گورنر کشمیر وغیرہ اجلاس کی شرکت کرنے لاھور سے روانہ ہوئے میر نیرنگ کے سواسب انگریزی لباس میں تھے۔مدراس قریب آیا تو تین چار سیٹھ وضع کے مسلمان اِن کے ڈبے میں آ کر بیٹھے اور جیسا کہ قاعدہ ہے انھوں نے شیخ عبدالقادر اوراُن کے احباب سے باتیں شروع کی پوچھا آپ کہاں جارہے ہیں۔اِنہوں نے بتادیا۔پوچھا۔کہاں سے آرہے ہیں انہوں نے کہالاہور سے۔بس لاہور کا نام سنناتھا کہ سیٹھ صاحبان کھڑے ہوگئے۔اوران لوگوں کے ہاتھ چومنے لگے۔یہ حیران کہ ہمارے ہاتھ کیوں چومے جارہے ہیں۔پوچھا۔بھائیو! کیا ماجرا ہے۔ہمیں کیوں کانٹوں میں گھسیٹتے ہو۔بولے آپ لاہور سے جو آرہے ہیں۔پوچھا۔لاہور سے آرہے ہیں تو کیا ہوا۔بولے۔لاہور دلّی کے نزدیک ہے۔اوردلّی میں مرزا حیرت جیسا بزرگ موجود ہیں۔

(میر سے زمانے کی دلی از ملا واحدی صفحہ نمبر ۱۲۵ تا ۱۲۷ شائع کردہ گلڈ انجمن کتاب گھر نمبر ۳ صدر کوآپریٹو مارکیٹ وکٹوریہ روڈ کراچی تحفظ شائع اضافہ شدہ)

مرزا حیرت اور ندوہ:۔ مرزا حیرت صاحب کو تحریک شاہ اسماعیل شہید اور تحریک ندوۃ العلماء سے بڑی دل چسپی تھی۔شاہ صاحب کے متعلق ان کی سوانح حیات طیبہ کے نام سے بڑی مشہور ہے۔ندوہ کے متعلق جب قدامت پسندوں نے خصوصا مولانا احمد رضا خان بریلوی صاحب اور ان کے حلقہ نے جارحانہ مہم جوئی شروع کی۔اور بقول خود ان کے ندوہ کی مخالفت میں دوسو سے زیادہ رسائل اور پوسٹرز شائع کیے گیے تو ربیع الثانی ۱۳۱۴ ہجری میں مرزا حیرت دہلوی نے ان کے جواب اور ندوہ کے حق میں ایک رسالہ لکھا۔جس کے متعلق موجودہ ناظم ندوہ مولانا ابوالحسن علی ندوی کی نگرانی میں بانی ندوہ مولانا محمد علی مونگیری کی سوانح پر لکھی گئی کتاب (سیرت مولانا محمد علی مونگیری) کے چوتھے باب میں بڑی تعریف کی گئی ہے اوراس کے کئی اقتباسات نقل

کئے گئے ہیں مؤلف سیرت محمد علی مونگیری لکھتے ہیں!

ربیع الثانی ۱۳۱۷ھ ہجری میں مرزا حیرت دہلوی (مصنف سیرت محمدیہ وحیات طیبہ و حیات اعظم) نے "مقاصد ندوۃ العلماء اور اس کی مخالفت" کے نام سے ۳۱ صفحہ کا ایک رسالہ تصنیف کیا اور اس میں بہت طاقتور اور موثر طریقہ پر ندوہ کی پوری وکالت کی۔ تاریخ اور موجودہ حالات اور وقت کی تقاضوں کی روشنی میں ندوہ کی اہمیت وضرورت واضح کی اور مسلمانوں کو اس تفرقہ انگیزی پر غیرت دلائی۔ ایک جگہ لکھتے ہیں!

دینی علوم سے بے بہرہ ہوگئے ان کی مسجدیں وخانقاہیں ویران پڑی ہیں چاروں طرف دھواں دھار اعتراضات آریہ وعیسائی کر رہے ہیں۔ مگر کوئی خبر نہیں۔ اور خبر کہاں سے ہو۔ اسلام کی تردید سے فرصت ملے تو وہ دوسرے مذاہب کا مقابلہ کرنے پر آمادہ ہوں۔ اگر مسلمان علماء کی کل تصانیف جمع کی جائیں گی۔ تو فی صدی پانچ تو کسی اور قصوں کی نکلیں گی بچانوے اسلام اور مسلمانوں کی تردید اور تکفیر میں نکلیں گی۔

مرزا حیرت کے اس بیان کی تائید کرتے ہوئے سیرت محمد علی مونگیری کے مؤلف اس سے پہلے بھی ان کے کئے اقتباسات پیش کر چکے ہیں۔ مثلاً اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۱۰۱ پر لکھتے ہیں اور حق یہ ہے کہ ملت اسلامیہ کی شیرازہ بندی کو منتشر کرنے۔ اس کی قوت کو کمزور کرنے اور دشمن کو اندر گھسنے کا موقع جتنا ان داخلی اختلافات نے دیا ہے اُتنا خارجی حملوں نے نہیں۔ مذہبی تفریق اور تعصب اس درجہ پہنچ گیا تھا کہ اس کی نظیر شاید ہندوستان کی تاریخ میں۔ نہ اس سے پہلے صدیوں میں ملے گی۔ اور نہ اس کے بعد کے زمانہ میں۔ مناظروں تکفیر وتفسیق، دشنام طرازی وافترا پردازی سے آگے بڑھ کر بات مقدمہ بازی اور فوجداری تک جا پہنچی تھی۔ اور ایک دو نہیں خاصی تعداد میں ایسے مقدمے غیر مسلم حکام کے سامنے پیش ہونے لگے جن پر غیر مسلموں کو ہنسنے کا موقع ملتا تھا اس کا نتیجہ یہ تھا کہ نہ صرف انگریزوں اور ہندوؤں کو بلکہ خود مسلمانوں کو اپنے دین اور ثقافت سے یک گونہ بدگمانی پیدا ہو رہی تھی۔ اُن کے سامنے ایک طرف انگریزوں کا اتحاد

عیسائیوں کی ہم آہنگی اور سرگرمی تھی. دوسری طرف جماعتی تعصب کے یہ افسوس ناک مظاہر تھے جن کے تصوّر سے ایک مسلمان کا سر شرم سے جھک جاتا ہے. مرزا حیرت دہلی نے دو سگے بھائیو ں کی لڑائی کا افسوسناک اور چشم دید واقعہ قلم بند کیا ہے. جس کو پڑھ کہ مسلمانوں کی زبوں حالی کی تصویر نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے۔

''میں نے یہ خونی منظر اپنی آنکھ سے دیکھا ہے میں نے سگے بھائیوں کو لڑتے ہوئے خود ملاحظہ کیا ہے. میں نے یہ جگر کا شق کرنے والا فکڑا بڑے بھائی کی زبانی جب اس نے چھوٹے بھائی کا ہاتھ توڑ ڈالا ہے خود سنا ہے. افسوس ہم مسلمان ہی نہ پیدا ہوتے تو یہ دردناک حادثہ نہ ہوتا جب چھوٹا بھائی گرا ہے اور ایک ہولناک چیخ ماری ہے تو بڑے بھائی کا دل بھر آیا. اور خون برادری زور زور سے اس کی رگوں میں جوش مارنے لگا۔ ہاتھ سے لکڑی پھینک دی دوڑ کر اپنے بھائی سے لپٹ کر رونے لگا اور مذکورہ بالا فقرہ کہہ کر ان مولویوں کی شان میں گستاخانہ الفاظ کہنے لگا جنھوں نے لڑوایا تھا اور . یہاں تک نوبت پہنچا دی تھی . اس جھگڑے میں صرف پنجابی تھے. (پنجاب کے آدمیوں سے مراد نہیں ہے بلکہ ان لوگوں سے مراد ہے جو دلی میں مشہور رہیں)''

انہی پنجابیوں کے متعلق مرزا حیرت نے لکھا ہے کہ:۔

''یہ وہ لوگ تھے جو یتیم خانوں اور تعلیم گاہوں کے قیام میں پیش پیش رہتے تھے اور ہر اجتماعی اور مفید منصوبہ میں بڑھ چڑھ کر مالی امداد دینے کے لئے تیار رہتے تھے، اور اسلام کے نام پر بڑے بڑے کام اور قربانی کے لئے سب سے آگے نظر آتے تھے۔''

لیکن ان لوگوں کی اس صلاحیت اور قوت کا جو میدان بد قسمتی سے علماء نے ان کے لیے پسند کیا اس کا ذکر ابھی گزرا ہے. چنانچہ یہی قوم دیکھتے دیکھتے باٴسھم بینھم شدید کی زندہ تصویر بن گئی. اور مختلف صفات اور صلاحیتوں کے افراد جو ایک لڑی میں پیوست تھے باہم دست وگریبان اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے نظر آنے لگے. اور ان کو دین ومذہب اور

شرافت وانسانیت کا بھی پاس نہ رہا مرزا حیرت دہلوی کے رسالہ (مقاصد ندوۃ العلماء) سے معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میں کوٹلہ والی مسجد میں صرف آمین بالجہر پر جھگڑا اتنا بڑھا کہ دو الگ الگ پارٹیاں بن گئیں ۔ایک پارٹی چاہتی تھی کہ آمین ۔زور سے کہا جائے ایک چاہتی تھی کہ چپکے سے اس پر سخت لڑائی ہوئی ۔متعدد آدمی زخمی ہوئے پھر مقدمہ چلا اس پر ہزاروں روپیہ برباد ہوا اس کا نتیجہ یہ ہوا دونو پارٹیوں میں ہمیشہ کے لیے نفرت وعدوات پیدا ہوگئی اور پھر آج تک ختم نہ ہوئی اسی طرح میرٹھ میں مقلدین وغیر مقلدین کی کشمکش اتنی بڑھ گئی کہ ہائیکورٹ تک مقدمہ پہنچا مرزا حیرت اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''چیف جسٹس نے جسٹس محمود کو (جب انھوں نے چیف جسٹس کے فیصلہ پہ نقطہ چینی کی) مقدمہ فیصلہ کرنے کا اختیار دیا مسٹر محمود نے جو کچھ فیصلہ کیا وہ ایسا سمویا ہوا تھا کہ اگر دونوں فریق اس پر رضامند ہو جاتے تو پھر آگے کوئی جھگڑا نہ ہوتا ،مگر نہیں ،نئے نئے مقدمے پیدا ہو گئے اور وہ نئی نئی شاخیں نکلیں کہ باہم گہری مخالفت کی بُنیاد قائم ہوگئی جس کا سلسلہ ابھی تک ختم نہیں ہوا۔ ''

اس کے علاوہ وہ علی گڑھ کا مشہور مقدمہ زہر خورانی اس افسوسناک صورت حال کی ایک اور مثال ہے مولانا لطف اللہ صاحب کو زہر دیا گیا لیکن وہ تکلیفیں اٹھانے کے باجود بچ گئے لاٹھیاں چلیں مقدمہ بازی ہوئی اور وہ سب کچھ ہوا جو مسلمانوں کا سر شرم سے جھکا دینے کے لیے کافی اور ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ کا ایک بدنما داغ ہے ۔بقول مرزا حیرت کے کہ:۔

> اگر یہ تمام کیفیت مفصل طور پر لکھی جائے اور مستقل کتابی صورت میں اس ماتمی حالت کو لایا جائے تو یہ وہ تاریخ ہو جو صدہا برس تک ہماری آئندہ مہذب نسلوں کو خصوصاً اور غیر قوموں کو عموماً ہم پر اور موجودہ اسلام پر خندہ زنی کا موقع دے گی۔

(سیرت محمد علی مونگری صفحہ ۵۷ امئولفہ سید محمد حسنی پاکستان میں عکسی ایڈیشن مجلس نشریات السلام کراچی)

حَسْبُنَا كِتَابُ الله :۔ سقوط دہلی کے بعد اور ،انگریزوں کے مکمل قبضہ کی وجہ سے جو

صورتحال پیدا ہوئی۔ اس میں مسلم مفکرین کو اپنے مآخذ کی طرف دوبارہ توجہ دینے کی ضرورت پیش آئی۔ یوں کہنے کو تو ہر مسلمان خواہ اس کا تعلق کسی بھی فرقہ سے ہو خواہ وہ اہلسنت کے حنفی۔ شافعی۔ مالکی۔ حنبلی۔ ظاہری۔ اہل حدیث یا اہل قرآن ہوں خواہ اہل سنت سے باہر کے زیدی شیعہ۔ جعفری اثناء عشری شیعہ۔ بوہری اسماعیلی شیعہ آغا خانی اسماعیلی شیعہ۔ دروزی، نصیری شیعہ۔ یا مہدوی شیعہ وغیرہ ہوں۔ سب یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم ہمارا سب سے پہلا اور سب سے اونچا مآخذ اور فائنل اتھارٹی ہے۔ لیکن یہ بات بس تحریر اور قول کی حد تک ہے عملاً زندگی کے ہر شعبے اور ہر معاملے میں قرآن کریم کو معیارِ حق کوئی فرقہ بھی نہیں مانتا ہر ایک اپنے اپنے اکابر اور بزرگوں کی تحقیقات کو فائنل سمجھتا ہے۔ قرآن کریم کا اول تو ترجمہ کے ساتھ کوئی مطالعہ نہیں کرتا اگر کرلے تو اسے بھی اپنے اکابر کی تحقیقات کی روشنی میں دیکھتا ہے۔ یہ توفیق نہیں ہوتی کہ جہاں ضرورت ہو وہاں مختلف اکابر کی تحقیقات کا قرآن کریم کی روشنی میں تقابلی جائزہ لے کر آخری اتھارٹی قرآن کریم کو قرار دے نہ کہ اکابر کو، حقیقت یہ ہے کہ بغیر اس مزاج کو اپنائے مسلم نشاۃ ثانیہ کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا۔

مصور پاکستان مفکر مشرق علامہ محمد اقبال اپنے خطبات تشکیل جدید الٰہیات اسلام کے الاجتہادی فی الاسلام والے خطبہ میں فرماتے ہیں۔

"آج جو مسئلہ ترکوں کو درپیش ہے کل دوسرے بلادِ اسلامیہ کو پیش آنے والا ہے اور اس لیے سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی قانون میں کیا فی الواقع مزید نشو نما اور ارتقاء کی گنجائش ہے؟ لیکن اس سوال کے جواب میں ہمیں بڑی زبردست کاوش اور محنت سے کام لینا پڑے گا۔ گو ذاتی طور پر مجھے یقین ہے۔ کہ اس کا جواب اثبات میں ہی دیا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ۔ ہم اس مسئلہ میں وہی روح برقرار رکھیں جس کا اظہار کبھی حضرت عمرؓ کی ذات میں ہوا تھا وہ امت کے اولین دل و دماغ ہیں جو ہر معاملے میں آزادئ رائے اور تنقید سے کام لیتے تھے اور جن کی اخلاقی جرأت کا یہ عالم تھا کہ حضور رسالت مآب ﷺ کی حالت نزع میں یہاں تک کہہ دیا کہ ہمارے لیے اللہ تعالی کی

کتاب ہی کافی ہے۔" (تشکیل جدید الٰہیات اسلام ترجمہ سید نذیر نیازی صفحہ ۲۵۱)

مرزا حیرت بھی علامہ محمد اقبال کے ہم خیال ہیں۔ مرزا صاحب کو قرآن کریم اور محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے بڑی دل چسپی تھی۔ اس لیے قرآن فہمی عام کرنے کے لئے حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے صاحبزادوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اور ان کے کام کو آگے بڑھاتے ہوئے قرآن کریم کا اردو اور انگریزی ترجمہ۔ سیرت پر کئی کتب خصوصاً قرآن کریم کی روشنی میں مطالعہ سیرت پر کتابچہ۔ بخاری و مشکوٰۃ وغیرہ کے ترجمے شائع کیے۔ آیات بینات کے مصنف نواب محسن الملک۔ مولوی مہدی علی خان جو خاندانی طور پر شیعہ تھے۔ مگر جدید مطالعہ اور سر سیّد کے زیر اثر قرآن کریم کے قریب آئے۔ اور اپنا خاندانی مذہب چھوڑ کر قرآن کے دامن میں پناہ لی اور اسی کی روشنی میں آیات بینات لکھی۔ ان ہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مرزا حیرت نے بھی قرآن کریم کی روشنی میں کتاب شہادت لکھنا شروع کی تھی اپنی اس کتاب کی ابتدا ہی میں انھوں نے یہ بات بتادی ہے کہ ہمارا معیار اور نصب العین وہی نعرہ فاروقی حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہ (بخاری مسلم) ہے۔ جو حضرت عمر فاروق اعظم نے محمد الرسول اللہ کے آخر وقت میں بلند کیا تھا۔ اور جس کی تمام صحابہ اور خود محمد الرسول اللہ ﷺ نے عملاً تائید فرمائی تھی ورنہ اگر یہ نعرہ غلط ہوتا تو کوئی صحابی اٹھ کر اس کی تردید کر سکتا تھا۔ بلکہ اگر خود محمد الرسول اللہ اُسے درست نہ سمجھتے تو حضرت عمرؓ کو ڈانٹ دیتے۔ اور اس کی تردید کر دیتے۔ مرزا حیرت اپنے اس اصول کے متعلق کتاب شہادت کے پہلے مقدمہ کے شروع ہی میں تفصیل سے لکھتے ہوئے بتاتے ہیں۔

اے چاند و سورج اور کروڑہا ستاروں کو فضا میں ایک مرکز پر قائم رکھنے والے اللہ تیرے احسانات کو ہم کہاں تک گنوائیں تو نے روحانی اور جسمانی دونوں نعمتیں ہمیں بخشی ہیں۔

شکر نعمت ہائے تو چندانکہ نعمت ہائے تو

ان نعمتوں میں ایک نعمت بہت بڑی تو نے ہمیں اپنی کتاب دی جو متقیوں کی ہدایت کرتی ہے اور

اس میں کسی طرح بھی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ وہ کتاب فرقان حمید یعنی قرآن کریم ہے جسمیں یہ دعویٰ کیا گیا ہے۔ وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ (سورہ بقرہ:۲۳)'' یعنی قرآن کریم جو ہم نے اپنے بندہ محمد رسول اللہ پر نازل کیا ہے اگر تمہیں اس میں ہمارے کلام ہونے میں شک ہے تو اسکی آزمائش کی سہل ترکیب یہ ہے کہ تم اس جیسی ایک ہی سورت بنالاؤ جس کے ہر جملہ میں معرفت اور حکمت کے صد ہا راز پوشیدہ اور ظاہر ہیں مگر ایسا نہیں کرسکتے پھر کیوں اپنا راستہ جہنم میں کرتے ہو۔'' غلط روایتوں کی کتابوں کو چھوڑ دو جن میں سوائے فضول اور گمراہ کرنے والی کہانیوں کے کچھ بھی نہیں رکھا اور قرآن مجید کو مضبوطی سے دانتوں میں پکڑلو جسکی نسبت خالق ارض وسماہدایت کرتا ہے۔ خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰکُمْ بِقُوَّۃٍ وَّاذْکُرُوْا مَا فِیْہِ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۔ (سورۃ الاعراف:۱۷۱) اور پکڑو جو ہم نے دیا تمہیں (یعنی قرآن کریم) زور سے اور یاد کرتے رہو جو اس میں لکھا ہوا ہے شاید تمہیں ڈر رہو اور پھر تم محبوب کبریا اور اسکے راشدین صحابہ کو بُرا کہنے سے محفوظ رہو اور ان کی بچی بزرگی تمھارے دل پر پوری نقش ہو جائے۔ مسلمان ہو کر قرآن کریم کو پس پشت ڈالنے والے بدنصیب گروہ تو اِدھر اُدھر کی ناپاک کہانیوں کی کتابیں تو اچھی طرح دیکھتا ہے مگر قرآن کریم کو تو نے اپنے اوپر حرام کرلیا ہے۔ دیکھ خدا تعالیٰ تیری نسبت کیا حکم کرتا ہے۔ نَبَذَ فَرِیْقٌ مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ ۙ کِتٰبَ اللّٰہِ وَرَآءَ ظُہُوْرِہِمْ کَاَنَّہُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ (سورۃ بقرہ:۱۰۱) کتاب پانے والوں میں سے ایک جماعت نے اللہ کی کتاب اپنے پس پشت ڈال دی گویا کہ انہیں معلوم نہیں قرآن مجید کا پڑھنا اسے یاد کرنا اور اس پر عمل کرنا یہ سب تم نے بالائے طاق رکھدیا کیا اسی منہ سے تم سرخروئی حاصل کرنا چاہتے ہو اور تمہیں اپنی نجات کی امید ہے۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰیٰتِ اللّٰہِ ھُزُوًا۔ اور اللہ کی کتاب کو ہنسی میں نہ اُڑاؤ اور اسے مذاق نہ ٹھہراؤ دیکھنا تمھارے لئے یہ کسی طرح بہتر نہیں ہے۔ کم بختو جانے دو اور دیرینہ خباثت کو دلوں سے نکال دو۔ اور وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔ (سورۃ آل عمران:۱۰۳) مضبوط پکڑو اللہ

کی رسی سب ملکر اور پھوٹ مت ڈالو۔ پھر خداوند تعالیٰ ارشاد کرتا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا ۔ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَیُدْخِلُهُمْ فِیْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَّیَهْدِیْهِمْ اِلَیْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا۔ اے لوگو تمھارے رب کی طرف سے تمھارے پاس سند پہنچ چکی ہے۔ اور ہم نے تم پر واضح روشنی اتاری سو جو یقین لائے اللہ پر اور اسکو مضبوط پکڑا تو ان کو داخل کرے گا اللہ رحمت میں اور فضل میں اور انہیں اپنی طرف سیدھی راہ سے پہنچائے گا۔ یہ دیکھ کے کلیجہ شق ہو جاتا ہے کہ حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ کہنے سے تمہارے تن بدن میں مرچیں لگ جاتی ہیں اور تم جل بھن جاتے ہو اور پھر تم یہ دعویٰ کرتے ہو کہ ہم مسلمان ہیں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ٥ خداوند تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے۔ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِیْنٌ یَّهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَیُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَیَهْدِیْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور بیان کرتی ہوئی کتاب آئی ہے جس سے اللہ راہ پر لاتا ہے اور جو کوئی سلامتی کے راستہ پر اسکی رضامندی کا طالب ہو کے چلتا ہے وہ اسے اپنے حکم سے تاریکی سے روشنی میں لاتا ہے اور انہیں سیدھی راہ چلاتا ہے مگر وہ گروہ جب اس سے یہ کہا جائے کہ ہمارے لئے کتاب اللہ بس ہے تو وہ ناک بھوں چڑھاتا ہے۔ بھلا کیونکر ہوسکتا ہے کہ اسے بے ایمانی کی تاریکی سے روشنی میں نکلنا نصیب ہو وہ ابدالآباد اسی تاریکی میں پڑا رہے گا۔ مجتہدوں کے خرافات اور نالائق باتوں کو جس گروہ نے اپنا دستور العمل بنالیا اور قرآن مجید کو چھوڑ دیا ان کے راہ راست پر آنے کی کیونکر امید ہوسکتی ہے۔ اسکا فیصلہ اے رب کریم تو نے کیا صاف الفاظ میں فرمایا۔ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ (الانعام:۱۵۳) اور بیشک میری یہ راہ ہے سیدھی سو اسپر چلو اور مت چلو کئی راہیں۔ پھر یہ راہیں تمہیں اسکی راہ سے متفرق کردینگی۔ یہ تمہیں خوب جتادیا ہے۔ شاید تم بچتے رہو۔ خدائے تعالیٰ

کی کتاب ترک کرنے سے بجائے خدا پرستی کے تعزیے پرستی، ضریح پرستی، دُلدل پرستی حسینؓ پرستی، علیؓ پرستی، میراں پرستی، سدو پرستی، قبر پرستی تم نے اختیار کر لی. بھلا متفرق راہوں سے منزل مقصود یعنی خداوند تعالیٰ کی مرضی کیونکر حاصل ہو سکتی ہے. تمہارے ساتھ جو کچھ رب العزت سلوک کرے گا. اس کا بیان خود اس نے اپنی کتاب میں فرما دیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے. سَنَجْزِی الَّذِیْنَ یَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰیٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا کَانُوْا یَصْدِفُوْنَ . (سورۃ الانعام:۱۵۷)

جو ہماری آیتوں سے کترا کے چلے گئے ہیں. ہم انہیں بغیر سزا دیئے نہیں رہنے کے وہ سزا یا عذاب طرح دینے کا دیا جائیگا. اور بہت ہی بُری طرح کا عذاب ہوگا. وہ امام یا مجتہد یا قبلہ و کعبہ جنہوں نے خدا پرستی کی جگہ علیؓ پرستی اور حسینؓ پرستی وغیرہ دنیا میں قائم کی کیونکر. اس شدید عذاب سے بچ سکتے ہیں؟ انہیں تو ان کے اعمال کی خوب سزا مل رہی ہے. مگر اسوقت تمہارے لئے خداوند تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کرنے کا زمانہ ہے کاش تم سمجھو اور نصیحت حاصل کرو. وَاتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِنْ رَّبِّکُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِہٖٓ اَوْلِیَآءَ قَلِیْلًا مَّا تَذَکَّرُوْنَ. چلو اس پر جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے اور اسکے سوا ہرگز ہرگز ان اماموں کے پیچھے نہ چلو جو اپنی طرح تمہیں بھی جہنم کا وارث بنا دینگے. ان صریح باتوں پر تو بہت کم دھیان رکھتے ہو. تمہارے اماموں نے تمہیں بالکل کہیں کا نہیں رکھا وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور تمہیں بھی گمراہ کیا بس ان کی پیروی چھوڑ دو اور خدا کی روشن کتاب کو اپنی حقیقی نجات کی کنجی سمجھ کے اپنے اماموں اور مجتہدوں کی شاعرانہ تراش کو سنڈاس میں پھینک دو تمہارے اماموں اور مجتہدوں نے افترا کیا ہے. حضرت علیؓ جو مثل اور بندوں کے ایک عاجز بندے خدا کے تھے. کو فضیلت دے کر خدا کے ساتھ ملا دیا ہے اور ہر وقت انہیں خدا سے سرگوشی کرنے والا بیان کیا ہے. کہیں علیؑ کیوجہ سے حضرت آدم کو معتوب بنایا کہیں نوح و سلیمان، داؤد، یعقوب علیہم السلام کو خدا کا نہیں بلکہ حضرت علیؑ کا دست نگر بتایا ہے. کہیں خدا پر افتراء باندھا ہے کہ اس نے حضرت علی کو جنوانے کے لئے آسمان سے بہت سے فرشتے، حوریں اور جبریل کو بھیج دیا تھا. کہیں ذات باری کے نور سے

حضرت علیؓ کے نور کو پیدا کیا ہے. کہیں علیؓ (☆) کو مثل خدا کے دائم اور حی وقائم بتایا ہے۔

☆ جن باتوں کا ہم نے یہاں اشارہ کیا ہے کہ کیا کیا باری تعالیٰ پر افتراء کئے گئے اس کا مفصل ذکر آگے چل کے معجزات وفضائل علی ابن ابی طالبؓ اور حسینؓ وغیرہ میں مع حوالہ کتب آئے گا۔

اسی طرح حضرت امام حسین کے معاملہ میں تم نے خدا پر افترا باندھا ہے. کہیں یہ لکھا ہے کہ خدا نے جبریل بھیج کے بی بی فاطمہؓ کی چکی پسوائی. غرض اس قسم کی افترا پردازیاں تمہارے اماموں اور مجتہدوں نے جو فیصلہ خداوندی کے مطابق جہنم کے سچے وارث ہیں خداوند تعالیٰ کی ذات پر کی ہیں. کہ کسی گمراہ سے گمراہ فرقہ نے بھی ایسے افترا اپنے خالق پر نہ باندھے ہونگے. تمہیں معلوم ہے کہ خداوند تعالیٰ نے تمہارے متعلق اپنی کتاب مبین میں کیا فیصلہ کیا ہے. چنانچہ وہ فرماتا ہے. فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ اُولٰٓئِكَ یَنَالُهُمْ نَصِیْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ پھر اس سے ظالم کون ہے جو افتراء کرے اللہ پر یا جھٹلائے اسکے حکم کو وہ لوگ عذاب کا وہی حصہ پائیں گے جو کتاب میں یعنی قرآن مجید میں لکھا جا چکا ہے. وہ بدنصیب گروہ ہے جو حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ کہنے والے کا جانی دشمن ہوگیا. اور اب تک اس والاشان قائل کی ذات اقدس واطہر میں بدزبانی کر کے اپنے مجتہدوں اور اماموں سے زیادہ اپنے کو جہنم کا وارث قرار دے رہا ہے. مگر خدا تعالیٰ حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ کہنے والے کی بڑی کھلے الفاظ میں تائید کرتا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے. وَالَّذِیْنَ یُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِیْنَ. جن لوگوں نے ہماری کتاب سے تمسک کیا اور نماز قائم کی ہم ایسی نیکی کرنے والوں کا ثواب ضائع نہیں کرتے اس سے زیادہ صریح الفاظ حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ کہنے والے کیلئے اور کیا ہو سکتے ہیں مگر جن لوگوں نے حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰه کو جھٹلایا اور اس سے ناک بھوں چڑھائی ان کو اس صورت سے عذاب دیا جائے گا. کہ وہ مطلق نہیں سمجھنے کے کہ یہ عذاب کیونکر اور کس طرح نازل ہو رہا ہے. مثلاً خداوند تعالیٰ نے اس گمراہ گروہ کی صورتیں مسخ کر دیں ہیں کہ اگر ایک شخص سو آدمیوں میں کھڑا ہوا ہو تو علیحدہ پہچانا جاتا ہے۔ یہی عذاب ایسا ہے کہ انہیں اسکی مطلق خبر نہیں. وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا

یَعْلَمُوْنَ. (الاعراف:۱۸۲)اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہم انہیں ایسا سہج سہج پکڑینگے کہ انہیں ہماری گرفت کی مطلق خبر نہیں ہونے کی۔ سمجھنے والے سمجھ سکتے ہیں اور جو ابھی تک اس حکم یا وعید خداوندی سے غافل ہیں. وہ آئندہ اتنی بات ضرور سمجھ لیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے خوش نہیں ہے. تیرا فرمان اے رب العرش بالکل سچ ہے اور کوئی بات تو نے ہماری ہدایت کے متعلق باقی نہیں چھوڑی کہ ہمیں علیؓ پرستی اور حسین پرستی کی اُس لئے ضرورت ہو تو خود فرماتا ہے وَنَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتَابَ تِبْیَانً لِکُلِّ شَیْءٍ وَّھُدًی وَّرَحْمَۃً وَّبُشْرٰی لِلْمُسْلِمِیْنَ اپنے محبوب سے خطاب فرماتا ہے. اور اتاری ہم نے تجھ پر کتاب بیان کرنے والی ہر چیز کی اور ہدایت کی اور رحمت اور حکم برادروں کے لئے خوشخبری۔ جب لکل شئے کے الفاظ صاف طور پر موجود ہیں پھر کیوں نہیں جھوٹی روایتوں کی کتابوں کو جلا دیا جاتا کیونکہ ان کتابوں کے مصنفوں نے خدا پرستی کو بہت کچھ نقصان پہنچایا ہے جو کچھ انہوں نے اپنی قوم کے لئے مسالہ جمع کیا ہے. وہ ایسا متعفن. غلیظ اور ناپاک ہے کہ اگر اسے پیش کر دیا جائے تو لوگ تھوتھو کرنے لگیں اور حکومت کا قانون ضرور ان فحش باتوں پر باز پرس کرے. تزکیہ نفس اور پاکیزگی کیلئے تو قرآن مجید بس ہے تمام مخلوق اور کائنات کا ذرہ ذرہ باآواز بلند یہ پکارتا ہے حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ بڑی ہے تیری شان اے رب کریم. تیرا اجلال تمام عالموں پر محیط ہو آمین.

کسی کی مصیبتیں بیان کرنے سے کبھی نجات نہیں مل سکتی. بدنصیب اور شور بخت مجتہدوں نے یہ فتویٰ دے دیا ہے کہ کسی کی فرضی مصیبتوں پر رونا جنت کی کنجی ہے. قرآن مجید سے یہ لوگ ایسا بھاگتے ہیں جیسا لاحول سے شیطان کافور ہوتا ہے. قرآن مجید کی وقعت اپنے مریدوں میں کم کرنے کے لئے وہ جھوٹی باتیں انہوں نے تراشی ہیں کہ دیکھ کے ایک خداپرست شخص کے آنسو نکل آتے ہیں. جیسا کہ امام جعفر یا باقر والی اونٹ کی ہڈی ہے.(☆)

☆اس ہڈی والی روایت کا مفصل بیان اپنی جگہ آئے گا۔

کافی کلینی والے نے ان میں سے ایک شخص کی زبانی اپنے مرید کو یہ کہلوا دیا تھا کہ تمہارے قرآن سے اس ہڈی پر تین حصے زیادہ عبارت لکھی ہوئی ہے. اور اس میں کل وہ باتیں ہیں جو تنی

آدم کو قیامت تک پیش آنے والی ہیں جسکے معنے یہ ہیں کہ قرآن مجید اس ہڈی کی تحریر کے آگے ایک بے وقعت چیز ہے یہی لوگ ہیں کہ جب ان کے آگے خدا کا کلام پڑھا جاتا ہے تو پیٹھ موڑ کے چلتے ہوتے ہیں اور انہیں اونٹ کی ہڈی کے مقابلہ میں سخت برا لگتا ہے۔

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا. وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا، وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا (الاسراء:۴۵۔۴۶)

جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے آپ کے قرآن پڑھتے وقت ہم ان میں اور آپ میں ایک پردہ ڈال دیتے ہیں اور انکے دلوں پر اوٹ قائم کر دیتے ہیں تا کہ سمجھنے کی توفیق ہی نہ ہو اور ان کے کان ثقیل کر دیتے ہیں۔ پھر ان کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ ادھر قرآن پڑھا گیا اور ادھر وہ بدک کے بھاگے جب حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ کہنے والے کے جانی دشمن ہیں پھر وہ کب گوارا کریں گے کہ ان کے آگے کتاب اللہ پڑھی جائے اور انہیں اسکے سننے کی برداشت ہو۔ قرآن مجید کا صریح معجزہ یہ ہے کہ اس سے روحانی شفا حاصل ہو، اور تمام باطنی امراض جاتے رہیں۔ مگر ان لوگوں کے جنہوں نے اپنے روحانی امراض کو محسوس کر لیا ہے اور اس بات پر ایمان لے آئے ہیں کہ خدا کا کلام ہمیں روحانی بیماریوں سے چنگا کر دیگا۔ مگر جنکا۔ ایمان اس پر نہیں ہے انہیں سوائے گمراہی کے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا. (الاسراء:۸۲) ایمان والوں کی رحمت ہے اور قرآن مجید روحانی امراض کا علاج ہے مگر ظالموں کو نقصان کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کا روحانی نقصان ترقی کرتا رہتا ہے۔ جو کتاب آسمان سے حق کے ساتھ نازل کی گئی ہو اور ایک مبشر اور نذیر کی مبارک زبان سے عامہ خلائق کے آگے پڑھی گئی ہو اسکی نسبت یہ کہنا بلکہ اس پر ایمان رکھنا حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ کیا اعلیٰ درجہ کی ایمانداری اور روحانی برتری نہیں ہے وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا.

(الاسراء: ۱۰۵) اور ہم نے یہ قرآن سچ کے ساتھ اتارا اور اے محمد ابن عبد اللہ تجھے سچ کے ساتھ بشیر اور نذیر بنا کے بھیجا. ابدی محرومی میں پڑ جائیں وہ لوگ جو قرآن مجید کو جو حق کے ساتھ اتارا گیا ہے اپنا دستور العمل نہ بنائیں خداوند تعالیٰ اپنے دیدار کے شرف سے انہیں ہمیشہ محروم رکھے۔

مگر جس نیک اور روشن ضمیر گروہ نے حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰه کو اپنا وظیفہ بنالیا ہے. جن میں سے لاکھوں آدمیوں نے اس آسمانی کتاب کے نقوش کو اپنے دل پر لکھ لیا ہے اور جو ہر وقت قرآن مجید ہی کی روشن آیتوں کا ورد رکھتے ہیں. اور جو پاکباز گروہ رمضان المبارک کے مہینہ میں شب کو روزہ کھول کے اور نماز مغرب کے بعد نہایت خضوع وخشوع کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں قرآن مجید پڑھنے کھڑا ہو جاتا ہے اور ان میں رقیق القلب قرآن سنتے وقت روتے اور سجدے میں گر پڑتے ہیں وہی خداوند تعالیٰ کے پاک اور فرمانبردار بندے ہیں. خداوند تعالیٰ انہیں راستباز لوگوں کی نسبت فرماتا ہے۔ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا. وَّ يَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا. (الاسراء: ۱۰۷ تا ۱۰۹)

خداوند تعالیٰ اپنے حبیب کی زبان میں اس نافرمان مخلوق کے آگے جو حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰه کہنے سے جل جاتی ہے یہ فرماتا ہے. تم مانو یا نہ مانو مگر جنہیں علم معرفت ملا ہے ان کے آگے جب قرآن مجید پڑھا جاتا ہے تو ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں پاک ہے ہمارا رب اور بیشک ہمارے رب کا وعدہ شدنی ہے اور وہ زاری اور خلوص سے نہایت خشوع کے ساتھ اپنے رب کا جلال دیکھتے ہوئے پیشانیاں ٹھوڑیوں کے بل زمین پر لگا دیتے ہیں اور اپنے رب کے حضور میں حاضر ہو کے نہایت اخلاص. نہایت فروتنی اور انتہا درجہ عاجزی سے بفرط محبت و ادب نجات کے حقیقی وارث ہیں. باقی کتاب اللہ کے نہ سننے والے اور

حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ پر منہ بنانیوالے متھور بارگاہ صمدی ہیں.

وہ بدنصیب جو خداوند تعالیٰ کی آیتوں سے منہ پھیرتے ہیں دنیا میں بھی خسارہ سے رہیں گے اور آخرت میں اندھے گنے جائیں گے۔انہیں سعادت دارین حاصل ہی نہیں ہونیکی.
کتابِ خدا کے آگے قصے کہانیوں کو ترجیح دینا اور ہر وقت ان ہی کا ورد رکھنا اشرف المخلوقات کے لئے زہر ہلاہل ہے۔ پھر طرۃ یہ کہ ان واہی تباہی کتابوں سے خداوند تعالیٰ کا قرب ڈھونڈنا کیسی خیرہ چشمی اور سوءِ ادبی ہے۔اے احسان فراموش ظالم انسان تزکیہ نفس اور ابدی نجات کے لئے قرآن مجید کے سوا اور کوئی کتاب تو پیش کرسکتا ہے۔جس سے روحانی نجات کا راستہ ملے۔ نہیں ہرگز نہیں۔تو یقین جان اگر تو نے خدا کو چھوڑ دیا تو نہ یہاں تیری فلاح ہوگی اور نہ تجھے وہ حقیقی بصارت دی جائے گی جس سے تو اپنے خالق کا جلال دیکھ سکے۔ تیرے خالق نے تیرے لئے اپنی پاک کتاب میں خود اسکا فیصلہ کردیا ہے چنانچہ فرماتا ہے وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى. قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا. قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا وَ كَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى. (طٰهٰ: ۱۲۴تا۱۲۶)اور جس نے ہماری یاد سے منہ پھیرا اس کو ہم تنگی کی گزران میں مبتلا کردیتے ہیں اور قیامت کے دن ہم اسے نابینا اٹھائیں گے وہ بدنصیب فریاد کرے گا کہ اے میرے رب میں تو زندگی میں اندھا نہ تھا تو نے آج مجھے اندھا کیوں کردیا۔ بارگاہ خداوندی سے ارشاد ہوگا کہ تو نے ہماری آیتوں کو یعنی ہماری کتاب کو زندگی میں بھلا دیا تھا اُسکا بدلہ یہ ہے کہ اب ہم تیری طرف سے اپنی رحمت کی نظریں پھیر لیتے ہیں اور تجھے بھلا دیتے ہیں۔اور اسی طرح ہمارا یہ ارشاد ہے وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى. (طٰہٰ:۱۲۷) کہ جو شخص حد سے تجاوز کرگیا اور اپنے رب کی کتاب اور اسکی روشن آیتوں پر ایمان نہ لایا تو اسے آخرت کا عذاب وہ چکھایا جائے گا جو انتہا درجہ سخت اور دیرپا ہے۔

تم آخر اپنے خالق کے ارشاد کو کہاں تک ٹالتے رہو گے اخیر ایک دن اس تازیا

حرکت سے تمہیں پچھتانا پڑے گا. تمہارے ہی لئے تو یہ کتاب اتاری گئی اور تمہارے ہی لئے اسمیں ہدایت بھری ہوئی ہے. جس کی شہادت خود یہ کتاب دے رہی ہے. لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ. (الانبیاء:۱۰) ہم نے تمہاری طرف کتاب نازل کی ہے اور اس میں تمہارا ذکر ہے کیا تمہیں اتنی بھی عقل نہیں ہے. کہ تم اس بات کو سوچو کہ تمہارے خالق کی طرف سے تم پر کتنا بڑا احسان کیا گیا ہے مگر تم ایسے نادان ہو کہ اسے نہیں سمجھتے. بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ. بلکہ غضب یہ کرتے ہو کہ ایسے رحیم کریم حقیقی محسن کے ذکر سے اعراض کر جاتے ہو وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ. (الانبیاء:۵۰) اور یہ ایک برکت کی نصیحت ہے جو ہم نے اتاری. اے بدنصیبو کیا تم اسکو نہیں مانتے وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ یہ قرآن مجید کھلی کھلی اور صاف صاف نصیحتوں سے مملو ہم نے اتارا ہے اصل بات تو یہ ہے کہ اس کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی اللہ ہی جسکو چاہتا ہے توفیق دیتا ہے. اور عقل پیدا کر دیتا ہے. اپنی ڈھٹائی اور ہٹ سے تم نے یہ روز بد اپنے لئے خود خرید لیا ہے کہ اپنے شریر النفس اماموں کی کتابوں پر گرویدہ ہو کے تم نے کلام خدا چھوڑ دیا. اسی لئے گمراہی کی تیرہ و تار گھٹانے تمہیں چاروں طرف سے گھیر لیا تمہیں پھر بھلا کیونکر اسکی توفیق ہو سکتی ہے کہ تم اُس ان دیکھے اکیلے رب کی کتاب پر ایمان لاؤ اس پر عمل کرو اور خالص اسی کو اپنا دستور العمل بناؤ. اس ہولناک دن سے ڈرو جب فوج فوج اپنے خالق کے سامنے جمع کئے جاؤ گے اور اس وقت دریافت کیا جائے گا کیوں تم نے قرآن مجید پر عمل نہیں کیا. اور کیوں تم نے ہماری کتاب کی آیتوں کو جھٹلایا اُس وقت نہ میاں مجتہد کام دینگے اور نہ امام اور نہ کوئی قصہ نویس اور نہ خدا کے عاجز بندے علیؑ، حسنؑ، حسینؑ خالق ارض وسما فرماتا ہے. وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ. (النمل:۸۳) اور جس دن گھیر کے بلائینگے ہم ہر فرقہ میں سے ایک جماعت کو جو ہماری باتیں جھٹلاتی تھی.

حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّا ذَا كُنْتُمْ

تَعْمَلُوْنَ وَ وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ. (النمل:۸۴-۸۵) جب یہ سب لوگ حاضر ہو جائینگے تو دریافت کیا جائے گا کہ تم نے میری باتوں کو کیوں جھٹلایا کیا قرآن مجید کی کھلی کھلی نصیحتیں تمہاری سمجھ میں نہ آئی تھیں۔ بولو تم نے اپنی جانوں پر کیسا غضب ڈھایا سوائے تمہاری شرارت کے اور کیا سمجھا جا سکتا ہے اُس وقت یہ لوگ سرنگوں ہونگے اور حرف زدن کا یارا اُن میں نہ ہوگا. خجالت سے گردن نیچی کئے کھڑے رہیں گے. اور پھر دائمی محرومی کے گھر بھیج دیے جائیں گے.

ان انقطاعی فیصلوں اور وعیدوں کے بعد خداوند ارض وسما نے اپنے حبیب کی زبانی آخر یہ کہلوادیا. وَ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ. وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ. (النمل:۹۱-۹۲) مجھے تو یہی حکم ہے کہ میں حکم برادر بنا رہوں اور تمہیں قرآن سنا دوں. قرآن سُن کے جس نے ہدایت پالی تو اپنا ہی کچھ بھلا کیا اور جو بیکار رہا تو خداوند تعالیٰ کی طرف سے ڈر سنانے والا ہوں. تم جانو تمہارا کام جو حکم مجھے ہوا تھا کہ خدا کا کلام تمہیں سنا دوں میں نے پورا کر دیا اب ایمان لانا نہ لانا تمہارا فعل ہے". (کتاب شہادت کا پہلا مقدمہ صفحہ نمبر ۱۷ تا ۲۵)

تعارف کتاب شہادت:۔ مرزا حیرت کے اس اصول کا مطالعہ کرنے کے بعد مناسب ہے کہ ہم ان کی کتاب شھادت کی ہر جلد کے مندرجات کا مختصر تذکرہ کر دیں.

پہلا مقدمہ:

حمد و نعت اور اپنے اصول حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ کو بیان کرنے کے بعد اس پہلے مقدمہ میں خلفائے راشدین. حضرت ابوبکر صدیق اکبرؓ حضرت عمر فاروق اعظمؓ، حضرت معاویہؓ اور حضرت خالد بن ولیدؓ پر جو اعتراضات کئے گئے ہیں ان کا جواب دیا گیا ہے.

دوسرا مقدمہ:

کتاب شہادت کے دوسرے مقدمہ میں تفصیل کے ساتھ بتایا ہے کہ حضرت علیؓ کی شیعہ امامت قرآن کریم سے ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟ جن آیتوں کا مطلب اپنی مصنوعی روایات کا ضمیمہ لگا کر توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ان کوششوں کی کیا حقیقت ہے آخر میں حضرت علیؓ کی شخصیت وسوانح کے متعلق اپنے نقطہ نظر کا خلاصہ ان الفاظ میں پیش کیا ہے۔

''ہم حضرت علیؓ کو جو کچھ سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ آپ ایک دیندار، راستباز مسلمان تھے اور مثل دیگر صحابہ کے حضور انور آپ پر بھی نظر التفات رکھتے تھے۔ آپ کا ظاہر و باطن ہمیشہ یکساں رہا اور آپ مثل دیگر حجازی عربوں کے نہایت بہادر اور دلیر تھے خوارج جو آپ کو کافر مطلق کہتے ہیں جھوٹے ہیں اسی طرح دوسرے گروہ کے لوگ جنہوں نے آپکو نبی سے ملادیا ہے وہ بھی دروغ گو ہیں۔ رسول اللہ نے کبھی آپ کو امام نہیں بنایا نہ آپ نے اس بات کا دعویٰ کیا کہ مجھے رسول اللہ امام بنا گئے ہیں۔ یہ بھی خداوند تعالیٰ کی بہت بڑی حکمت تھی آپ امام نہیں بنائے گئے۔ کیونکہ آپ میں انتظامی قابلیت کی اس قدر کمی تھی کہ آپ کا کوئی مقرر کردہ گورنر آپکا مطیع ہو کے نہیں رہا۔ دوسری کمی یہ تھی کہ آپ نے اپنے نالائق رشتہ داروں کو بڑے بڑے اور ذمہ داری کے عہدے سونپ دیئے تھے۔ چونکہ انتظامی مادہ آپ میں بہت کم تھا آپ دوسرے کی قابلیت کا بھی موازنہ نہیں کر سکتے تھے۔ آپ کے مقرر کردہ گورنروں یا عاملوں کو آخور کی بھرتی کہنا بے جا نہ ہوگا۔ کیونکہ نہج البلاغت میں جو شیعی علماء بڑے فخر سے آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں حضرت علی کے رونے پیٹنے کی داستانیں بھری ہوئی ہیں کہ فلاں عامل بیت المال کا روپیہ اُڑا رہا ہے اور فلاں نے عیش اُڑانے کے لیئے سینکڑوں لڑکیاں محل میں بھر لی ہیں۔ اب تم اپنی حالت سنبھالو ورنہ جہاد کرونگا نہ کسی کی حالت درست ہوئی اور نہ آپ نے اپنے رشتہ داروں کو گورنریوں سے علیحدہ کیا۔ زاہد تھے عابد تھے۔ متقی تھے۔ سب کچھ تھے مگر جہانداری کا دماغ خدا تعالیٰ

نے آپ کو نہیں بخشا تھا۔ آپ بالکل مجبور تھے اچھا دماغ کیونکر پیدا کر سکتے تھے۔ حضرت فاروق اعظمؓ تو ایک طرف، انتظامی قابلیت میں تو حضرت معاویہؓ سے بھی آپ کو کوئی نسبت نہ تھی۔ کیونکہ حضرت معاویہؓ کی جہانداری اور ملکی انتظام کی قابلیت کا ادنیٰ نمونہ یہ ہے کہ آپ کی کل رعایا آپ سے انتہا درجہ خوش تھی اور فوج تو آپ پر جان فدا کرتی تھی یہاں تک کہ خود حضرت علیؓ نے اس کی تعریف کی ہے اور یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر حضرت معاویہؓ اس بات پر راضی ہو جائیں کہ ایک سپاہی کے بدلہ مجھ سے کئی کئی سپاہی لے لیں تو میں اس تبادلہ پر بہت خوش ہوں گا۔ ہر مقام پر جو انھوں نے اپنے فوجی لوگوں کو بُرا بھلا کہا ہے۔ اس سے صاف طور پر پایا جاتا ہے کہ خود اپنی ہی فوجوں کو اپنے قابو میں رکھنے کی قابلیت آپ میں نہ تھی۔ یہ ساری باتیں بطور مشاہدہ کے ہیں جن سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ اس زمانہ میں سچی سچی باتیں کہنے والا بُرا لگتا ہے اور لوگ اپنے تعصب میں اندھا دھند جو چاہتے ہیں اُس کی نسبت کہہ گزرتے ہیں مگر عقلمند سمجھتے ہیں کہ یہی سچی باتیں عین اسلام ہیں اور فی الحقیقت کسی کی ناک بھوں چڑھانے سے اصل واقعات پر پردہ نہیں پڑ سکتا۔ ہمارے دل میں حضرت علیؓ کی اُتنی ہی محبت ہے جتنی ایک پاک اور صادق مسلمان کی ہو سکتی ہے ہم اُنھیں ایک راستباز مسلمان سمجھ کے اُن کی عزّت کرتے ہیں مگر ساتھ ہی اُن کمزوریوں کو بھی تسلیم کرتے ہیں جو فطری طور پر ان میں ودیعت ہوئی تھیں۔ وہ شیر دل تھے۔ جان باز تھے۔ حضور انور رسول خدا کے فدائی تھے سب کچھ تھے مگر امامت اور خلافت کے لئے ان کا دماغ قدرت کی طرف سے موزوں نہیں بنایا گیا تھا۔ وہ اچھے مشیر بننے کی ایک حد تک قابلیت رکھتے تھے مگر حکومت کرنے کا مادّہ اُن میں پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ اسکا اقرار خود حضرت علیؓ نہج البلاغۃ میں کرتے ہیں کہ "بہ نسبت خلیفہ ہونے کے میں وزیر ہونا زیادہ پسند کرتا ہوں۔" مطلب یہ ہے کہ اپنی قابلیت کا احساس خود حضرت علیؓ کو بھی تھا۔ اور آپ چونکہ راست باز تھے اس لئے اپنی کسی کمزوری کو چھپاتے نہ تھے۔

ضمیمہ مقدمہ دوم یہاں ختم ہوتا ہے۔ جس تحقیق اور انصاف سے یہ مقدمہ لکھا گیا ہے پڑھنے والا بالا

مضطراراسکی داد دے گا کوئی بات ایسی تحریر نہیں کی گئی جس کی بنیاد کمزور ہو یا اُس کا کچھ جواب ہو سکے .ہاں یہ مجھے دعویٰ ہے کہ جو کچھ لکھا گیا ہے بے کم و کاست سب سچا ہے اور تمام شیعی دنیا مل کے بھی کسی ایک بات کی معقول تردید نہیں کر سکتی.انشاءاللہ (کتاب شہادت کا دوسرا مقدمہ صفحہ نمبر ۲۲۳ تا ۲۲۴)

تیسرا مقدمہ:

کتابِ شہادت کے تیسرے مقدمہ میں حضرت علیؓ کے متعلق اُن مبالغہ آمیز اوصاف کی تحقیق کی گئی. جو حضرت علیؓ کو تمام انبیاء سے بڑھ کر اور رسول اکرم ﷺ کے ہمسر قرار دینے کے لیے گھڑے گئے ہیں. اور جن کے ذریعے حضرت علیؓ کو تمام صحابہ حتیٰ کہ صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ سے زیادہ افضل اور مستحق خلافت قرار دینے کی سعی لا حاصل کی جاتی ہے اسی تیسرے مقدمہ میں ایک جگہ صفحہ نمبر ۱۹۴ پر جمل و صفین کے متعلق لکھتے ہیں۔

خود حضرت علیؓ ہی نے اِن لڑائیوں سے ہمیشہ اپنی ندامت اور نارضامندی کا اظہار کیا جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اِس بارے میں اُن کے پاس کوئی ایسی شرعی دلیل نہ تھی جو اُنکی رضامندی اور خوش دلی کا باعث ہوتی. خوارج سے جو جنگ علیؓ لڑے تھے اُس کی نسبت اپنی خوشنودی کا اظہار اُنہوں نے بارہا کیا ہے. جس سے معلوم ہوا کہ علی کو یقین تھا کہ یہ جنگ اللہ اور رسول اللہ کی اطاعت اور اللہ کے مقرب بننے کا پورا باعث ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ خوارج سے جنگ کرنے میں نصوص نبویہ اور ادلہ شرعیہ ایسی ہیں جو اُسے واجب کرتی ہیں۔

یہ جو کچھ ہم لکھ رہے ہیں فریقین سُنی و شیعہ کے مسلمات میں سے ہے مگر ہماری تحقیق میں جمل اور صفین کی جنگیں ایک افسانہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں. ہم جو کچھ ان جنگوں کی بابت تسلیم کرتے ہیں اُسکا ذکر ایک مستقل باب میں آگے کریں گے. یہاں ہم اسقدر لکھنا چاہتے ہیں کہ اگر صفین اور جمل کی لڑائیوں کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر علی و معاویہ مشکل سے رہ سکیں گے اور اُن کی نسبت نصوص بنویہ اور ادلہ شرعیہ کا وہ فتویٰ دینا پڑے گا جسے نہ سنی قبول کریں گے اور نہ شیعہ۔ نہ انہیں گوارا ہوگا کہ حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے روایتی احترام کو مٹا کے انہیں ان جنگوں کے بعد ان کی

اصلی صورت میں دکھایا جائے۔ (کتاب شہادت کا تیسرا مقدمہ صفحہ نمبر ۱۹۳)

اس جملہ معترضہ کے بعد ہم پھر اپنے اصلی مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ مرزا حیرت اپنی تحقیقات کو بڑی خود اعتمادی سے پیش کرتے ہیں اسی تیسرے مقدمہ کے آخر میں اپنی محنتوں کے متعلق تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"جس تحقیق اور انصاف سے یہ مقدمہ لکھا گیا ہے. اس کی تصدیق وہی لوگ کر سکتے ہیں. جنہیں صحیح رواتیوں کا پورا علم ہے اور جو درائیت اور تنقید کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں. اور جنہوں نے حضور انور کے احوال عربی تمدن. اور صحابہ کے آثار اور معاشرت میں غور کیا ہے. یقیناً اِس کا ایک ایک استدلال اٹل ہے اور تمام دنیا مل کے بھی اس کو نہیں توڑ سکتی. ہم نے ابتداء میں یہ دعویٰ کیا تھا کہ محض خیال آفرینی پر ہمارے استدلال اور تنقید واقعات کی بناء نہیں ہوگی. بلکہ ہر واقعہ کا ایسا بدیہی ثبوت دیا جائے گا کہ لوگ آنکھوں سے دیکھ لیں گے. الحمد اللہ کہ اس میں کامیابی ہوئی. کسی کی مجال یہ نہیں ہے کہ اسکے کسی استدلال کو ضعیف ثابت کر سکے. اسکا توڑنا تو کجا! عالم اور پڑھے لکھے شیعہ دم بخود ہیں اور کچھ ہوں ہاں نہیں کرتے. سچی بات یہ ہے کہ وہ کر بھی نہیں سکتے تحفہ وغیرہ کا جیسا اُنہوں نے جواب دیا ہے مگر اِس کے خلاف قلم اُٹھانا محال ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے. اسکی بیّن دلیل یہ ہے کہ شیعی علمی دنیا بالکل سناٹے میں ہے اور وہ اسی طرح سناٹے میں رہے گی. بدیہی بات کا جواب ہی کیا ہوسکتا ہے. ہر بات آنکھوں سے دکھادی پھر بھلا اِسکی تکذیب ہوش مند کیونکر کرسکتا ہے میں اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر کرتا ہوں کہ اپنے اِس مشن میں مجھے پوری کامیابی ہوگئی مسلمانوں پر جدید تحقیق کا دروازہ کھل گیا انہیں سچے سچے واقعات معلوم ہوگئے اور جن باتوں پر پردہ پڑا ہوا تھا. وہ روز روشن کی طرح چمکنے لگیں. غرض اصلی اور سچے واقعات ہر کہ ومہ کو معلوم ہوگئے. اِس سے مسلمانوں میں ایک نئی روح پھونکی ہوئی معلوم ہوتی ہے. وہ زمانہ قریب آنے والا ہے کہ شیعہ سنی کا یہ جھگڑا تعلیم یافتہ جماعت میں بالکل مٹ جائے گا. ایک گروہ ایسا پیدا ہوگیا ہے جو سچی باتوں کی قدر کرنے لگا ہے اور یہ گروہ سنی شیعہ دونوں میں سے بنا ہے۔

پرانے تعصبات جو محض جہالت کی وجہ سے پیدا ہو گئے تھے دور ہونے لگے ہیں اگر حق پوچھے تو شیعہ سنی دونوں کے لیے کتاب شہادت نے آبِ حیات کا کام کیا ہے. شروع شروع میں لوگ اس کے نام سے بیزار تھے مگر اب اُن کی یہ بیزاری خواب وخیال ہوگئی ہے اور بڑے شوق سے اُس کا مطالعہ کرتے اور اصلی واقعات کے کھلنے سے خوش ہوتے ہیں. الحمد اللہ (کتاب شہادت تیسرا مقدمہ صفحہ ۲۱۶)

چوتھا مقدمہ:

کتاب شہادت کے چوتھے مقدمہ میں سنی شیعہ الٰہیات کے مسائل کا تقابلی مطالعہ قرآن کریم اور عقل عامہ (CommonSense) کی روشنی میں کیا گیا ہے اس مقدمہ کا ابتدائی نصف حصہ تاریخی سے زیادہ علم کلام کے فنی مباحث پر مشتمل ہے. دوسرے نصف حصہ میں اہل سنت پر کئے گئے اعتراضات کا جواب ہے۔

کتاب شہادت کی پہلی جلد:

سابقہ چار مقدمات کے بعد جس میں سے ہر مقدمہ سینکڑوں صفحات پر مشتمل ایک ایک جلد کی صورت میں ہے یہ کتاب حضرت علیؓ کی سوانح کے متعلق ہے اس کے آخر میں اگلی جلد کا تذکرہ کرتے ہوئے مرزا حیرت لکھتے ہیں.

"یہ شیعی داستان نویسوں کی عنایت ہے کہ کہانیوں کا اتنا انبار ہو گیا۔ حضرت علیؓ کے واقعات زندگی کے بیان میں یہ پہلی جلد ختم ہوئی ہے. دوسری جلد اس کے بعد آپ دیکھیں گے اس جلد میں جنگ صفین کا پورا قصہ وضاحت سے بیان ہوگا. آپ کے سیاسی. اخلاقی اور انتظامی معاملات پر پوری روشنی ڈالی جائے گی. نہج البلاغہ اور ایک دیوان پر جس کی نسبت آپ سے دی

جاتی ہے پوری بحث ہوگی۔آپ کی شہادت کی من وعن ساری کیفیت بیان کی جائے گی آپ کی نصائح اور ضرب الامثال کی پوری حقیقت کھولی جائے گی۔غرض یہ دوسری جلد زیادہ دلکش ہوگی انشاءاللہ۔اس کے بعد اصلی حالات سارے بیان کردیئے جائیں گے جن پر اب تک پردہ پڑا ہوا ہے اس پہلی جلد میں جہاں تک انکشاف حالات ہوا ہے یہ بھی اس صدی کا ایک معجزہ ہے کہ وہ حالات جن سے علماء بھی نا آشنا تھے عامہ خلائق کے سامنے آگئے۔دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی علیحدہ ہوگیا۔(کتاب شہادت جلد پہلی صفحہ ۵۲۶ تا ۵۲۷)

وفات:

مرزا حیرت صاحب نے ساٹھ برس کی عمر پائی اور ۱۹۲۸ء کے اوائل میں وفات پا گئے چھ بچے اور ایک بچی یادگار چھوڑے۔ناصر الملک بی اے ولی عہد چترال جو دہلی میں فوجی تعلیم کی غرض سے آئے ہوئے تھے بنفس نفیس اظہار ہمدردی کے لئے دفتر میں تشریف لائے اور اپنی دو رباعیاں پیش کیں۔

(۱)

حیرت بنوشت قصۂ شاہِ شہید
حیرت نہ سپرد راہ جز راہِ شہید
مُردن بہ رہ علم شہادت باشد
گوئیم زحیرت ، حق آگاہ شہید

(۲)

چہ خوش گفت است دانائے کہ موت از زندگانی بہ
صفائی می دہد دل را ۔ الم از شاد مانی بہ
خصوصاً حق شنا ساں را بہ مردن رغبتے باشد
کہ از رویائے بے اصلی ' حیاتِ جاودانی بہ

ولی عہد چترال پرنس ناصر الملک کی ان دو رباعیات کے بعد حضرت امجد لاہوری کے چند قطعات بھی ملاحظہ ہوں۔

عالم کی ہے موت اِک عالم کی فنا
اور زندگی اس کی ہے اِک عالم کی بقا
گو موت کی دوا نہیں ہے امجدؔ
ہے علم مگر جہل کے عالم کی دوا

۲

اک شائق علم وزبان حیرت تھے
اور عالم خوش بیان حیرت تھے
تاریخ پہ تھا عبور ایسا امجدؔ
گویا کہ زبان داستان حیرت تھے

۳

دہلی کی زباں کے تھے وہ شیدا
تحریر سے ہے یہ رنگ ہویدا
لکھتے تھے کہ وہ سلیس اُردو امجدؔ
حیرت کے اس کمال پر ہر اک تھا شیدا

آخر میں مرزا حیرت کی ایک نظم پیش خدمت ہے جس سے انہوں نے "ایک سچے عاشق زار مسلم کا قرآن کریم سے خطاب" کے تحت اپنے تاثرات نظم کیے ہیں. تمہیدی سطور میں ہے لکھتے ہیں کہ اس نظم کا مقصد شاعری کا اظہار نہیں ہے بلکہ ایک سچے مسلم کی دلی وجدانگیز حالت کا اظہار کیا گیا ہے۔

ایک سچے عاشق زار مسلم کا قرآن کریم سے خطاب

(نتیجہ افکار حضرت علامہ مرزا حیرت دہلوی)

اے قول پاک یزداں اے معجز نمایاں اے نقش لوح محفوظ اے جان و روح انساں

ہر لفظ میں ہے تیرے اک شان کبریائی ہر قول میں ہیں تیرے سو معجزے درخشاں

تیرا شرف ہے بالا وہم و خیال سے بھی تیری ہے وہ بزرگی جس کا نہیں ہے امکاں

سر چشمہ ہدایت کہنا تجھے بجا ہے اے اصل دین و ایماں اے پُر جلال فرقاں

اسرار وہ ہزاروں تجھ میں چھپے ہوئے ہیں کہنہ کی جن کی اب تک پہنچا نہیں ہے انساں

دل سے فدا ہیں تجھ پر دین خدا کے پیرو ہے تو ہی فخر اُن کا ہیں تجھ پہ ہی وہ نازاں

طرز بیاں نے تیری رام اُن کو کر لیا ہے ناطق ہے اور حجت اُن پر ترا ہی فرماں

پتہ ہے کس کا اِتنا کھولے زباں جو تجھ پر زہرہ یہ کس نے پایا جو دو بدو ہو آ کر

جائے نزول تیری مکّہ ہے اور مدینہ تیرا پیارا مولد بیت خدا ہے پہلا

کرتا ہے فخر تجھ پر تنہا نہ اک عرب ہی نازاں نہیں ہے تجھ پر صرف ایک خاک بطحا

اب ہندو چین و ماچیں کرتے ہیں ناز تجھ پر ہے شام و روم تجھ پر پھولا نہیں سماتا

تیرا ہے فیض جاری مشرق ہی میں نہ تنہا مغرب میں گونجتی ہیں تیری صدائیں ہر جا

جتنا کہ تو ہے مشکل آسان بھی ہے ایسا فاضل جہاں ہے ششدر، اُمّی وہاں ہے گویا

عقبیٰ کا صاف رستہ ہم کو بتا دیا ہے سچ پوچھئے تو یہ ہے تجھ سے خدا کو پایا

تیرہ صدی ہوئی ہیں دنیا میں تجھ کو آئے تیرا جلال اب بھی ہے روز شب چمکتا

ہوگی نجات اُن کو دنیا کے کب خطر سے ہیں بدنصیب وہ ہی بھٹکیں جو تیرے در سے

برحق ہے تیرا دعویٰ سچی ہے تیری حجت لونڈی ہے تیری گھر کی ادنیٰ سی اک فصاحت

سب جن و انس مل کے دل سے اگر یہ چاہیں لائیں بنا کے کوئی تیری سی ایک سورت

ممکن نہیں ہے ممکن ہرگز نہیں ہے ممکن ہو نا نہیں کبھی یہ ہو جائے گر قیامت

مُردوں کو ہاں جلانا آسان ہے بلاشک مع جسم آسماں پر جانے میں ہے نہ قبح

ناممکنات عالم ممکن ہے اور آساں لیکن نہ بن سکے گی تیری سی ایک سورت

تو ہے کلام باری کافی ہے بس یہ کہنا
پھر کیونکہ چل سکے گی آگے ترے طلاقت

دنیا کے کل مسلماں رکھتے ہیں دل میں تجھ کو
اور جانتے ہیں اپنی اس میں ہی بس سعادت

جو ہیں ہٹے کے پھوٹے اور عقل کے ہیں دشمن
ان پر تیرے دلائل اب تک نہیں مُبرہن

ہے فخر قاصدی کا روح الامیں کو تیری
کرتے ہیں خود محمد تیری بڑی بزرگی

حاصل شرف ہوا ہے کل انبیاء کو تجھ سے
عصمت کی ان کی تو نے دی آن کر گواہی

ادنیٰ گدا ہیں در کے تیرے بہت سلاطیں
عظمت ہے تیری غالب، ہے رعب تیرا ساری

اندھے کا تو دیا ہے لنگڑے کا تو عصا ہے
حامی یتیم کا ہے اور رانڈ کا ہے والی

میداں میں جنگجو کا تو ہے سے دل بڑھاتا
ہے ہاتھ میں تیرے ہی بالکل ظفر کی کنجی

دنیا کے سرکشوں نے مانا ترا ہے لوہا
مغرب کے آج دل پر پوری ہے دھاک بیٹھی

مظلوم کی حمایت کی ہے مدام تو نے
تو رحم کا ہے مصدر انصاف کا ہے حامی

کیا جان ہے کسی کی تیری طرف جو دیکھے
حافظ ترا ہے باری اور اُسکے کل فرشتے

(مرزا حیرت کے سوانحی حالات کے لیے ہمارے پیش نظر ان کی بہو امین خاتون بیگم عثمانیہ مرزا عثمان غنی صاحب محل تاج میاں بھوپال کی شائع کردہ کتاب ''دنیا کا آخری پیغمبر'' مؤلفہ مرزا حیرت کا دوسرا ایڈیشن ہے۔ جس میں اخبار ذرۂ عمر طور خہ ۲۸ مارچ ۱۹۲۸ء کے حوالے سے یہ معلومات دی گئی ہیں۔ مرزا حیرت کی نظم بھی اسی کتابچہ سے لی گئی ہے۔)

تبصرہ:۔ نواب محسن الملک اور مرزا حیرت دونوں ہم عصر تھے، ان سے ذرا پہلے اسلام اور تاریخ اسلام پر لکھنے والی ایک اور مشہور شخصیت مولوی چراغ علی (نواب اعظم یار جنگ) کی تھی۔ ان میں سے نواب محسن الملک اور مولوی چراغ علی تو خاندانی شیعہ تھے، سرسید کے گہرے دوست اور معتقد تھے۔ مرزا حیرت کا غالباً ننھیال شیعہ تھا، تربیت شیعہ ماحول کے زیر اثر پائی مگر ان تینوں حضرات کا تحقیقی ذوق اپنے خاندانی مذہب پر قانع نہ رہ سکا۔ ان میں سے نواب محسن الملک کی کتاب ''آیات بینات'' (تین حصے) ہر جگہ مشہور ہیں۔ اس کا فارسی اور عربی خلاصہ بھی ہو چکا ہے۔ مولوی چراغ علی اور مرزا حیرت کی کتابوں نے اتنی شہرت نہیں پائی۔ اگرچہ ان کی

محنتیں بھی رائیگاں نہیں گئیں اور ان کے اثرات کسی نہ کسی حد تک موجود ہیں مرزا حیرت کی کتاب "کتاب شہادت" کے اثرات تقسیم برصغیر کے بعد شائع ہونے والی محمود احمد عباسی کی کتاب (خلافت معاویہؓ و یزید) تک میں پائے جاتے ہیں. مولوی چراغ علی (نواب اعظم یار جنگ) کی سب سے اہم انگریزی کتاب کا ترجمہ بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق نے "اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام" کے نام سے دو حصوں میں کیا ہے اور اس کے شروع میں مؤلف کے حالات بھی پیش کیے ہیں۔ مسلم برصغیر کی تمدنی تاریخ کے مؤلف شیخ محمد اکرم (سی ایس پی) نے "موج کوثر" میں اس کی بڑی تعریف کی۔ بہرحال ان حضرات نے اپنی استطاعت کے مطابق مروجہ مذہب اور مروجہ تاریخ کا قرآن کریم کی روشنی میں جب مطالعہ شروع کیا، تو انہیں، بہت سے مسائل و معاملات اور بعض مشہور واقعات و حادثات، حقیقت کے خلاف نظر آئے۔ اب تک تو یہ ہوتا تھا کہ لوگ بجائے قرآن کریم کی روشنی میں روایات کو دیکھنے کے، روایات کی روشنی میں قرآن کریم کا مطالعہ کرتے تھے، حتیٰ کہ بعض لوگ تو اپنی فرقہ پرستانہ روایت کے تحت قرآنی بیانات ہی کا انکار کر دیتے تھے. (نعوذ باللہ من ذلک) مثلاً

ا. قرآن کریم نے رسول اللہ کی ایک سے زیادہ حقیقی بیٹیوں کی صراحت کی ہے (وَبَنَاتِکَ ۵۹/۳۳) مگر بعض لوگ یہ کہنے کی جرأت کرتے ہیں کہ رسول اللہ کی حقیقی بیٹی صرف ایک حضرت فاطمہ تھیں. باقی تین بیٹیاں حقیقی نہیں سوتیلی تھیں. حالانکہ یہ بات خود ان لوگوں کی سب سے مستند کتاب "اصول کافی" کی روایات کے بھی خلاف ہے اور قرآن کریم کے ارشاد کے بھی خلاف ہے کیوں کہ سوتیلی بیٹی کے لئے قرآن کریم میں (رَبَائِبُ ۴/۲۳) کا لفظ آ رہا ہے. جب کہ رسول اللہ کی بیٹیوں کیلئے قرآن کریم نے یہ لفظ استعمال نہیں کیا. بلکہ بَنَاتْ کا لفظ استعمال کیا ہے جو حقیقی بیٹیوں کے لئے آتا ہے، اور اُسے بھی جمع کے صیغے کے ساتھ استعمال کیا ہے. جس کا مطلب یہ ہوا کہ رسول اللہ کی سوتیلی نہیں بلکہ حقیقی بیٹیاں تھیں اور تعداد میں کئی تھیں، ایک نہیں تھی ۔ اس قرآن کریم کی صراحت کے ساتھ سنی شیعہ خارجی تمام

فرقوں کی متفقہ روایات میں بھی قرآن کریم کے اس ارشاد کے عین مطابق رسول اللہ کی چار حقیقی بیٹیوں کا ذکر ہے مگر فرقہ پرستانہ مزاج کے تحت متواتر روایات حتیٰ کہ قرآن کریم کی صریح بات کا بھی انکار کر دیا گیا۔

مثال نمبر 2 قرآن کریم نے کئی جگہ حضرت ابراہیم کے والد آذر کا تذکرہ کیا ہے. مثلاً (وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيمُ لِاَبِيهِ آذَرَ ٦/٥) اور ہر جگہ انہیں ابراہیمؑ کا باپ کہا ہے. مگر بعض روایات پرست حضرات کہتے ہیں کہ آذر والد نہیں تھے چچا تھے کیونکہ بقول اُن کے بعض روایات میں ان کے والد کا نام تارح آیا ہے اور ویسے بھی ایک پیغمبر کے والد کا مشرک ہونا اچھا نہیں معلوم ہوتا، اس خواہش کی خاطر یہ لوگ تیسرے درجہ کی مشکوک روایات کو تو اہمیت دیتے ہیں اور قرآن کریم کی صراحت کو نظر انداز کر دیتے ہیں، حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ چچا کے لئے خود قرآن کریم نے بھی وہی مشہور لفظ (عَمٌّ) کا استعمال کیا گیا ہے. جو عربی میں رائج تھا. اگر آذر حضرت ابراہیم کے چچا (عَمٌّہٗ) ہوتے تو قرآن کریم کے کسی ایک جگہ تو آذر کے لئے یہ لفظ استعمال کیا ہوتا کہ (وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيمُ لِعَمِهٖ آذر) لیکن قرآن کریم نے کسی ایک جگہ بھی آذر کو چچا نہیں کہا بلکہ لابیہ ابراہیمؑ کا باپ کہا ہے. جس بات کو ایک جگہ نہیں کئی جگہ قرآن کریم نے ارشاد فرمائے. اس کے باوجود کوئی شخص نہ مانے تو نرم سے نرم الفاظ میں بھی اسے کیا کہیں؟

یہ دو مثالیں سمجھنے سمجھانے کیلئے کافی ہیں ورنہ اس قسم کی دسیوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں کہ قرآن کچھ فرما رہا ہے اور فرقہ پرست، روایت پرست اور اکابر پرست حضرات کچھ کہہ رہے ہیں. مزید حیرت یہ ہے کہ اس قسم کی روایت پرستانہ یا فرقہ پرستانہ رویہ پر کوئی تعجب کا اظہار بھی نہیں کرتا، البتہ بعض ایسے تاریخی معاملات کی تحقیق کر کے ان کا انکار کیا جائے. جن سے قرآن کریم پر کوئی حرف نہیں آتا. نہ ان کے متعلق معاصر تاریخیں پائی جاتی ہیں. کہ انہیں اصول تاریخ کے خلاف قرار دیا جائے تو لوگ ایسی تحقیق کو بڑی تعجب کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں. حالانکہ ہونا اس کے برعکس چاہیئے تھا مگر قرآن کریم کے معاملہ میں حساس نہ ہونے کی وجہ سے

صورت حال یہاں تک پہنچ چکی ہے اور اپنی اس کوتاہی کا احساس بھی نہیں ہے۔

وائے ناکامی! متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

غور فرمایئے! اگر کوئی مورخ و محقق رسول اللہ کے چچا حضرت عباس اور حضرت علی کے درمیان جائیداد کی وجہ سے لڑائی ہونے اور ایک دوسرے کو گالی دینے کے واقعہ کا انکار کرے (جو بخاری و مسلم میں موجود ہے) یا حضرت حسنؓ کے خلافتِ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ قبول کرنے کے موقعہ پر حضرت حسنؓ اور حسینؓ آپ کی آپس کی لڑائی ہونے کا انکار کرے یا جنگ جمل وصفین وغیرہ کا انکار کرتا ہے تو اس سے قرآن کریم کی کیا خلاف ورزی ہوتی ہے؟ زبانی روایات کے علاوہ اس زمانہ کی کون سی مستند معاصر تاریخ پائی جاتی ہے جس کی خلاف ورزی ہوتی ہو؟ نہ یہ متفقہ متواتر واقعات ہیں جن کو ماننا لازمی ہو. شروع زمانہ سے اب تک بہت سے اہل علم بلکہ پوری پوری جماعتیں ان کی منکر رہی ہیں. مثلاً جمل وصفین کے متعلق۔

۱. علامہ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری اپنی کتاب "التلخیص الجبیر" میں لکھتے ہیں. **قد مکی عیاض عن ھشام و عباد انھما انکرا وقعة الجمل اصلاً ورائسا** (یعنی قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ ہشام اور عباد نے واقعہ جمل کا سرے سے انکار کیا ہے۔

۲. علم کلام کی مشہور کتاب شرح مواقف (مقصدِ سابع) میں ہے کہ **اما الفتن و الحروب الواقعة بین الصحابة فالھشا میة انکروا وقوعھا** یعنی صحابہ کرام کے درمیان جو فتنے اور جنگیں ہوئیں، معتزلہ کے فرقہ ہشامیہ نے ان کے وقوع کا سرے سے انکار کیا. یہ تو دوسری اور تیسری صدی ہجری کے دانشوروں اور اہل علم کا ذکر ہے۔

متاخرین میں سرسید کے دست راست مولوی چراغ علی (نواب اعظم یار جنگ) نے اپنی کتاب تعلیقات میں جو پادری عمادالدین کی کتاب تواریخ محمدی کے جواب میں لکھی تھی اور جس کا ایک حصہ سیرت نبوی پر انگریزی میں "محمد دی ٹرو پرافٹ" کے نام سے شائع ہوا

تھا. ان تمام واقعات کا انکار کیا ہے. (حضرت ماریہ قبطیہؓ کے ہاں رسول اللہ کے ابراہیم نامی صاحبزادے کی ولادت سے متعلق روایات کو بھی انہوں نے غلط قرار دیا ہے)۔ ان کے بعد مرزا حیرت نے کتاب شہادت لکھنی شروع کی. بعد میں خواجہ عباد اللہ اختر نے بھی اپنی کتاب خلافتِ اسلامیہ (مطبوعہ ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور) میں اسی قسم کے خیالات ظاہر کئے ہیں. اپنے بعض دوسرے مضامین میں خواجہ صاحب نے اویس قرنی اور سلمان فارسی کے متعلق لکھا ہے کہ ان دونوں حضرات کا وجود صوفی اور عجمی حضرات کے نہاں خانہ تخیل کی پیداوار ہے. ورنہ ان دونوں کا حقیقی وجود نہیں تھا. ان مؤرخین ومؤلفین کے علاوہ اہل قرآن حضرات کا نقطہ نظر بھی یہی ہے کہ جنگ جمل وصفین کا کوئی وجود نہیں. ان کے ماہانہ رسالہ بلاغ القرآن کا تحفظ ناموسِ صحابہ نمبر ملاحظہ ہو. (N-110 سمن آباد لاہور.)

شیعہ نقطہ نظر:۔ رہا معاملہ حضرت حسینؓ کی شہادت کا تو اس کے متعلق ایک نقطہ نظر تو شیعہ حضرات کا ہے جن کے نزدیک حضرت حسینؓ کا قاتل بظاہر اس وقت کا خلیفہ یزید اور اس کا کوفہ کا گورنر ابن زیاد تھے لیکن تفصیل سے دیکھئے تو ان کے نزدیک اصل قاتل سُنی اور ان کے وہ بزرگ صحابہ ہیں جنہوں نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی. اور کسی صحابی نے بھی حضرت حسینؓ کا ساتھ نہیں دیا تھا بلکہ گہرائی سے دیکھئے تو ان کے نزدیک حسینؓ کے قتل کی بنیاد اسی دن رکھ دی گئی تھی جس دن بقول ان کے علی کا حق غصب کر کے حضرت ابو بکرؓ نے خلافت پر قبضہ کر لیا تھا. پھر عمرؓ اور عثمانؓ نے یہ قبضہ جاری رکھا. بالآخر نتیجہ یہ نکلا کہ معاویہؓ ویزید خلیفہ ہو گئے اور قتل حسین کا حادثہ پیش آیا۔ شیعوں کے ہاں ایک شعر بہت مشہور ہے جس کا ایک مصرعہ یہ ہے۔

کہ کشتہ شد حسین اندر سقیفہ

یعنی جب حسین تو دراصل اسی وقت قتل کر دیئے گئے جب سقیفہ میں حضرت ابو بکرؓ کو صحابہ کی اکثریت نے خلیفہ منتخب کر لیا تھا. (نہ ابو بکرؓ خلیفہ منتخب ہوتے نہ معاویہ کو خلیفہ بننے کا

موقعہ ملتا نہ ان کا بیٹا یزید خلیفہ ہوتا نہ حسین قتل ہوتے) اس سب کچھ کے باوجود ہوش مند شیعہ مؤرخین کو بھی بادلِ نخواستہ سہی یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ شہادت حسینؓ کی روایت ایسی عجیب و غریب اور متضاد ہیں کہ دنیا کے سامنے انہیں ثابت کرنا بڑا مشکل کام ہے. حضرت حسینؓ پر لکھنے والے موجودہ دور کے سب سے بڑے شیعہ مؤرخ شاکر حسین امروہوی اپنی کتاب ''مجاہد اعظم'' میں اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور ہیں کہ کربلا کے حوالہ سے بے تحاشا جھوٹ گھڑا گیا وہ لکھتے ہیں:

''صدہا باتیں طبع زاد تراشی گئیں. واقعات کی تدوین عرصہ دراز کے بعد ہوئی. رفتہ رفتہ اختلافات کی اس قدر کثرت ہوگئی کہ سچ کو جھوٹ سے اور جھوٹ کو سچ سے علیحدہ کرنا مشکل ہوگیا. ابو مخنف لوط بن یحییٰ ازدی، کربلا میں خود موجود نہ تھے اس لئے یہ سب واقعات انہوں نے بھی سماعی (دوسروں سے سن کر) لکھے ہیں لہٰذا مقتل ابو مخنف پر بھی پورا وثوق نہیں۔ پھر لطف یہ کہ مقتل ابو مخنف کے متعدد نسخے پائے جاتے ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف البیان ہیں اور ان سے صاف پایا جاتا ہے کہ خود ابو مخنف واقعات کے جامع نہیں بلکہ کسی اور ہی شخص نے ان کے بیان کردہ سماعی واقعات کو قلمبند کر دیا ہے''

''مختصر یہ کہ شہادت امام حسینؓ کے متعلق تمام واقعات ابتدا سے انتہا تک اس قدر اختلافات سے پُر ہیں کہ اگر ان کو فرداً فرداً بیان کیا جائے تو کئی ضخیم دفتر فراہم ہو جائیں. اکثر واقعات مثلاً اہلبیت پر تین شبانہ روز پانی کا بند رہنا، فوج مخالف کا لاکھوں کی تعداد میں ہونا، شمر کا سینہ مطہر پر بیٹھ کر سر جدا کرنا، آپ کی لاش مقدس سے کپڑوں تک کا اتار لینا، نعش مطہر کا لکد کوبِ سم اسپاں کیا جانا، سُرادقات اہلبیت کی غارت گری، نبی زادیوں کی چادریں تک چھین لینا وغیرہ وغیرہ. نہایت مشہور اور زبان زد خاص و عام ہیں، حالانکہ ان میں بعض سرے سے غلط، بعض مشکوک، بعض ضعیف، بعض مبالغہ آمیز اور بعض من گھڑت ہیں. (مجاہد اعظم مؤلفہ شاکر حسین امروہوی ۱۷۸).

کربلائی قصوں کے قدیم ترین راوی ابومخنف لوط ہیں جو حادثہ کربلا کے کافی عرصہ بعد پیدا ہوئے ۱۵۷ھ یا ۱۷۰ھ میں یعنی شہادت حسینؓ کے کم از کم سو سال بعد وفات پائی۔ ان کے متعلق تمام ائمہ حدیث متفق اللفظ ہیں کہ یہ کذاب (بہت جھوٹے) اور شیعی محترق یعنی کٹر شیعہ تھے۔ ان کے بہت عرصہ بعد مشہور مورخ ابن جریر طبری، جن کی وفات ۳۱۰ھ میں ہوئی۔ نے کربلا کے واقعات انہیں ابومخنف کی روایت سے قال ابومخنف کہہ کہہ کر درج کئے ہیں پھر لطف یہ کہ ان ابومخنف کے نام سے بھی مختلف روایتیں موجود ہیں جو بقول شاکر حسین امروہوی صاحب "ایک دوسرے سے مختلف البیان ہیں اور ان سے صاف پایا جاتا ہے کہ خود ابومخنف واقعات کے جامع نہیں بلکہ کسی اور ہی شخص نے ان کے بیان کردہ سماعی (سنے سنائے) واقعات کو قلم بند کر دیا ہے" (مجاہد اعظم صفحہ نمبر ۱۷۸)

اس الجھی ہوئی اور پیچ در پیچ صورت حال میں حقیقت تک پہنچنا جس قدر مشکل کام ہے اسے اہل نظر ہی سمجھ سکتے ہیں۔

دوسرا نقطہ نظر:۔ شیعہ نقطہ نظر کے بالکل برعکس ان اہل علم اور دانشور حضرات کا نقطہ نظر ہے جو حضرت حسینؓ کی کربلا میں شہادت کے قائل ہی نہیں ہیں موجودہ دور میں ان کے سب سے نمایاں ترجمان مرزا حیرت دہلوی اور ڈاکٹر شبیر احمد ☆(۱) فلوریڈا (امریکہ) میں ہیں۔

☆ ڈاکٹر صاحب کی ایک کتاب برگ حشیش ہے۔ جس میں قادیانی حضرات کا تنقیدی مطالعہ کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا دیباچہ روزنامہ نوائے وقت لاہور کے ایڈیٹر جناب مجید نظامی کی قلم سے ہے۔ اسی کتاب کے شروع میں ڈاکٹر صاحب کی کئی اور کتابوں کا تذکرہ ہے۔ جس سے چند کے نام یہ ہیں۔ ۱۔ میں کرسچن کیوں نہیں ہوں۔ (اسلام میری نظر میں) ۲۔ نبی کامل ﷺ ۳۔ انتخاب احادیث رسول (جو قرآن کریم کے مطابق ہیں۔) ۴۔ ہندو سماج کے خواب ۵۔ اسلام فاردی جونیئر ۶۔ کرسٹی سے آمنہ تک۔ ۷۔ مسیح و مہدی کب آ رہے ہیں؟ (رجال کی حقیقت) ۸۔ کربلا کی حقیقت۔ ۹۔ اسلام کے مجرم۔ ۱۰۔ اکیسویں صدی کس کی ہے؟ ۱۱۔ ہمارے قائد اعظم (سوانح عمری) (ڈاکٹر صاحب کا امریکہ کا پتہ ہم نے اسی کتاب سے نوٹ کیا ہے) ۱۲۔ خراج عقیدت حضور سرور کائنات ﷺ کارڈیل کے لیکچرار کا ترجمہ) اس کتاب کے آخر میں ڈاکٹر جاوید اقبال (علامہ اقبال کے صاحب زادے) کا یہ ارشاد درج ہے۔

"حالیہ برسوں میں ڈاکٹر شبیر احمد عالم اسلام کے روشن خیال سکالر کی حیثیت سے سامنے آئے ہیں۔ بہت سے صاحبان نظر، انہیں اردو زبان کا بہترین ادیب و مصنف قرار دے رہے ہیں. میری رائے میں وہ عصر حاضر میں علامہ اقبال کے بہترین ترجمان ہیں. آپ ڈاکٹر شبیر احمد کی کوئی اردو یا انگریزی کتاب پڑھنے کے بعد ان خیالات سے غالباً متفق ہوں گے (ڈاکٹر جاوید اقبال)"

اسی صفحہ پر ڈاکٹر شفیق الرحمٰن ہلال امتیاز کے تاثرات ان الفاظ میں درج ہیں۔ "ڈاکٹر شبیر احمد اپنی پر لطف اور شگفتہ تحریروں میں تاریخ اور سماجیات کے گہرے مطالعہ کو بہت خوبصورتی سے کام میں لاتے ہیں. بلاشبہ وہ اردو ادب کے لاثانی تخلیق کار ہیں۔" پاکستان میں اس آخری کتاب (خراج عقیدت کا پتہ یہ ہے) طلوع پبلیکیشنز 22 حبیب بنک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور.

ڈاکٹر صاحب کی کتاب انگریزی اردو دونوں زبانوں میں شائع ہو چکی ہیں. ان کا پتہ یہ ہے۔

6440 NW 53 ST, LauderHillLauderHill, FL 33319 U.S.A

فون: (954) 747 - 8798-(954) 746- 2115

مرزا حیرت کے تفصیلی دلائل تو ان کی کتاب شہادت کی ان جلدوں سے معلوم ہوئے ہیں جو کرزن پریس دہلی میں چھپ رہی تھیں مگر دہشت گردوں نے ان کے کتب خانہ اور پریس کو آگ لگا دی۔ جس کی وجہ سے ان کی کتاب شہادت کی مطبوعہ پانچ مجلدات کا بہت بڑا حصہ جل کر تباہ ہو گیا. جس کی وجہ سے یہ کتاب بازار میں عام طور سے دستیاب نہیں ہے اس سے بھی بڑھ کر یہ نقصان ہوا کہ باقی مجلدات چھپ ہی نہ سکیں اور ایک تاریخی تحقیق ضائع ہو گئی۔

بہر حال مختصراً اُن کا نقطہ نظر یہ تھا کہ حضرت حسینؓ نے گورنر کوفہ اور اس کے نمائندہ کو جو تین شرطیں پیش کی تھیں اور جو سنی شیعہ دونوں کی معتبر کتابوں سے ثابت ہیں وہ یہ تھیں.

۱. جہاں سے (یعنی مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ سے) میں آ رہا ہوں. مجھے وہاں واپس جانے دو.

۲. مجھے دمشق یزید کے پاس جانے دیا جائے. تا کہ میں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دوں. وہ میرا چچازاد بھائی ہے، وہ جو چاہے میرے متعلق فیصلہ کرے.

۳. مجھے اسلامی سلطنت کی کسی ایسی سرحد پر بھیج دیا جائے. جہاں کفار سے جہاد ہو رہا ہو. تا کہ میں وہاں کفار سے جہاد کرتا ہوا شہادت پا جاؤں.

مرزا حیرت کی تحقیق کے مطابق اس آخری شرط پر مصالحت ہو گئی تھی اور بقول ان کے نہ ہونے کی کوئی وجہ بھی نہیں تھی. کیونکہ اس طرح حضرت حسینؓ کا وقار بھی محفوظ رہتا اور گورنر کوفہ بھی حضرت حسینؓ کے قتل سے بچ جاتا. اور کوفی شیعوں کی سازشیں بھی ختم ہو جاتیں. لہٰذا یہ مصالحت ہوئی اور اس مصالحت کے نتیجہ میں حضرت حسینؓ رومیوں کے مقابلہ کے لئے اسلامی سرحد پر قسطنطنیہ تشریف لے گئے. اور یورپی مسیح کفار سے لڑتے ہوئے قسطنطنیہ کے قریب 20 صفر کو شہادت پائی. اس لئے امام ابن عساکر کی تاریخ دمشق میں حضرت حسینؓ کی شہادت دس محرم والی مشہور عام روایت کے علاوہ ایک دوسری روایت 20 صفر کو یوم شہادت کی بتائی ہے.

لاہور کے مشہور اہل قلم مولانا پیر غلام دستگیر نامی اپنی کتاب "امیر معاویہؓ" میں لکھتے ہیں کہ مجھ سے مرزا حیرت دہلوی نے کہا کہ ممالک اسلامیہ کی سیاحت کے دوران میں نے قسطنطنیہ کے قریب حضرت حسینؓ کی شہادت گاہ جو "مقام حسینؓ" کے نام مشہور ہے خود دیکھی ہے.

تیسرا نقطہ نظر:۔ ان دو نقطہ نظر ہائے نظر کے علاوہ تیسرا نقطہ نظر عظیم سنی اکثریت کا ہے. جو حضرت عبداللہ بن عمر (بخاری شریف) سے لے کر امام غزالی تک ان کے تمام اکابر کا رہا ہے. اور سنی شیعہ دونوں کی روایات بھی اس نقطہ نظر کی تائید میں ہیں۔ اہل سنت کے نزدیک درحقیقت حضرت حسینؓ اور ان کے گھرانے کے قاتل کوفی شیعہ ہیں. جس طرح کوفی شیعوں کے بزرگوں مالک اشتر وغیرہ نے دھوکہ دے کر اور حضرت علیؓ کے لشکر میں شامل ہو کر حضرت طلحہ و حضرت زبیر کو شہید کیا اور ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی توہین کی، اسی طرح کوفی شیعوں نے حضرت حسینؓ کو پہلے تو خطوط لکھ لکھ کر اور اپنے نمائندے بھیج کر کوفہ آنے کے لئے تیار کیا. اور جب وہ ان پر اعتماد کر کے تیار ہو گئے تو ان کے ساتھ غداری کر کے کوفہ کے گورنر ابن زیاد سے مل گئے پہلے حضرت حسینؓ کے نمائندے مسلم بن عقیل کو شہید کیا، پھر ابن زیاد کی فوج میں شامل ہو کر کربلا میں حضرت حسینؓ کے مقابلہ پر آ گئے. حضرت حسینؓ نے انہیں بار بار سمجھایا کہ اگر تمہیں میرا ساتھ نہیں دینا تھا تو تم نے مجھے خطوط لکھ لکھ کر کیوں بلایا؟ مگر ان بدبختوں نے حضرت حسینؓ کو بھی جھٹلا دیا اور

کہا کہ ہم نے آپ کو کوئی خط نہیں لکھا صرف اتنا ہی نہیں کیا بلکہ حضرت حسینؓ اور حکومت کے درمیان مصالحت کی جو بات چل رہی تھی اسے ناکام کرنے کے لئے کوئی شیعوں کے ایک اہم فرد شمر نے حضرت حسین پر حملہ کر کے انہیں شہید کر دیا سب کو معلوم ہے کہ یہ شمر شیعان علی میں سے تھا۔ جنگ صفین میں حضرت علیؓ کے طرف داروں میں تھا رشتہ میں حضرت علیؓ کا سالہ اور حضرت حسین کے برادران جعفر و عباس وغیرہ کا ماموں تھا۔ (جلاء العیون) اہل سنت کے اس نقطہ نظر کو موجودہ زمانے میں خود شیعہ کتابوں سے امام اہل سنت حضرت مولانا عبد الشکور لکھنوی نے اپنے رسالہ النجم میں پوری تفصیل کے ساتھ پیش کیا، جسے مولانا کے ایک معتقد مولانا عبد الشکور مرزا پوری نے النجم کے فائلوں سے مرتب کر کے "شیعہ کتابوں کی رو سے" "قاتلان حسینؓ" نامی ضخیم کتاب کی شکل میں شائع کیا ہے۔ خود امام اہل سنت حضرت مولانا لکھنوی نے بھی "قاتلان حسینؓ کی خانہ تلاشی" کے نام سے ایک کتاب شائع کی ہے۔ مولانا لکھنویؒ کی یہ کتاب اور مرزا پوری صاحب کی مرتب کردہ پہلی کتاب (جسے اب بعض لوگوں نے "شہادت حسینؓ" کے عنوان سے بھی شائع کر دیا ہے۔ کا غور سے مطالعہ کرنے والے ہر شخص پر یہ حقیقت مکمل واضح ہو جاتی ہے کہ واقعی کوفی شیعہ حضرت حسینؓ کے اسی طرح قاتل ہیں جس طرح ان کوفیوں کے بزرگوں مالک اشتر وغیرہ نے حضرت طلحہ و حضرت زبیر کا قتل سبائیوں اور مالک اشتر وغیرہ نے حضرت علی کے لشکر میں شامل ہو کر اور مصالحت ہو جانے کے باوجود دھوکہ سے جنگ چھیڑ کر کیا تھا۔ اور حضرت حسینؓ کا قتل ان کے شیعوں نے ان کے ساتھ غداری کر کے اور ابن زیاد کی فوج میں شامل ہو کر کیا۔

جمل اور کربلا دونوں جگہ ان بزرگوں کو شہید کرنے سے سبائیوں کا واحد مقصد یہ تھا کہ اس طرح مسلمانوں کے اتحاد کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ان کو خانہ جنگی کی آگ میں دھکیل کر تباہ و برباد کر دیا جائے۔ انہیں معلوم تھا کہ ان کی ان حرکتوں سے حکومت وقت بھی بدنام ہو گی اور مختلف قبائل کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکا کر وہ اسلامی اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی اپنی آرزو بھی پوری کر سکیں گے۔ افسوس یہ گروہ اپنی اس خوفناک آرزو کو پورا کرنے میں کامیاب رہا۔ جمل کے موقع پر حضرت طلحہؓ و حضرت زبیر اور حضرت علیؓ کے درمیان مصالحت کو کامیاب نہیں ہونے دیا۔ اور کربلا

میں حضرت حسین اور حکومتِ وقت کے درمیان مصالحت نہیں ہونے دی. کربلا میں حضرت حسینؓ کے ساتھ کوفی شیعوں نے کس طرح غداری کی اور انہیں خطوط لکھ لکھ کر بلانے کے باوجود، حکومت کی فوج میں شامل ہو کر حضرت حسینؓ کے مقابلہ پر کس طرح آئے اس کی تفصیل شیعوں کی کتابوں کے حوالہ سے ان دونوں کتابوں میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں. اور کربلا سے پہلے سبائیوں نے اور کوفیوں کے بزرگ مالک اشتر وغیرہ نے جنگ جمل کے موقع پر حکومت (حضرت علیؓ) کی فوج میں شامل ہو کر حضرت طلحہؓ و زبیرؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان مصالحت ہو جانے کے باوجود کس طرح جنگ کی آگ بھڑکائی اور طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو شہید کیا اس کی مختصر تفصیل سب سے قدیم اور مشہور مورخ و مفسر امام ابن جریر طبری کی زبانی سنئے وہ اپنی کتاب تاریخ طبری میں لکھتے ہیں۔

کہ جب حضرت طلحہؓ و زبیرؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان مصالحت ہو گئی تو سبائیوں (شیعوں) کے علاوہ ہر شخص شاداں و فرحاں تھا. اس موقعہ پر سبائی (شیعہ) سرغنہ مشورے کے لئے جمع ہوئے کہ اب کیا کرنا چاہیے. ان میں ابن السودا یعنی ابن سبا اور مالک اشتر خاص طور پر قابل ذکر ہیں. انہوں نے آپس میں بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ قصاص لینے پر دونوں فریقوں میں مصالحت ہو رہی ہے. حضرت علیؓ اس بات پر طلحہؓ و زبیرؓ کے ساتھ متفق ہو گئے ہیں. اب تک دونوں فریق جدا جدا تھے لیکن دونوں فریقوں کے اتحاد کے بعد ہماری تعداد بہت کم رہ جائے گی. مالک اشتر بولا طلحہ و زبیر رضی اللہ عنھم کا ارادہ تو معلوم ہے مگر علیؓ کے دل کا حال نہیں کھلتا کہ وہ کیا کرنے والے ہیں. خدا کی قسم ان سب فریقین کی رائے ہمارے حق میں ایک ہی ہے اور ان کی صلح یقیناً ہمارے خون پر ہوگی. (تاریخ طبری جلد چہارم سنہ ۳۶ھ زیر عنوان نزول امیر المومنین ذی قار)

دیر تک مشورے ہوتے رہے اور لوگوں نے اپنی اپنی رائے پیش کی ان میں مالک اشتر کی رائے قابل ذکر ہے. جس نے کہا تھا کہ حضرت علیؓ کو قتل کر دینا چاہئے تا کہ ایک نیا ہنگامہ کھڑا

ہو جائے اور مسلمانوں میں نئے سرے سے افراتفری پیدا ہو جائے۔ یہ مالک اشتر شیعان علیؓ کا بہت بڑا لیڈر سمجھا جاتا ہے۔ مگر اس کی اس تجویز سے معلوم ہوتا ہے ان شیعان علیؓ کو درحقیقت حضرت علیؓ سے کوئی عقیدت یا ہمدردی نہیں تھی اسلام کو نقصان پہنچانے اور مسلمانوں کے درمیان فتنہ پیدا کر کے خونریزی کرانے کے لئے یہ حضرت علیؓ کی فوج میں شامل ہوئے تھے۔ آخر میں ابن سوداء یعنی ابن سبا کی رائے پر اتفاق ہو گیا۔ اس کی تقریر درج ذیل ہے:

فقام ابن السوداء فقال یا قوم ان عزکم فی خلطة الناس فصا العوهم و اذا التقی الناس غدا فانشبو القتال ولا تفرغوهم للنظر فاذا. من انتم معه لا یجده بد امن ان یمتنع ویشغل الله علیا والطلحة والزبیر و من رای رابهم عما هو تکرهونه وابصروا الرائی وتفرقوا علیه الناس لایشعرون.

ابن سوداء (ابن سبا) نے کہا کہ میری جماعت والو! تمہاری کامیابی لوگوں میں گھلے ملے رہنے میں ہے اس لئے ان سے نبھاتے رہو، اور کل جب دونوں لشکر کے لوگ آپس میں ملیں تو جنگ شروع کر دو اور انہیں سوچنے سمجھنے کی مہلت نہ دو۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ جن لوگوں کے ساتھ تم گھلے ملے ہوئے ہو (یعنی حضرت علیؓ کا لشکر) وہ بھی جنگ میں حصہ لینے پر مجبور ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ طلحہؓ اور زبیرؓ کی توجہ اس بات کی طرف سے ہٹا دے گا جسے تم ناپسند کرتے ہو، یعنی ان کے درمیان مصالحت کامیاب نہ ہو، سب نے اس مشورے کو پسند کیا اور یہ سازش کر کے سب اپنی اپنی جگہ چلے گئے۔ اور دوسرے ان کے اس منصوبے سے بالکل بے خبر رہے۔

(تاریخ طبری جلد چہارم سنہ ۳۶ھ عنوان بالا)

جب دونوں فریقین میں صلح ہوگئی دونوں لشکر مطمئن ہو گئے اور جنگ کا خیال ہی دلوں سے جاتا رہا تب بھی ابن سبا اور اسکے کے متعین مالک اشتر وغیرہ قاتلین عثمانؓ اس فکر میں رہے کہ کس طرح ان دونوں فریقوں کے درمیان جنگ کرادی جائے۔

وجعلوا یتشاورون لیلتهم کلها حتی اجتمعوا علی انشاب الحرب فی السر

وبذلک خشیة ان یفطن بما حاولو، من ابشر فغد و امع الغلس وما یشعربه جیرانهم انسلوا الی ذلک الا مرانسلا لا وعلیهم ظلمة.

یہ سبائی سرغنے رات بھر مشورے کرتے رہے تھے یہاں تک کہ جنگ چھڑوا دینے کے مقصد پر سب کا اتفاق ہوگیا۔اس منصوبہ کے بارے میں انہوں نے بہت رازداری سے کام لیا تھا۔کہ کہیں کوئی ان کے شر سے واقف نہ ہوجائے چنانچہ یہ لوگ رات میں حملہ کے لئے اس طرح اٹھے کہ ان کے قرب وجوار کے لوگوں کو بھی کوئی خبر نہیں ہوئی۔اور منہ اندھیرے اپنے اس منصوبے پر عمل کرتے ہوئے انہوں نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ اور حضرت طلحہؓ زبیرؓ کے لشکر پر حملہ کرکے جنگ کی آگ بھڑکادی۔(طبری جلد چہارم سنہ ۳۶ھ زیر عنوان امرالقتال)

دونوں فریق جو سورہے تھے اس حملے کے ہنگامے سے جاگے، ہرایک نے یہی سمجھا کہ فریق ثانی نے غداری کرکے حملہ کردیا ہے اس لئے دشمن کے پلان کے عین مطابق ہر فریق اپنے دفاع کے لئے جنگ میں شریک ہوگیا، اس طرح حضرت طلحہؓ وحضرت زبیرؓ کو شہید کرکے اور دونوں فریقوں میں دشمنی اور انتقام کی آگ بھڑکا کر مالک اشتر اور اس کے ساتھی شیعوں نے اپنی آرزو پوری کرلی۔کوفی شیعوں نے یہی طرز عمل حضرت حسینؓ کو شہید کرتے ہوئے اختیار کیا۔اور آج بھی ان کا رویہ یہی ہے۔وہ بظاہر اتحاد بین المسلمین کا نعرہ لگاتے ہیں لیکن درپردہ سنی مسلمانوں کو باہم لڑوا کر اپنی چودھراہٹ قائم رکھتے ہیں۔

نتیجہ: ہم نے تینوں نقطہ ہائے نظر کے قائلین کے دلائل آپ کے سامنے پیش کردیے ہیں۔ ذاتی طور پر ہم جمہور اہل سنت کے نقطہ نظر کو صحیح سمجھتے ہیں۔لیکن جمل وصفین وکربلا میں حضرت حسینؓ کی شہادت کے جو منکر ہیں ہم ان کی تحقیقات کو بھی دہشت گردی کے ذریعے جلانے یا انہیں قتل کرنے کے قائل نہیں ہیں۔ان کا نقطہ نظر قرآن کریم کی مخالفت کرنے والے ان فرقہ پرستوں اور روایت پرستوں کے نقطہ نظر سے (جن کی دو مثالیں) ہم پہلے پیش کرچکے ہیں۔بہر

حال بہتر ہے. تاریخی تحقیقات پر (اگر وہ قرآن کریم کے خلاف نہیں ہیں) کھلے مباحثہ اور مکالمہ کی ضرورت ہے۔ فکر ونظر میں اسی سے توانائی اور استحکام آتا ہے اور علم اسی طرح ترقی کرتا ہے.

قانون کی حدود میں رہ کر اگر شیعوں کو کام کرنے اور اپنا نقطہ نظر پیش کرنے کا حق ہے تو اہل قرآن یا معتزلہ یا خارجیوں کو یہ حق کیوں حاصل نہ ہو؟ اصولوں کے تحت حریت فکر کا حق اگر ایک شہری کو حاصل ہو تو دوسرے شہری سے اس کا یہ حق کس طرح چھینا جا سکتا ہے؟ دلیل کا جواب دلیل سے ہونا چاہیے نہ کہ قاتلانہ حملہ کر کے یا کتابوں کو جلا کر یا توڑ پھوڑ کر کے یا کتاب کو بین کرا کے اور اپنی ہنگامہ پسندی اور فرقہ پرستی اور دہشت گردی کا مظاہرہ کر کے؟

افسوس موجودہ دور کے ایرانی ہیرو خمینی صاحب اپنے اس اعلان سے کہ سلمان رشدی جہاں ملے واجب القتل ہے. (حالانکہ وہ ان کے ملک کا شہری بھی نہیں تھا) خود تو ہیرو بن گئے مگر ان کے اس قسم کے جذباتی طرز عمل نے برداشت کے ماحول کو مزید نقصان پہنچانے اور ساری دنیا میں اسلام کو دہشت گرد مذہب کے طور بدنام کرنے میں بڑا کردار ادا کیا. خمینی کے انتقال کے بعد ایرانی حکومت کے سربراہ نے اگرچہ قتل کا یہ اعلان تو واپس لے لیا اور اس طرح خمینی کی غلطی مان لی مگر ناعاقبت اندیشانہ رویہ سے ساری دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کی جو بدنامی ہوئی اس کا مداوا کیسے ہوگا؟ افسوس اس جذباتی اور برداشت نہ کرنے والے مزاج کی وجہ سے خمینی انقلاب کے بعد ایران کے تمام پڑوسی ممالک میں (پاکستان سمیت) قتل و دہشت گردی ایک خوفناک لہر اٹھی ہوئی ہے. جو ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی ورنہ اس سے پہلے کم از کم پاکستان میں سنی شیعہ سمیت خارجی اہل قرآن وغیرہ تمام فرقے بڑے امن وسکون سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ اب بھی جب تک ایک دوسرے کے نقطہ نظر کو برداشت کرنے کا مزاج پیدا کرنے کی کوششیں نہیں کی جائیں گی۔ سکون کی فضا واپس نہیں آ سکے گی۔

انبیا کو بے حجت کرنا

یہ بحث اور بھی زیادہ دلکش ہوگی رات دن جو تقدیر کا رونا رویا جاتا ہے وہ سب اس سے جاتا رہے گا دوسرے دہریوں ملحدوں اور آریوں کے اعتراض منہ کے بل آ پڑیں گے۔ جو اللہ تعالی کی قدرتوں پر کرتے ہیں جبر و قدر کے باریک مسائل پر گزشتہ صفحات میں پوری ہو چکی ہے مگر ہم چاہتے ہیں کہ ادھر شیعی احباب کے اعتراضوں کا جواب دیں اور ادھر علمی رازوں پر جو پردہ پڑا ہوا ہے اُٹھا دیں۔ اگر ہم سے یہ خدمت بن پڑی تو ہم سمجھیں گے کہ ہم نے انسانی فرض ایک حد تک ادا کیا۔ یہ بحث فی الحقیقت بہت دقیق ہے یہاں غزالی اور رازی کے بھی پر جلتے ہیں۔ اور محقق طوسی کے تو تن بدن میں لرزہ پیدا ہوتا ہے۔ ہر شخص کا یہ کام نہیں ہے کہ ایسی دقیق بحث کو اٹھائے اور اخیر تک نبھاتا چلا جائے چند ہما شما جو اس زمانہ میں پیدا ہو گئے ہیں۔ وہ ہمارے مکتب کے معمولی طلبہ سے زیادہ علمی وجاہت نہیں رکھتے لہٰذا ہم چاہتے ہیں کہ ہماری تحریریوں اور تحقیق و تنقید کا مقابلہ طوسی، ابن رشد، رازی اور غزالی وغیرہ سے کیا جائے تا کہ معلوم ہو کہ آسمان پر علم کا دروازہ بند نہیں ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر عصر میں اپنے ایک بندہ کو اپنے کام کے لئے چن لیتا ہے اور پھر اپنا کام اُسی سے پورا کرا لیتا ہے نہ اس میں کوئی مبالغہ ہے اور نہ خلاف سچی بات ہے شک کی مطلق گنجائش نہیں فقط۔ شیعی علماء فرماتے ہیں کہ منجملہ دیگر شکوک کے ایک یہ ہے کہ انبیاء کا ساکت اور بے حجت کرنا لازم آتا ہے اس لئے کہ جب ایک نبی نے کافر سے کہا کہ مجھ پر ایمان لاؤ اور مجھے سچا جان تو وہ جواب میں کہتا ہے کہ تم مجھ سے کیا کہتے ہو اسی سے کہو جس نے تمھیں نبی بنا کے بھیجا ہے کہ وہ مجھ میں ایمان پیدا کر دے یا کوئی ایسی موثرہ قوت عطا کرے جس کی وجہ سے میں ایمان لانے کے قابل ہو جاؤں اور تم پر ایمان لے آؤں۔ ورنہ مجھ میں بلا ایسی قوت ہوئے آپ مجھے ایمان لانے پر کیسے مجبور کرتے ہیں کیونکہ اللہ نے تو میرے اندر کفر پیدا کیا اور میں اللہ کا مقابلہ اور اس سے زبردستی نہیں کر سکتا۔ یہ سُن کے انبیاء ساکت ہو جائیں گے اور ان سے کچھ جواب بن نہ آئے گا ہم جب جانیں کہ سنی انبیاء کی طرف سے اس کا ایسا مدلل جواب دیں کہ کافر ہونٹ چاٹتے ہی رہ جائیں۔

جواب: یہ ہمارے شیعی احباب کا ایک بہت بڑا طعنہ ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ سوائے شیعوں کے اس کا جواب باصواب کوئی سنی نہیں دے سکتا۔ حالانکہ یہ خیال سراسر غلط ہے ہم نے باوجود تلاش بسیار کے شیعوں کے ایک عالم کو بھی ایسا نہیں پایا جس نے اعتراض کا کوئی جواب دیا ہو۔ یقیناً ہم ہی اس کا جواب دیں گے اور ہم جانتے ہیں کہ ہم سے بہتر اس کا کوئی کوئی جواب دے بھی نہیں سکتا۔ سنیئے اور غور سے سنیئے! یہ مقام ایسا ہے کہ اس میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہوتے ہیں وجہ یہ ہے کہ اکثر لوگ ایسے ہیں کہ جب انہیں وہ امور بتائے جائیں جوان پر واجب ہیں تو تقدیر کا حیلہ حوالہ کرنے بیٹھ جاتے ہیں .اور یہ کہنے لگتے ہیں جب تک اللہ ہمیں قدرت نہ دے اور حکم نہ کرے یہ امور ہم سے ادا نہیں ہوسکتے علی ہذا القیاس۔ جب انہیں کسی حرام فعل سے منع کیا جاتا ہے تو فوراً بول اٹھتے ہیں کہ اللہ نے ہمارے مقدر میں ایسا ہی لکھ دیا ہے ہم مجبور ہیں کچھ نہیں کرسکتے غرض اسی قسم کی اور بھی باتیں بناتے ہیں۔ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ دنیا کے دانش مندوں، مدبروں اور کل اہل مذاہب نے کبھی تقدیر کے حیلہ حوالہ کو تسلیم نہیں کیا اور اسے سخت لغو اور بیہودہ بات جانی۔شریروں نے جرم سے بچنے اور اپنے عیوب پر پردہ ڈالنے کی غرض سے تقدیر کا حیلہ نکالا ہے ارادتاً تو شراب خواری کررہا ہے لوگوں کو نقصان پہنچا رہا ہے جھوٹی گواہیاں دے رہا ہے پرائی بہو بیٹیوں سے زنا کررہا ہے اور جب ان افعال شنیعہ پر ڈانٹا جاتا ہے تو کہتا ہے کہ میں کیا کروں میری تقدیر میں یہی لکھا ہوا تھا۔ حالانکہ وہی باتیں جو وہ اوروں کے ساتھ کررہا ہے اور اگر اس کے ساتھ کی جائیں اور پھر تقدیر کا عذر کردیا جائے تو وہ کبھی اس عذر کو تسلیم نہیں کرنے کا اور جان لینے اور جان دینے کے لئے آمادہ ہوجائے گا۔لہٰذا یہ بات ثابت ہوگئی تقدیر کے ساتھ حلیہ حوالہ کرنا محض بے سود اور بے دلیل بات ہے یہ دعوے ایسے بیکار دلیل کے ساتھ کبھی قبول نہ کیا جائے گا۔ خاص کر اس وقت جب منہیات کے کرنے اور حقوق واجبہ کے چھوڑنے پر حجت کی جائے ہر مذہب میں مجرم کو ہمیشہ سزا ملی ہے خود اللہ تعالی گنہگار کو سزا دیتا ہے۔ زمین سے لیکر آسمان تک ایک ہی انتظام کا سلسلہ قائم ہے اور اس سلسلہ سے کسی کو بھی مفر نہیں اب اس کا علمی پہلو دیکھو یہ شبہ ایسا ہے جیسا فلسفیوں کو بھی علوم میں پیش آجاتا ہے اور تم ان کے شبہات کو غلط جانتے ہو اسی طرح ایسا ہی شبہ یہ ہے جو اعمال میں پیش آتا ہے اور خیال ہوتا ہے کہ یہ شبہ تصدیق اور

عدل وغیرہ کے وجوب کا ساقط کرنے اور کذب وظلم وغیرہ کے مباح کرنے کی کافی دلیل ہے۔ لیکن دل میں سب کا یقین ہے کہ شبہ محض بیکار ہے اسی وجہ سے تحقیق کے وقت اسے کوئی تسلیم نہیں کرتا اور نہ کوئی اسے حجت بناتا ہے ہاں جسے اپنے افعال کی کوئی حجت معلوم نہ ہوا اور پھر اسے یہ معلوم ہو جائے کہ اس فعل کا کرنا ہی مصلحت ہے اور یہی مامور ہے او یہی کرنا بھی چاہیے۔ تو وہ شخص تقدیر سے کبھی حجت نہیں کرتا۔ اسی طرح جب اُسے یہ معلوم ہو جائے کہ جو فعل میں نے نہیں کیا وہ کرنا ہی نہیں چاہیے۔ یا اس کے کرنے میں کوئی مصلحت نہیں ہے یا وہ مامور بہ نہیں ہے تو بھی وہ تقدیر کے ساتھ اس پر حجت نہیں کرتا بلکہ تقدیر سے حجت اس وقت کی جاتی ہے جب کوئی شخص اپنی خواہشِ نفسانی کا پیرو ہو جاتا ہے اور اس وقت وہ محض اپنی جہالت اور علم سے تقدیر کے ساتھ حجت لانے لگتا ہے یہی وجہ تھی جب حضورانور رسول اللہ کے زمانہ میں مشرکین نے یہ کہا تھا۔ لَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا اَشْرَكْنَ وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَ مِنْ شَيْءٍ. یعنی اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کر سکتے تھے نہ ہمارے باپ دادا نہ ہم کوئی چیز حرام کرتے اس کے جواب میں آسمان سے یہ آواز بلند ہوئی۔ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ لَا تَخْرُصُوْنَ. یعنی کیا تمہارے پاس اس کی کوئی دلیل ہے اگر ہے تو ہمارے سامنے لاؤ نہیں تو تم اپنے خیال پر اڑتے اور فضول اٹکل پچو باتیں بناتے ہو مشرکین کو کیا دنداں شکن جواب دیا گیا ہے جس کا جواب الجواب ہونا ناممکن ہے یہ سن کے اپنا سامنہ لیکے رہ گئے۔ مشرکین اپنے خیال میں یہ نہ سمجھے تھے کہ ہماری یہ حجت بالکل بیکار اور بے سود ہے اور ان کے اس سمجھنے کی یہ پوری دلیل ہے کہ اگر کوئی ان ہی میں سے دوسرے پر ظلم کرے یا کسی کا نقصان کر دے یا کسی کی عورت سے زنا کرے یا کسی کے بچہ کو مار ڈالے یا اور کسی ظلم وزیادتی پر اڑ جائے اور لوگ اسے ان قبیحہ افعال سے منع کریں اور وہ ان کے جواب میں یہ کہے کہ اگر اللہ چاہتا تو میں ان افعال قبیحہ کو نہ کرتا تو وہ اسکی حجت اور کہنے کو کبھی تسلیم نہیں کرنے کے اسی طرح دوسرے موقع پر کسی اور کی طرف سے یہ خود بھی تسلیم نہیں کرنے کا ایسی بیکار باتوں کو جو شخص حجت بناتا ہے وہ محض اپنے سے ملامت اور سرزنش رفع کرنے کے لئے بلاوجہ ایسی بیکار حجتیں پیش کرتا ہے جسے عملی طور پر خود بھی قبول نہیں کرتا یہی وجہ ہوئی کہ اللہ کی طرف سے مشرکین سے خطاب کیا گیا ہے کہ اگر تمہارے اس کہنے کی تمہارے پاس کوئی حجت

ہے تو تم ہمارے آگے پیش کرو جس سے معلوم ہو جائے کہ وہ شرک اور تحریم اللہ ہی کے حکم سے ہے اور یہ کہ اس کا کرنا اور مصلحت ہے نہیں تم لوگ محض اپنے فاسد خیالات کی پیروی کرتے ہو ورنہ کیا تمہیں یہ خبر نہیں ہے کہ یہ تمہارا خیال ہی خیال ہے اور یہ سب تم اپنی طرف سے باتیں بناتے ہیں اور فضول ایجاد کرتے ہو جسکا نفس الامر میں کچھ پتہ نشان نہیں یاد رکھو اللہ کی مشیت اور قدرت کبھی کسی کے لئے کسی فعل میں حجت نہیں ہو سکتیں نہ ایک کی طرف سے دوسرے پر حجب ہو سکتی ہیں نہ کسی کے لئے باعث عذر بن سکتی ہیں اس کی ظاہر وجہ یہ ہے کہ قضا و قدر میں سب لوگ شریک اور برابر ہیں اگر یہ ایک کے لئے حجت اور دلیل بن جائے تو پھر عادل، ظالم، صادق، کاذب عالم، جاہل، اچھے اور برے میں کوئی فرق نہ رہے گا نہ یہ معلوم ہو سکے گا انسان کو کونسے امور سنوارتے کونسے بگاڑتے کون سے نفع دیتے اور کون سے نقصان پہنچاتے ہیں۔ مشرکین جنھوں نے اللہ کے پیغمبروں کے ارشادات کو ترک کرنے پر تقدیر سے حجت کی ہے اگر آپس میں ایک دوسرے کے حقوق کو ساقط کرنے اور ان کے حکم کی مخالفت کرنے میں اسی طرح حجت کریں تو اسے کبھی کوئی قبول نہ کرے گا بلکہ یہ خود ہی اس کے اس فعل کے باعث اس سے دشمنی رکھنے لگیں گے۔ اسی طرح جب حضور انور ﷺ اس کرۂ ارض میں بھیجے گئے تو بندوں پر جو اللہ کا حق ہے اسے ادا کرنے اور اُس کے حکم کی پیروی کرنے کی لوگوں کو دعوت دی اس کے جواب میں مشرکین نے تقدیر کے ساتھ حجت کی اور ساتھ ہی اپنے حقیقی مالک کا حق چھوڑنے اور اس کے حکم کی مخالفت کرنے پر حجت پر حجت کرتے رہے اور حجت بھی وہ کی کہ اگر یہی حجت انکا حق نہ دینے اور ان کی مخالفت کرنے میں کی جاتی تو وہ کبھی اُسے تسلیم نہ کرتے صحیحین میں سعد بن جبل سے روایت ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ نے فرمایا اے معاذ تمہیں معلوم ہے کہ اللہ کا بندوں پر کتنا حق ہے دیکھو بندوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ اس کی عبادت کریں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور کیا تم جانتے ہو کہ بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے ان کا حق یہ ہے کہ جب یہ اسکا حق ادا کر دیں تو وہ انہیں عذاب نہ کرے فقط۔ خلاصہ یہ ہے کہ تقدیر کے ذریعہ سے ایسے جاہلوں کا حجت کرنا جنہیں اس کا بھی علم نہ تھا کہ وہ کیسے عمل کرتے ہیں اور کیسے نہیں کرتے اس بضاعت پر ان کا اپنے خیالات کی کد کرنا اور اپنی ہی طرف سے الٹا سیدھا ایجاد کر لینا ہے حالانکہ وہ اپنے حقوق میں کبھی ایسا نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے خالق کا حق ادا نہ

کرنے اور اس کے حکم کی مخالفت کرنے میں کرتے تھے اسی لئے اس قسم کی حجت کرنے والوں کو خواہ وہ کوئی ہوں صوفیہ ہوں، فقراء ہوں یا فقہاوغیرہ ہوں تم دیکھو گے کہ اپنے خیالات کی پیروی کرنے اور خواہشات نفس کو پورا کرنے کے وقت اس طرف کیسی کوشش کرتے ہیں اگر انہیں علم ہوتا اور ہدایت پر ہوتے تو تقدیر سے کبھی حجت نہ کرتے. چونکہ علم اور ہدایت انہیں حاصل نہیں ہے. اس لئے وہ ایسا کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسی اصل اور عمدہ بنیاد ہے جو شخص اسے اپنے ذہن نشین کرے گا تو اسے بہت سے لوگوں کی گمراہی اور سرکشی سے آگاہی ہو جائے گی۔ یہ وجہ ہے کہ تم ان مشائخ اور صالحین کو دیکھو گے جو اللہ کے اوامر و نہی کے پیرو ہیں اور اپنے شاگردوں کو علم شریعت کی بہت ہی تاکید سے نصیحت اور وصیت کرتے ہیں. اس لئے بسا اوقات بہت سے امور ایسے پیش آجاتے ہیں کہ ان سے انہیں محبت اور تعلق ہو جاتا ہے جس کے بعد وہ اپنی خواہشوں کی پیروی کرنے لگتے ہیں اور اس میں انہیں یہاں تک مبالغہ ہو جاتا ہے کہ دین الٰہی اسی کو سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ ان کے پاس سوائے اس گمان تعلق اور وجدان کے کچھ نہیں ہوتا جس کا انجام کار نفس کی خواہش اور الفت کی طرف نکلتا ہے اس وقت کبھی تو وہ تقدیر سے حجت کرنے لگتے ہیں اور کبھی اس گمان کو آگے کر دیتے ہیں اصل میں دیکھا جائے تو وہ اپنی خواہشوں کے ہی پیرو ہیں ہاں جس وقت انہیں اس علم کی پیروی نصیب ہوگئی جسے شارع علیہ السلام لے کے آئے ہیں تو پھر یہ سمجھ لو کہ وہ اس گمان اور خواہش نفس سے نکل گئے اور اس کے پیرو ہو گئے جو اللہ کی طرف سے ہے اور ہدایت ہے چنانچہ اللہ فرماتا ہے۔ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنِ تَّبَعَ هُدَىَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى. (طٰہٰ:۱۲۳) یعنی اگر تمہیں میری طرف سے ہدایت پہنچ جائے تو پھر جس نے اس ہدایت کی پیروی کر لی نہ وہ کبھی گمراہ ہوگا نہ بدنصیب اس کے علاوہ یہی مضمون سورۃ انعام، نحل، اور زخرف میں بھی آیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ. اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ. (الزخرف:۲۰) یعنی یہ مشرکین وغیرہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ کو منظور ہوتا تو ہم بتوں کی کبھی پرستش نہ کرتے انہیں اس کا بالکل علم نہیں یہ فقط اٹکل پچو باتیں بناتے ہیں اس آیت سے صاف معلوم ہوگیا کہ انہیں اس کا بالکل علم نہ تھا وہ اپنی ہی طرف سے باتیں بناتے تھے پھر ملاحظہ ہو۔ سورۂ انعام میں ہے۔ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ. کہہ دو

بڑی پوری حجت اللہ ہی کی ہے یعنی پیغمبروں کے بھیجنے اور کتابوں کے نازل کرنے سے اللہ نے اپنی سب سے حجت پوری کردی۔ اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ لِئَلاَّ يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ. یعنی تاکہ پیغمبروں کے آ جانے کے بعد اللہ پر لوگوں کی حجت نہ رہے پھر ارشاد ہوتا ہے۔ فَلَوْشَاءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ. یہاں تو تقدیر کو بھی کھول دیا یعنی پہلے حجت شرعیہ کو ثابت کر کے بعد مشیت قدریہ کا بھی بیان کر دیا یقیناً یہ دونوں حق ہیں پھر سورہ نحل میں فرماتا ہے۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْشَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ. (النحل:۳۵)

اس آیت میں یہ بیان کر دیا کہ مشرکین وغیرہ کی یہ باتیں ان احکام کی بابت جو پیغمبر لے کے آئے ہیں پیغمبروں کی تکذیب کرنے میں کبھی حجت نہیں ہو سکتیں برخلاف اس کے اگر کوئی حجت ہوتی تو ہر حق کے جھٹلانے اور ہر ظلم کے کرنے پر اس سے حجت کی جاتی یہ بات تو صریحاً فطرت انسانی کے بالکل خلاف ہے کہ ایسی صحیح بات پر حجت کی جائے یاد رکھیئے! کسی شخص کا اس سے حجت کرنا اس کی بے علمی اور اتباع ظن کے باعث سے ہوگا۔ یا مثل اُن اشخاص کے جنھوں نے ایسی پوچ مدافعت سے پیغمبروں کی تکذیب کی ہے یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ جب کسی حاکم نے اپنے ماتحتوں کو پہلے ہی یہ سمجھا دیا کہ یہ کرنا اور یہ نہ کرنا اور ان کے حیلے اور شبہات بھی سب رفع کر دیئے لیکن انہوں نے اپنے حاکم کی تعمیل ارشاد نہ کی اور اپنے لئے نئے طریقے ایجاد کر لئے اور اپنے اعمال کا ستیاناس کر دیا اب حاکم کو اختیار ہے کہ انہیں سزا دے یا ان سے انتقام لے اس پر اگر وہ یہ کہیں کہ خدا نے ہمارے مقدر میں ایسا ہی لکھ دیا تھا اگر وہ چاہتا تو ہم کبھی ایسا نہ کرتے تو اس وقت انہیں یہ جواب ملے گا کہ تمہارے پاس اسکی حجت نہیں ہے۔ اور نہ اب تمہارا کوئی عذر چل سکتا ہے۔ لہٰذا ان فضول باتوں کو ہم سننا نہیں چاہتے اور دوسری مثال دیکھو کسی حاکم نے دوسرے شہر مال و اسباب کو پہنچانے کے لئے ایک قافلہ کے سپرد کیا۔ قافلہ والے اسے لے کے روانہ ہو گئے اور انہوں نے ایک جنگل میں جہاں آدمی کا پتہ نہ تھا اس مال اسباب کو چھوڑ دیا اور آپ آگے نکلتے چلے گئے. پھر اسی حاکم نے اپنی کسی دشمن کے مقابلہ کے لئے ایک لشکر بھیجا یہ لشکر بھی اتفاق سے اسی راستہ پر جا نکلا جہاں وہ مال پڑا ہوتا تھا۔ لشکر نے اس مال کو لاوارث سمجھ

کے اٹھالیا اور محفوظ اپنے حاکم کے پاس پہنچا دیا کہ یہ مال اپنی مہم میں ہمیں ملا ہے اب حاکم کو چاہیے
پہلے ان قافلہ والوں جن کے سپرد یہ مال کیا تھا سزا دے کہ انہوں نے محض شرارت اور غفلت سے ایسا
کیا اگر وہ کوئی عذر کریں تو ان کے منہ پر یہ کہہ کے مار دے عذر گناہ بدتر از گناہ حاکم یہ کہہ سکتا ہے کہ تم
نے میری حکم عدولی کی امانتوں اور ودیعتوں کے طرح اس کی حفاظت نہیں کی مطلب یہ ہے کہ حاکم کی
یہ حجت پوری پوری ان پر قائم ہو جائے گی اور وہ اُسے ہرگز ظالم نہ کہہ سکیں گے اسی طرح یہ سمجھ لو کہ اللہ
تعالے جو کچھ کرتا ہے وہ ہر کام میں بڑا حاکم اور عادل ہے۔ کوئی شے اس کی مشیت اور قدرت سے
باہر نہیں ہے جب اس نے اپنے بندوں کو ان ہی کی مصلحت اور بہتری کے لئے حدود شرعی کی حفاظت
اور فرائض ادا کرنے کا حکم دیا تو یہ ان پر اس کا احسان ہے اور ان کا اس کی حمد کرنا ان ہی کے لئے مفید
ہے۔ پھر اللہ نے اور امور پیدا کئے اور جب ان امور کے پیدا ہونے کے سبب سے بندوں نے سرکشی
کر کے اپنا نقصان کر لیا پھر بھی وہ ان دونوں کے پیدا کرنے اور انہیں حکم دینے میں عادل ہے اگر چہ
اس نے بندوں کی ایسی اطلاع یا خبر سے امداد نہیں کی جس کے باعث وہ اس سرکشی اور اپنی جان پر ظلم
کرنے سے بچ جاتے خاص کر اس صورت میں کہ وہ جانتا تھا کہ اگر اس اطلاع کو پیدا کر دیا تو ایک
بڑی مصلحت کا فوت ہونا لازم آئے گا۔ مطلب یہ ہے کہ تقدیر سے یہاں کوئی حجت نہیں لا سکتا بلکہ اس
حق کا اتباع نہ کرنے کی وجہ سے جو شارع نے بیان کر دیا ہے محض حیلہ کے طور پر کوئی حجت کر سکتا ہے
اس لئے کہ انسان سے حتیٰ متحرک بالارادہ ہے اور متحرک بالارادہ وہ ہوتا ہے حس اور شعور کے بعد
ہوتے ہیں بلکہ وہ امور بھی جو اس جنس کے ہیں مثلاً حس، علم، سمع، بشر، شم، ذوق، لمس وغیرہ غرض یہ شعور
اور ادراک ارادہ وغیرہ کے مقدمہ ہیں جس وقت کوئی شئے نافع اور بہتر معلوم ہوتی ہے تو انسان اس کا
ارادہ کرتا ہے اسے پسند کرتا ہے اور جب کوئی شے مضر معلوم ہوتی ہے تو اس سے نفرت کرتا اور اسے
چھوڑ دیتا ہے لیکن اس کا یہ معلوم ہونا کبھی سچا اور واقعی ہوتا ہے اور کبھی محض اٹکل اور ظن سے اور جب یہ
اپنے مقصود سے خوب واقف ہو جاتا ہے اور سمجھ جاتا ہے کہ میرے حق میں یہ بے شک مفید ہے اور اس
کا کرنا ہی مصلحت ہے تو محض اس یقین اور علم کی وجہ سے ہدایت پر آ جاتا ہے اور جب تک کسی کو ایسا علم
اور یقین حاصل نہیں ہوتا تو وہ اپنے خیال اور خواہش نفس کا تابع رہتا ہے۔ اور اس بے اصول حالت

میں محض جاہل جھگڑالو کی طرح تقدیر سے حجت کرنے لگتا ہے اور اس کا یہ کرنا حق اور علم پر کاربند ہونے کے لئے نہیں ہوتا اس سے صاف طور پر معلوم ہوگیا کہ تقدیر کے وسیلے سے نہ کوئی ظاہر میں حجت کرسکتا ہے نہ باطن میں جب یہ بات صاف ہوگئی تو اچھی طرح سمجھ لو کہ جو شخص پیغمبروں کے مقابلے میں تقدیر سے حجت لاتا ہے وہ گویا خود ہی اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ میری میری اس حجت کی کوئی دلیل میرے پاس نہیں ہے اور یہ باتیں بنانا محض لاعلمی کی وجہ سے ہیں۔ یہ اچھی طرح سمجھ لیجئے ایک قاعدہ کلیہ ہے جو شخص بلا علم گفتگو کرتا ہے وہ اپنے دعوے اور کلام میں جھوٹا ہوتا ہے۔ جو بے علمی سے حجت کرتا ہے اس کی حجت بیکار ہی نہیں بلکہ غلط ہوتی ہے۔ اگر فی الحقیقت وہ جاہل ہے تو اسے لازم ہے کہ علم میں کوشش کرے اور حق بات کو جانتا ہے اور نفسانی خواہش اسے حق بات پر نہیں چلنے دیتی۔ تو اسے چاہیے کہ حق کی پیروی کرے اور نفسانی خواہش کو چھوڑ دے کیونکہ اس سے زیادہ کوئی گمراہ نہیں ہوسکتا جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کے نفسانی خواہش کا تابع رہے۔

اور جواب کا دوسرا پہلو سنئے! اول انبیاء کا ساکت ہونا اس وقت ہوسکتا ہے کہ جب تقدیر سے حجت لانی جائز ہو اور جب یہ حجت صریح باطل یعنی فطرت اور عقل دونوں کے خلاف ہے تو اس صورت میں یہ سوال ہی وارد نہ ہوگا اسی وجہ سے ایسی حجت ہی کرنا جائز نہیں ہے۔ مثلاً کوئی شخص اپنا روپیہ اپنے قرض دار سے مانگے تو اس کا یہ جواب دینا کبھی ٹھیک نہیں ہوسکتا کہ میں تمہارا روپیہ اس وقت دوں گا جب اللہ تعالیٰ مجھ میں دینے کی قوت پیدا کردے گا۔ علیٰ ہذا القیاس جب کسی نے اپنے ملازم کو کسی کام کے کرنے کا حکم دیا تو ملازم کا یہ کہنا زیبا نہیں ہے کہ میں اس کام کو نہیں کرسکتا جب تک اللہ اس کے کرنے کی مجھ میں قوت پیدا نہ کردے اسی طرح کسی شخص نے کوئی چیز بیچی اور مشتری سے قیمت طلب کی اس پر مشتری یہ نہیں کہہ سکتا کہ قیمت میں اس وقت دوں گا جب اللہ پاک اس کے ادا کرنے کی مجھ میں قوت پیدا کردے گا۔ یہ انسانی جبلی امر ہے۔ مسلمان ہو یا کافر تقدیر کا مقر ہو یا منکر تقدیر کا اعتراف کرنے کے بعد اس قسم کے اعتراض کبھی کسی کے دل میں نہیں آسکتے اب آپ انصاف سے سمجھئے کہ جب یہ سوال بداہت عقول ہی میں معروف الفساد ہوگیا تو اب کیسے ہوسکتا ہے کہ کوئی رسول کے مقابلے میں ایسی حجت کرے دوئم ایسے شخص کے جواب میں اللہ کا پیغمبر یہ کہہ سکتا ہے کہ میں اللہ کی طرف سے

تجھے ہدایت کرنے آیا ہوں اگر تو ہدایت پر آ گیا تو تیری نجات ہو جائے گی تو بڑا صاحب نصیب ہو جائے گا اور نہیں تو اللہ کی طرف سے تجھے سزا ملے گی تیری روح وزنی اور مصیبت زدہ ہوگی اسکی مثال یہ ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ کو ہ صفا پر چڑھے اور عرب کے دستور کے مطابق یا صباحاہ لوگوں کو للکارا اس آواز کے سنتے ہی بہت سے آدمی جمع ہو گئے اس وقت رسول اللہ نے فرمایا اگر میں تم سے یہ کہوں کہ ایک دشمن تمہاری تاک میں لگا ہوا ہے صبح ہوتے ہی وہ تم پر حملہ کرے گا تو کیا تم میرے اس کہنے کا اعتبار کرلو گے انہوں نے متفق اللفظ کہا کہ بے شک اس لئے کہ آپ کبھی جھوٹ نہیں بولے اور جو کچھ آپ نے کہا وہ ہمیشہ سچ نکلا ہمیں آپ کے قول پر اعتبار ہے ان کے اس اقرار کے بعد آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں ایک بڑے سخت عذاب سے ڈراتا ہوں جسکا بندوبست تم اسوقت کر سکتے ہو اور تم مجھے ایسا سمجھو جیسے کوئی اعتبار کرانے اور واقعی بات کو ظاہر کرنے کے لئے ننگا آیا کرتا ہے اب یہ بات صاف ظاہر ہے کہ جب کوئی کسی کو ایسے دشمن سے ڈرائے جو اسکی تاک میں لگا بیٹھا ہو تو یہ شخص اس ڈرانے والے سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ بس تو ہی اللہ سے دعا کر کہ دشمن سے بچنے کی وہ مجھ میں قوت پیدا کردے تا کہ میں بچ جاؤں بلکہ فطرۃً یہ مدافعت کی خود ہی کوشش کرے گا۔ اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ جو لوگ پیغمبروں کو ایسا جواب دیتے ہیں کہ تم ہی اللہ سے کہو کہ وہ ہم میں یہ بات پیدا کر دے کہ ہم ہدایت پر آ جائیں اور حق سمجھنے لگیں یہ احمقانہ جواب نبیوں کے دشمنوں سے ممکن ہے محض چھیڑنے کے لیے ہو مخالف طرح طرح کی باتیں بناتا ہے اور اسکی باتیں کسی صورت سے بھی پسند نہیں ہو سکتیں سوم پیغمبر ایسے شخص کو یہ جواب دے سکتا ہے کہ میں اللہ سے یہ بات کہہ نہیں سکتا نہ مجھے اس کہنے کی ضرورت ہے میرے ذمے تو فقط اسکے احکام کا مخلوق تک پہنچا دینا ہے جسے میں پورا کر چکا اب جو میں کرونگا میرے لئے ہوگا جو تو کرے گا تیرے لئے ہوگا چہارم پیغمبر یہ جواب دے سکتے ہیں کہ ہمیں یا اور کسی کو اللہ سے یہ کہنے کا مجاز ہرگز نہیں ہے کہ فلاں میں فلاں بات پیدا کر دے اور اللہ کے افعال کی علت نہ ہونے میں اب بھی علماء کے دو فریق ہیں ایک فریق کا قول یہ ہے کہ اللہ کے فعل میں حکمت ہونی ضرور نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ہر چیز کا مالک ومختار ہے جو چاہے کر سکتا ہے۔ اسمیں کوئی چون و چرا نہیں کر سکتا اور جسے جو حکم چاہے کر دے دوسرے فریق کا قول یہ ہے کہ اللہ کا کوئی فعل حکمت سے

خالی نہیں ہوتا۔ اور اسی طرح اسکے نہ کرنے میں بھی حکمت ہوتی ہے لہٰذا اسکے کسی کام کو کرنے یا نہ کرنے میں بندے کو چون وچرا کرنا لازم نہیں ہے جسکے متعلق صاف حکم موجود ہے چنانچہ فرماتا ہے لَا یُسْـَٔلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْـَٔلُوْنَ۔ یعنی اللہ سے اسکے کئے کی کوئی باز پرس نہیں کرسکتا۔ اسکے علاوہ اور سب سے باز پرس ہوگی پنجم پیغمبر یہ جواب دے کہ کسی فعل پر تیری اعانت کرنی تو اللہ کے افعال میں داخل ہے اور وہ جو کچھ کرتا ہے کسی نہ کسی حکمت سے کرتا ہے اور جو نہیں کرتا تو اسمیں کوئی حکمت نہ ہونے کی وجہ سے نہیں کرتا لیکن محض اطاعت کرنا تو تیرے افعال میں سے ہے اسکا فائدہ تجھ ہی کو ہوتا ہے اب اگر اس نے تیری اعانت کردی تو یہ اسکا فضل ہے۔ اور اگر اعانت نہ کرے تو یہ بھی اسکا فعل عین انصاف ہے۔ کیونکہ تجھے مکلف بنانے میں اسکی کوئی غرض نہیں ہے جسکی وجہ سے وہ تیری اعانت کرنے کا محتاج ہو جیسا کہ آقا اپنے کسی فائدہ کی غرض سے اپنے غلام کو حکم کرتا ہے اور جب وہ اسکے حکم کی تعمیل نہیں کرسکتا تو اپنا مطلب حاصل کرنے کے لئے اسکی اعانت کرتا ہے مگر اللہ اس آقا کی طرح نہیں ہے بلکہ اسکا مکلف کرنا اور کسی کام کا حکم دینا بندوں کی ہدایت اور فائدہ کے لئے ہے کیونکہ وہ ان کے لئے معرفت کا ذریعہ ہے جسکے باعث معاش ومعاد یعنی دنیا ودین دونوں میں فائدہ ہوگا۔ اور جب کسی کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ چیز مجھے فائدہ دے گی اور یہ مضر پڑے گی اور پھر وہ اس چیز کا محتاج بھی ہو تو ممکن نہیں اب وہ یہ کہہ سکے کہ میں اسے حاصل نہیں کرتا جب تک اللہ تعالی مجھ میں اسکی قدرت پیدا کردے بلکہ ایسے آدمی آللہ تعالی کی عالی بارگاہ میں بہت عجز وانکساری سے التجا کیا کرتے ہیں کہ وہ مفید امر کے حاصل ہونے میں ان کی امداد کردے مثلاً اگر کوئی کسی سے کہے کہ تیرا دشمن تیرے پیچھے آتا ہے یا کوئی درندہ تجھ پر حملہ کررہا ہے تو اسکا جواب وہ یہ کبھی نہیں دینے کا کہ میں نہیں بھاگتا جب تک اللہ تعالی مجھ میں بھاگنے اور اس سے بچنے کی قوت پیدا نہ کردے بلکہ وہ شخص بچنے میں حتیٰ الامکان بہت ہی کوشش کرے گا اور اسپر اللہ تعالی کی اعانت چاہے گا اسی طرح جب کسی کو کھانے پینے یا لباس کی ضرورت ہوگی تو وہ کبھی یہ نہیں کہنے کا کہ میں نہ کھاؤں، نہ پیوں، نہ لباس پہنوں جب تک اللہ مجھ میں اسکی قدرت نہ پیدا کردے بلکہ خود ہی اسمیں کوشش کرے گا اور میسر ہونے کی اللہ سے دعا کریگا خلاصہ یہ ہے فطرت انسانی میں یہ بات ودیعت ہوئی ہے کہ جس چیز کی کسی کو ضرورت

ہوا سکی اسے محبت ہو جاتی ہے اور جس چیز سے ضرر ہو اس سے قدرتا نفرت ہو جاتی ہے۔ ان دونوں حالتوں میں اللہ سے اعانت طلب کی جاتی ہے اور یہ اس فطرت کا اثر ہے جس پر اللہ نے اپنے بندوں کو پیدا کیا ہے اسی واسطے اللہ نے اپنے بندوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اس سے ایسی دعا کرتے رہیں کہ وہ اپنے حکم کے ادا کرنے میں امداد فرماتا رہے۔ ششم پیغمبر سے ایسا سوال یا تو وہ شخص کرے گا جسکا ارادہ طاعت کرنے کا ہو اور یہ جانتا ہو کہ اس طاعت سے مجھے فائدہ ہوگا اور یا وہ کرے گا جسکا یہ ارادہ نہ ہو اور نہ اسے یہ یقین ہو کہ اس سے مجھے فائدہ ہوگا۔ ایسا سوال کرنا ان دونوں کو منع ہے پہلے کو تو اس لئے کہ جب اس نے طاعت کا ارادہ کرلیا اور یہ یقین کرلیا کہ اس سے مجھے فائدہ پہنچے گا تو جب اسے اس سے کوئی مانع نہ ہو تو وہ ضرور اطاعت کرلے گا۔ کیونکہ باوجود قدرت ہونے کے اطاعت کا ارادہ کرلینا ہی اسکے عمل کر ضروری کردیتا ہے وجہ یہ ہے کہ باوجود قدرت اور پورا سبب ہونے کے مقدور شئے کا وجود ضروری ہے اور جب شہادتین ہی کے زبان سے کہنے پر طاعت کا ظہور ہو جاتا ہے تو جو شخص اس کا پورا ارادہ کرے وہ اسے ضروری کرے گا اس لئے کہ قدرت اور سبب دونوں موجود ہیں اور جو اس وقت نہیں کرنے کا اس کی نسبت یہ خیال کیا جائے گا کہ اس کا قصد ہی نہ تھا اگر کسی کا یہ قصد ہی نہ ہو تو اسے رسول اللہ سے ایسا سوال کرنا ہی کب جائز ہو سکتا ہے کہ اللہ میرے لئے یہ قدرت پیدا کردے اس لئے کہ رسول اللہ سے اس کا طالب وہی ہوگا جو رسول کو سچا جانتا ہو اور جو سچا جانتا ہے وہ طاعت کا مصمم ارادہ ضرور رکھا کرتا ہے۔ غرض یہ ہے کہ ایسا سوال بغیر ایسے ارادے کے متصور ہی نہیں ہے اور یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی اپنے مقدور کے موافق طاعت کا رادہ کر سکے اور اُسے پورا نہ کر سکے بلکہ ضرور کرلے گا اور یہ بدیہی بات ہے۔ ہفتم پیغمبر یہ جواب دے سکتا ہے کہ تجھ میں ایمان لانے کی قدرت اور قابلیت ہے. اگر تو چاہے تو لا سکتا ہے اور اگر نہیں لاتا تو اس کی وہ وجہ نہیں ہے کہ تو مجبور ہے تجھ میں اس کی قدرت نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ تیرا ارادہ ہی نہیں ہے ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ امر یعنی حکم میں جو قدرت شرط ہے وہ مطیع اور عاصی دونوں ہی میں پہلے سے موجود ہوتی ہے اور مطیع میں امر کے ساتھ بھی ہوتی ہے بخلاف اس قدرت کے جو مطیع ہی کے ساتھ مخصوص ہے وہ فعل کے ساتھ ہی ہوتی ہے اور پہلے ہم یہ بھی بتا چکے ہیں کہ جس نے قدرت کی ایک ہی قسم رکھی ہے اس نے بڑی غلطی کی ہے قدرت کے معاملے میں چند

قول ہیں کہ آیا یہ فعل سے پہلے ہوتی ہے یا اس کے ساتھ ساتھ ہوتی ہے جو فعل کے ساتھ ہونے کے قائل ہیں وہ یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ یہ فعل کو مستلزم ہوتی ہے اور مستلزم کا اس فعل کے ساتھ ہونا ضروری ہے۔ دوسرے یہ کہ قدرت ایک عرض ہے اور عرض کا وجود دو زمانوں میں یعنی فعل سے پہلے بھی اور اس کے ساتھ بھی نہیں ہو سکتا دوسرا قول یہ ہے کہ قدرت فعل سے پہلے ہی ہوتی ہے اسکی دلیل یہ ہے کہ یہ فعل کے لئے علت ہوتی ہے اور علت ساتھ نہیں ہوا کرتی اس کا وجود پہلے ہی ہو جاتا ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ قدرت فعل سے پہلے بھی ہوتی ہے اور ساتھ بھی یہی قول سب سے زیادہ صحیح ہے پھر ان لوگوں میں بعض لوگوں کا قول یہ ہے کہ قدرت کی دو قسمیں ہیں اول مصححہ دوم مستلزمہ مصححہ فعل سے پہلے ہوتی ہے جسے بعض علت سے تعبیر کرتے ہیں اور مستلزمہ ساتھ ساتھ ہوتی ہے بعض کہتے ہیں کہ قدرت تو فقط مصححہ ہی ہوتی ہے اور یہی فعل سے پہلے اور اس کے ساتھ دونوں حالتوں میں قائم رہتی ہے باقی استلزام قدرت سے نہیں ہوتا بلکہ وہ ارادہ ہونے سے حاصل ہو جاتا ہے اس لئے قدرت کو مستلزمہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ ارادہ قدرت کا جز نہیں ہے یہ قول فی الحقیقت سب سے زیادہ عمدہ اور واضح ہے اس ساری بحث کے بعد اب ہم یہ جواب دے سکتے ہیں کہ تو ایمان لانے پر قادر ہے خدا نے تجھ میں اس کی قدرت پیدا کر دی ہے لیکن تو اپنی ہٹ دھرمی سے خود ایمان نہیں لاتا۔ اگر وہ اس کے جواب میں یہ کہے کہ تم خدا سے دعا کرو وہ مجھے ایمان کا شائق بنا دے تو اسے یہ جواب دیا جائے گا کہ اگر تو یہ دعا چاہتا ہے تو معلوم ہوا کہ تو ایمان کا شائق ہے پھر اس کے لئے دعا کرنے کی کیا ضرورت ہے اور اگر نہیں چاہتا تو اپنے اس قول میں جھوٹا ہے کہ اللہ مجھے ایمان کا شائق بنا دے اس پر اگر وہ سائل یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایسے کام کا حکم کرے جس کا ارادہ مجھ میں اس نے خود پیدا نہیں کیا تو یہ قول ارادہ کی طلب کے لئے نہیں ہے بلکہ محض مخاصمت ہے لہٰذا ایسی بے فائدہ مخاصمت کا جواب دینا رسول پر لازم نہیں ہوتا۔ ہشتم پیغمبر یہ بھی جواب دے سکتے ہیں کہ ہمارے پیغمبر بنانے سے اللہ کا مقصود عذاب کی خبر کر دینی ہے ایسے لوگوں کو جو ایمان نہیں لاتے اور نافرمانی کرتے ہیں جیسا موسیٰ اور ہارون نے فرعون سے کہا تھا کہ ہمیں وحی کے ذریعہ سے یہ حکم ہوا ہے۔ اِنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی. یعنی عذاب اس کو ہوگا جو تکذیب کرے اور روگردانی کرے اب اگر وہ سائل یہ کہے کہ اللہ نے مجھ میں کفر پیدا کیا

ہے۔ ایمان کا ارادہ ہی مجھ میں پیدا نہیں کیا۔ تو اُسے یہ جواب دیا جائے گا کہ تجھ میں یہ ارادہ نہ ہونا تجھے ان لوگوں میں ہونے سے نہیں بچا سکتا جو جھٹلاتے اور روگردانی کرتے ہیں اور اس کے عذاب کے مستحق ہوجاتے ہیں۔ اگر اللہ تجھے مومن کردیتا تو پھر ان لوگوں میں ہوجاتا ہے جنہیں اس نے اس عذاب سے بچانے کا وعدہ کرکے سعادتمند بنایا ہے اور ہم تو پیغمبر ہیں تجھے اللہ کے احکام سنائے دیتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرائے دیتے ہیں جس سے ہمارے رسول ہو کے آنے کا مطلب پورا ہو چکا اب تو مکلف ہے ہم سے اس بارے میں تجھے کچھ تعلق نہیں ہے۔ یہ حجت تو اپنے اللہ سے کر اس حجت کرنے میں نہ تیرا کوئی فائدہ ہے نہ ہمارا کچھ نقصان ہے تو یہ بھی یاد رکھ کہ اللہ جو کچھ کرتا ہے وہ مالک ہے اس میں چون و چرا کرنے کا کوئی مجاز نہیں ہے اور وہ سب سے باز پرس کرے گا۔

نہم جواب یہ ہے کہ یہ سوال محققین معتزلہ پر اور ان شیعی علماء پر وارد ہوتا ہے جو ابوالحسین بصری کے پیرو ہیں کیونکہ ابوالحسین کا بھی یہ قول ہے کہ سبب اور قدرت کے موجود ہونے کے بعد مقدور کا موجود ہونا ضروری ہے اس کی دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ بندہ میں سبب اللہ نے پیدا کردیا ہے لہٰذا مقدور ہوجانا چاہیے اور تقدیر کے بارے میں جو قول ابوالحسین اور اس کے متبعین کا ہے وہی محققین اہل سنت والجماعت کا ہے وہ کہتے ہیں اللہ نے بندہ میں قدرت اور ارادہ پیدا کردیا ہے اور اس کا پیدا کردینا بندہ کی حقیقت فعل کو مستلزم ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں بندہ اپنے فعل کا حقیقی فاعل ہے یہی قول جمہور اہل سنت کا ہے اور یہی اکثر اصحاب اشعری کا مذہب ہے مثلاً ابواسحاق اسفرائینی اور ابوالمعالی الجوینی جن کا لقب امام الحرمین ہے اور ان کے سوا اور لوگ بھی اس کے قائل ہیں اور جب یہی قول محققین معتزلہ اور شیعہ کا اور یہی جمہور اہل سنت کا ہے تو اب اختلاف۔ فقط۔ قدریہ جمیہ اور مجبرہ میں رہا قدریہ تو وہ ہیں جو اس کے قائل ہیں کہ اللہ کے بغیر ارادہ اور قدرت کے بندہ کے دل میں ایک سبب پیدا ہوجاتا ہے اور جمیہ مجبرہ وہ ہیں جو کہتے ہیں بندہ کے فعل میں بندہ کی قدرت اور ارادہ کو کسی قسم کا دخل نہیں نہ بندہ اپنے فعل کا فاعل اور اس کا سبب ہے جیسا کہ جہم بن صفوان امام المجبرہ اور اس کے متبعین کہتے ہیں وہ اپنے عقیدہ یا خیال میں ایسے مضبوط ہیں کہ اگر کوئی ان کے آگے یہ ثابت بھی کردے جب بھی وہ اس کا یقین نہیں کرنے کے نہ اس کے قائل ہوں گے حالانکہ اشعری وغیرہ اسے اچھی طرح ثابت کرچکے

ہیں۔ مگر انہوں نے بایں ہمہ اپنے خیال سے ایک انچ برابر جنبش نہیں کی مطلب یہ ہے کہ قدریہ اور جہمیہ دونوں کے قول صریح باطل ہیں ۔ یہ عجیب لطف ہے کہ اکثر شیعی علماء نے جہمیہ کے قول کی موافقت کی ہے لیکن سلف اور ائمہ جو خلفاء ثلثہ کی خلافت کے قائل ہیں نہ وہ یہ کہتے ہیں نہ وہ کہتے ہیں. یعنی نہ قدریہ کی موافقت کرتے ہیں نہ جہمیہ کی اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ ان ہی اہلسنت کا قول ٹھیک ہے جو خلفاء ثلثہ کو برحق خلیفہ جانتے ہیں یہ بات قابل التفات نہیں ہے کہ اگر ان کے تابعین میں سے کسی سے کچھ خطا ہوئی تو ایک انسانی فروگذاشت ہے ورنہ ویسے دیکھا جائے تو شیعہ کی خطا اس سے بدرجہا زیادہ بڑھی ہوئی ملے گی مگر یہ سوال اسی سے ہوسکتا ہے جو تقدیر سے حجت لانے کو جائز کہتا ہو اور اپنے یا اور کسی کے خطا کرنے کے بعد یہ عذر سمجھ لیتا ہو کہ مقدر میں یوں ہی ہے اور اپنے اس خیال کو یہ سمجھے کہ بس یہی حقیقت کونیہ کا مشاہدہ ہے ان ہی میں بعض وہ بھی ہیں جن کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ قول ان عارفین اہل توحید کا خاصہ ہے جو توحید خالق میں فنا ہو چکے ہیں اور کہتے ہیں کہ ربوبیت کے عارف اپنی توحید کے مشاہدہ میں نہ نیکی کو نیکی خیال کرتے ہیں نہ گناہ کو گناہ بعض یہ کہتے ہیں جس نے ارادہ کا مشاہدہ کرلیا اور اپنا ہر کام حتی کہ ایمان لانا وغیرہ بھی مقدر پر چھوڑ دیا تو اس سے امر و نہی ساقط ہو جاتے ہیں یہ بھی بعض لوگوں میں مشہور ہے کہ خضر سے تکلیف اسی لئے ساقط ہو گئی ہے۔ کہ انہیں اس ارادہ کا مشاہدہ ہو گیا تھا اس قسم کے متاخرین شیوخ، صوفیہ، فقراء بلکہ فقہا اور امراء میں بہت سے ہیں اس میں شک نہیں کہ یہ سب ان شیعہ اور معتزلہ سے بھی بدتر ہیں جو امر و نہی کا اقرار کرتے اور تقدیر کے منکر ہیں. سنیوں میں ان ہی الٹی کھوپڑی والے لوگوں نے شیعوں کو اعتراضات کی جرات دی ہے یاد رکھو جس نے امر و نہی وعدہ وعید واجبات کو ادا کرنے اور محرمات کو ترک کرنے کا اقرار کرلیا مگر اس کا قائل نہ ہوا کہ بندوں کے افعال کا خالق اللہ ہے بندہ خلق پر قادر نہیں ہے نہ خدائے تعالے معاصی کو پسند کرتا ہے تو اس نے گویا خدا کے حکم کی تعظیم کی اسے ظلم کرنے سے منزہ سمجھا اپنے اوپر اس کی حجت کو قائم کرلیا ہاں اتنا نقص رہا کہ یہ اللہ کی تامہ قدرت، عامہ مشیت، شاملہ خلق، عدل و حکمت، اور امر و نہی اور وعدے وعید کو پورے طور سے احاطہ نہ کرسکا۔ گویا اُس نے اللہ کی حمد تو کی مگر اُسے ہر شے کا مالک نہ سمجھا اس کے علاوہ جنہوں نے اللہ کی قدرت، مشیت اور خلق کو مان کے اُس کے امر و نہی اور وعدے وعید کا

انکار کیا تو یہ منکر یہود و نصاریٰ سے بھی آگے بڑھ گئے جیسے کہ شیعوں کے سب سے بڑے مجتہد شیخ علی نے کہا ہے کیونکہ اور اُسکے ہم نوا مجتہدوں کا یہ قول رسولوں کے ساکت کرنے کا بہت بڑا آلہ ہے اگرچہ وہ لوگ مجوس کے مشابہ ہیں لیکن یہ اُن مشرکین کے مشابہ ہیں جو پیغمبروں کو جھٹلاتے اور کہتے ہیں کہ اگر اللہ کو منظور ہوتا تو ہم مشرک نہ ہوتے نہ ہمارے باپ دادا ہم تو خدا کے حکم کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتے۔

صحابہ کے اخیر زمانہ میں قدریہ کے عقیدہ کے لوگ کچھ کچھ پیدا ہوتے چلے تھے لیکن تقدیر سے حجت کرنے والوں کا کوئی فرقہ آج تک مسلمانوں میں نہیں سنا گیا۔ قدریہ کی کثرت متاخرین کے زمانہ میں ہوئی ہے۔ ان لوگوں نے اس حجت کا نام حقیقت رکھ لیا ہے اسی معنوی حقیقت سے یہ شریعت کا مقابلہ کرتے ہیں اور اس حقیقت دینیہ شرعیہ میں جس سے احوال قلوب کا راستہ ملتا ہے اور اس حقیقت کونیہ قدریہ میں یہ لوگ فرق نہیں کرتے آنکھ بند کر کے اس پر ایمان لے آتے ہیں اور معاصی پر اس سے کچھ حجت نہیں کرتے ہاں مصائب کے وقت بالکل رنگ بدل جاتا ہے جو شخص اس حقیقت کونیہ قدریہ کا مصیبتوں کے وقت مشاہدہ کرے گا اُسے چنداں پریشانی نہ ہوگی اور وہ اپنے گناہوں اور برائیوں سے توبہ واستغفار کرے گا۔ کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے۔ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِکَ ۔ اسی بارے میں آدم اور موسے میں مباحثہ ہوا تھا جسے ابوہریرہ کی روایت سے صحیحین میں درج کیا ہے اور یہی روایت ایک اچھی سند کیساتھ فاروق اعظم سے بھی منقول ہے روایت کا مضمون یہ ہے موسیٰ نے جناب باری میں دعا کی تھی کہ مجھے آدم کی زیارت ہو جائے جنھوں نے اپنی خطا کے باعث ہمیں بھی بہشت سے نکلوا دیا موسیٰ اس دعا کے قبول ہونے پر آدم سے ملے اور دریافت کیا آدم تم ہی ہو کہ اللہ نے اپنے ہاتھ سے تمھیں پیدا کیا اور اپنی روح تم میں پھونکی اور اپنے فرشتوں سے تمھیں سجدہ کرایا بھلا پھر تم نے ہمیں اور اپنے کو جنت سے کیوں نکلوا دیا۔ آدم نے جواب میں کہا کیا تم ہی وہ موسےٰ ہو تمھیں اللہ نے اپنے کلام سے برگزیدہ کیا اور اپنے ہاتھ سے تمہارے لیے تورات لکھی اب تم یہ بتاؤ کہ کلمہ وَعَصٰی آدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی تمہارے خیال میں کس زمانہ کا لکھا ہوا تھا کیا تمہارے پیدا ہونے سے چالیس برس پہلے اِس کہنے سے آدم موسے پر غالب آ گیے۔

اس حدیث سے بہت سے فرقوں نے یہ گمان کیا ہے کہ آدم علیہ السلام نے اپنی خطا سرزد

ہونے پر تقدیر سے حجت کی اور اسی سے موسیٰ پر غالب آ گئے ایک فرقہ کا قول یہ ہے کہ اس سے استدلال کرنا آخرت میں جائز ہے دنیا میں جائز نہیں دوسرے فرقہ کا قول یہ ہے کہ یہ استدلال ان لوگوں کے لیے ہے جو تقدیر کا مشاہدہ کرتے ہیں اور وہ خاص ہی خاص ہیں عام لوگوں کے لیے ہرگز نہیں ہے ایک فریق مثلاً جبائی وغیرہ وہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ہی سراسر غلط ہے ایک اور فرقہ نے اس حدیث کی بالکل لغو اور بعید تاویل کی ہے وہ کہتا ہے کہ یہ اس لیے حجت ہے کہ آدم نے توبہ کر لی تھی دوسرا قول (تاویل میں) یہ ہے کہ آدم اُن کے باپ تھے اور بیٹا باپ کو ملامت نہیں کر سکتا بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ گناہ ایک شریعت میں تھا اور ملامت دوسری شریعت میں اصل یہ ہے کہ یہ سب اقوال حدیث کے اصلی مقصود سے بہت دور ہیں کیونکہ حدیث تو تکلیفات کے وقت تقدیر کے تسلیم کر لینے کو متضمن ہے۔ چنانچہ موسیٰ نے آدم کو اللہ کے اس حق کی وجہ سے کچھ ملامت نہیں کی جو خطا کرنے میں تھا بلکہ اس وجہ کی سے کی کہ ان کی والا دکو بھی اُس سے مصیبت پہنچی اسی وجہ سے یوں دعا کی الٰہی مجھے وہ آدم دکھا دے جس نے ہمیں اور اپنے کو جنت سے نکلوا دیا پھر اُن سے بھی یہی کہا کہ تم نے ہمیں اور اپنے کو جنت سے کیوں نکلوا دیا یہ روایت اکثر طریقوں میں اسی طرح مروی ہے اگر چہ سب طریقوں میں اِس طرح نہیں ہے اور یہی حق بھی ہے کیونکہ آدم نے اس خطا سے توبہ کر لی تھی اور موسے سے ایسے عارف باللہ ہو کے یہ بعید ہے کہ وہ تائب کو ملامت کرتے پھر خود اُنہوں نے بھی توبہ کی چنانچہ کہا۔ رَبِّ اِنِّی ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ اور کہا "سُبْحَانَکَ تُبْتُ اِلَیْکَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ. اور کہا فَغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الْغَافِرِیْنَ. وَاکْتُبْ لَنَا فِیْ هٰذِهِ دُنْیَا. حَسَنَةً وَ فِی الْاٰخِرَةِ اِنَّ هُدْنَا اِلَیْکَ. اس کے علاوہ گنہگار آدمیوں میں بہت سے ہیں سب کو چھوڑ کے خاص آدمی ہی کو ملامت کرنے کی کوئی وجہ نہیں دوسرے یہ کہ آدم اور موسیٰ سے یہ بعید ہے کہ ان میں ایک گناہ ہونے پر تقدیر سے حجت کرے اور دوسرا اُسے قبول اور تسلیم کر لے کیونکہ اگر یہ حجت مقبول ہوتی تو ایسی حجت ابلیس کے لیے بھی ہو سکتی ہے بلکہ قوم نوح، عاد، ثمود اور فرعون کے لئے بھی اگر کوئی گناہ ہو جانے پر تقدیر سے حجت لا کے موسے پر غالب آ جاتا ہے تو اسی طرح فرعون بھی غالب آ سکتا تھا۔ علیٰ ہذا القیاس اگر آدم موسے پر اس لیے غالب آتے کہ اُنہوں نے تقدیر کے ذریعہ سے اپنی خطاء کی ملامت

کو رفع کیا تھا اسی طرح ابلیس آدم کو سجدہ نہ کرنے پر خدا کے آگے بھی حجت کر سکتا تھا قصہ مختصر یہ کہ قدر یہ کھلم کھلا اللہ سے مخاصمت کرتے ہیں اُن کی سب حجتیں منہ کے بل گر پڑیں گی وہ لوگ جو تقدیر کے بارے میں غلط سلط باتیں بناتے ہیں تین قسم کے ہیں ایک تو وہ جو اُسے باطل جانتے ہیں دوسرے وہ جو امر و نہی کے منکر ہیں۔ تیسرے وہ جو اللہ پر اُسکے حکم اور تقدیر کو جمع کرنے کے باعث طعن کرتے ہیں یہ لوگ بدنصیب اور گمراہ ہیں اور خاص اس معاملہ میں سب فرقوں سے بدتر ہیں اسی بارے میں ابلیس کا مناظرہ بھی مروی ہے اور جو لوگ امر و نہی کے منکر ہیں وہ اُن سے کم ہیں۔ اور جو مکذبین ہیں اُن کی تعداد ان سے بھی بہت کم ہے سلف کی زیادہ تغلیظ جو مکذبین قدر پر دیکھی جاتی ہے اُس کی وجہ یہ ہے کہ منکرین اِس کے ذریعہ سے مقابلہ نہیں کرتے تھے نہ اُن کی تعداد زیادہ تھی اور نہ وہ یقیناً اُن سے بدتر ہیں جیسا کہ اعتقاد میں روافض خوارج سے گئے گزرے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ خوارج کا ظاہر و باطن یکساں ہے جو بات اُن کے دل میں ہے وہی زبان پر ہے برخلاف روافض کے کہ ان کے ہاں تقیہ فرض عین ہے۔ یعنی دل میں کچھ اور زبان پر کچھ غرض اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ آدم نے موسیٰ پر تقدیر کے ساتھ اس حیثیت سے حجت قائم کی کہ اُنہیں اور اُن کی اولاد کو تکلیف پہنچی تکلیف سے چونکہ قدرتاً ایک پریشانی ہوتی ہے لہٰذا اس پریشانی کی وجہ سے سبب تکلیف پر ملامت کی جاتی ہے پس معلوم ہوا کہ اُن کے لیے یہ تکلیف اور سبب پہلے ہی سے مقدر میں لکھا ہوا تھا۔ بندہ مامور ہے کہ تقدیر الٰہی پر صبر کرے اور حکم الٰہی کو تسلیم کرلے کیونکہ یہ بھی منجملہ حکم الٰہی کے ہے۔ جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے۔ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَمَنْ یُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ یَهْدِ قَلْبَهٗ. سلف میں سے ایک فرقہ کا قول یہ ہے کہ ایسا آدمی ابن مسعود جیسا کہ جسے کوئی مصیبت پہنچی اور وہ اُسے من جانب اللہ سمجھ کے اس پر راضی رہا اور اُسے تسلیم کرلیا پس یہ کلام اور اس جیسے اور کلام اُسی شخص سے کہے جاتے ہیں جو تقدیر سے معاصی پر حجت لائے پھر معلوم ہو کہ یہ حجت باوجود تقدیر پر ایمان ہونے کے ہر ایک کے نزدیک صریح باطل ہے اور اس حجت کے بطلان سے تقدیر کی تکذیب متصور نہیں ہوتی وجہ یہ ہے کہ کل اولاد آدم کی خلقت میں یہ بات ودیعت ہوئی ہے کہ نفع حاصل کرنے کی کوشش کریں اور نقصان سے بچیں ان کے دین و دنیا صلاحیت اور عیش زندگانی بغیر اس کے ہو ہی نہیں سکتا لہٰذا ضروری ہوا کہ نفع کے حاصل کرنے

اور مضرت دفع کرنے کے لئے وہ مامور ہوں خواہ اُن کی طرف پیغمبر معبوث ہوں یا نہ ہوں لیکن ان کا نفع ونقصان کو جاننا اور بُرائی بھلائی کو سمجھنا اپنی اپنی عقل وفہم کے مطابق ہوگا۔ پیغمبروں کے مبعوث ہونے کی یہ غرض ہے کہ لوگ مصالح کو حاصل کر کے اُن کی تکمیل کریں اور مفاسد کو معطل اور کم کریں پیغمبروں کے بعد اُن کے اتباع بھی اس بارے میں سب سے زیادہ کامل ہوئے اُن کے جھٹلانے والوں کے حق میں یہ امر خلاف رہا کہ اُنہوں نے مصالح کی جگہ مفاسد کا اتباع کیا اور مصالح کو معطل رکھا۔ لہٰذا یہی لوگ سب سے بدتر رہے۔ اس پر بھی ان کے لئے ضروری ہے کہ بعض امور کو حاصل کریں اور بعض سے اجتناب رکھیں اور یہ کہ سب مل کے ایسی شے سے بچیں جو ان کے لئے مضر ہو جیسے ظلم اور فواحش وغیرہ کیونکہ کسی نے اگر کسی کی جان مال یا آبرو میں کچھ ظلم وزیادتی کی اور پھر مظلوم نے اپنا بدلہ لینا اور سزا کرانی چاہی تو اس وقت اہل عقل میں سے کوئی بھی تقدیر سے حجت لانے کو قبول نہیں کرے گا اور اگر وہ یہ بکواس کرنے لگے کہ مجھے معاف کرو یہ فعل میرے مقدر میں تھا اس لیے ہو گیا لوگ اُسے جواب دیں گے اگر تیرے ساتھ ایسا کیا جاتا اور جو شخص تجھ پر ظلم کرتا وہ تیری طرح تقدیر کے ساتھ اسی طرح حجت کرتا تو کبھی اُسے قبول نہ کرتا۔ اس کے علاوہ اس حجت کے قبول کرنے سے ایسی خرابی لازم آتی ہے کہ اُسکے ہوتے کبھی صلاحت نہیں ہوسکتی۔ اور جب تمام لوگوں کی فطرت اور عقل میں تقدیر سے حجت لانا مردود ہو گیا حالانکہ تمام جمہور تقدیر کے مقر ہیں تو معلوم ہوا کہ تقدیر کا اقرار کرنا اِس کے ساتھ حجت دفع کرنے کے منافی نہیں ہے۔ بلکہ اس پر ایمان لانا اور اُسکے ساتھ حجت ہونے کو رد کرنا ضروری ہے۔ اب بحث کا دوسرا پہلو لیجئے اور غور فرمایئے کہ جدل کی دو قسمیں ہیں حق اور باطل اسی طرح کلام کی بھی دو قسمیں ہیں حق اور باطل عرب کا یہ قاعدہ ہے کہ جب ایک جنس کی دو قسمیں ہوں اور ساتھ ہی ان دونوں میں امتیاز بھی ہو یعنی ایک اشرف ہو تو وہ اشرف کا نام خاص رکھتے ہیں اور دوسری کو عام کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں جیسا کہ لفظ جائز اور مباح ہیں ذوی الارحام اور لفظ جواز میں عام وخاص ہوتا ہے۔ لفظ حیوان کو وہ غیر ناطق پر بول دیتے ہیں کیونکہ ناطق اسم انسان ہی کے ساتھ خاص ہے اس لئے اُنہوں نے لفظ کلام اور جدل میں غلبہ دے لیا اسی وجہ سے جب کوئی بلا علم بھی کلام کرتا ہو تو اُسے صاحب کلام یا متکلم کے نام سے پکارتے ہیں یہی وجہ ہے کہ سلف نہ

اہل کلام سے خوش رہے نہ اہل جدل سے اور ان دونوں کو برا کہتے رہے۔ یاد رکھو جس وقت کلام صحیح حجت کے ساتھ نہ ہوگا تو وہ محض جدل ہی ہوگا پھر تقدیر کے ساتھ حجت لانا اسی باب سے ہے جیسا کہ صحیحین میں حضرت علی سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں مجھے اور فاطمہ کو رسول اللہ نے دیکھا اور یہ فرمایا تم دونوں اُٹھ کے نماز کیوں نہیں پڑھتے میں نے یہ جواب دے دیا حضرت ہماری جانیں اللہ کے قبضہ میں ہیں اگر وہ ہمیں اُٹھانا چاہے تو اُٹھا دے علی کہتے ہیں میرا یہ جواب سنتے ہی آپ یہ فرماتے ہوئے چلے گئے۔ وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا. وجہ اس کی یہ ہے کہ جب رسول اللہ نے اُنہیں تہجد پڑھنے کا حکم کیا اور علی نے اُس پر تقدیر کے ساتھ حجت کی اور یہ کہ اگر اللہ چاہے تو ہمیں جگا دے اس سے رسول اللہ سمجھ گئے کہ ان کے اِس کہنے میں محض جدل ہی ہے اس لئے قرآن مجید کے اوپر والی آیت پڑھی۔

شیعی علماء کا ایک زبردست طعن: شیعی علماء فرماتے ہیں ان ہی امور میں سے اس امر کا بھی جائز سمجھنا ہے کہ اللہ تعالی سید المرسلین کو باوجود ان کی طاعت کرنے کے عذاب کرے اور ابلیس کو باوجود اس کی معصیت کرنے کے ثواب عطا کرے وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالی کوئی فعل کسی غرض کے لئے نہیں کرتا لہٰذا اطاعت کرنے والے بے وقوف ہوئے کیونکہ یہ عبادت کے کرنے میں فوراً جھک جاتے ہیں اور نتیجہ کی کچھ خبر نہیں رکھتے اسی طرح مسجدوں اور مسافر خانوں کے بنوانے اور صدقات میں مال ضائع کرتے ہیں کیونکہ اس سے انہیں کچھ نفع نہیں ہوتا اور اگر یہ اُس کے عوض معاصی کی قسموں میں سے وہ فعل کریں جس سے کچھ لذت اور خواہش پوری ہو تو اُس کے باعث کبھی اُنہیں ثواب بھی عطا ہو جائے گا پس پہلے مذہب کا اختیار کرنا ہر عاقل کے نزدیک محض نادانی ہے اور اس مذہب پر عمل کرنا سارے جہاں کو تباہ کرنے اور امور شرعیہ محمدیہ وغیرہ کو مضطرب کر دینے کا باعث ہے۔ فقط۔

جواب: جو کچھ شیعی علماء نے کہا ہے باتفاق تمام مسلمانوں کے باطل اور جھوٹ ہے کیونکہ مسلمانوں میں کوئی بھی اس کا قائل نہیں کہ اللہ تعالے کسی نبی کو عذاب کرے گا نہ اس بات کا قائل ہے کہ اُس کے انبیاء کو کسی وقت میں عذاب ہوگا۔ بلکہ سب اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالے اپنے انبیاء کو یقیناً ثواب عطا کرے گا۔ اس کے سوا اور کچھ نہ ہوگا کیونکہ اُس نے اُس کا وعدہ اور اقرار کر لیا ہے اور وہ وعدوں میں یقیناً سچا ہے اہل سنت میں سے جو تقدیر کے قائل ہیں ان میں سے بعض کا قول یہ ہے کہ یہ وعدہ

محض صادق کے بتانے سے معلوم ہوا ہے لہٰذا یہ فقط دلالت سمیعہ ہے بعض کا قول یہ ہے کہ صادق کے بتانے ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ کبھی بلا بتلائے بھی ادلہ عقلیہ سے معلوم ہو جاتا ہے۔ اگرچہ شارع نے بھی اس کی اطلاع دی ہو اور اُس کی ہدایت کی ہو مثلاً جس وقت اللہ کی رحمت، حکمت اور عدل معلوم ہو جائے تو اُس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ ان سے ایسے شخص کا اکرام و اعزاز کیا جائے گا جو ایسی صفات کے ساتھ متصف ہو جو اُن کے مناسب ہوں چنانچہ خدیجہ الکبری نے حضور انور ﷺ کے نبی معلوم ہونے سے پہلے یہ فرمایا تھا خدا کی قسم اللہ آپ کو رسوا نہیں کرنے کا۔ آپ اطمینان رکھیں کیونکہ آپ لوگوں کے ساتھ صلہ رحمی سے پیش آتے ہیں اُن کی مصیبت کے وقت اُنہیں مدد دیتے ہیں. مہمان نوازی کرتے ہیں اور تکلیفات پر اُن کی اعانت کرتے ہیں۔ اللہ تعالے فرماتا ہے۔ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ. (الجاثیہ:۲۱) یعنی کیا جن لوگوں نے بداعمالیاں کی ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اُنہیں اُن جیسا کر دیں گے جنہوں نے ایمان لا کے نیک عمل کئے کہ اُن کا مرنا اور جینا برابر ہو نہیں یہ لوگ بُرا حکم لگاتے ہیں اس آیت میں یہ استفہام انکاری ہے ان گمان کرنے والوں کے قول کا انکار چاہتا ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوگا انکار اسی کے خیال اور گمان پر کیا جاتا ہے جو بالکل خطا اور باطل ہو نہ کہ اس خیال اور گمان پر جو باطل نہ ہو لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ اہل طاعت اور اہل معصیت میں برابری سمجھنا ایسا ہے کہ اس کا بطلان صاف ظاہر ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ اعلےٰ درجہ کا ظلم ہے۔ اِس سے اللہ تعالے کو ضروری ہی منزہ اور مبرا سمجھنا چاہیے یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ ابرار اور فجار، محسنین اور ظالمین اہلِ طاعت اور اہلِ معصیت میں برابری کا حکم لگانا بالکل باطل ہے اور اللہ کو اس سے منزہ سمجھنا واجب ہے کیونکہ یہ اُس کے عدل و حکمت کے منافی ہے۔

جواب کی دوسری صورت: یہ ہے کہ شیعی علماء کا یہ کہنا کہ ان ہی امور میں اس امر کا جائز سمجھنا بھی ہے کہ اللہ تعالی انبیاء کو عذاب دے اور شیاطین کو ثواب عطا کرے تو اگر ان کی مراد اس سے یہ ہے کہ شیعہ علماء اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالی ایسا کرنے پر قادر ہے تو اس کہنے پر تقدیر میں کچھ خلاف لازم نہیں آتا اور اگر ان کی مراد ہے کہ ہمیں شک ہے کہ خدائے تعالے ایسا کرے گا یا نہ کریگا تو یہ سب

کو معلوم ہے کہ ہمیں اس بارے میں ہرگز شک نہیں بلکہ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ یہ ہونے والا نہیں ہے مگر ساتھ ہی اس کے یہ بھی ہمارا ایمان ہے کہ اگر اُس نے ایسا کیا تو وہ ظالم جب بھی نہیں ہونے کا اور اگر شیعی علماء کی مراد یہ ہے کہ جو اس امر کا قائل ہے کہ اللہ تعالے فعل بلا حکمت کے کرتا ہے تو اُس پر اللہ سے اُس کے وقوع کا جائز سمجھنا لازم آئے گا اور یہ کہ اگر اُس نے ایسا کیا تو وہ ظالم نہ ہوگا اس میں شک نہیں کہ یہ قول ان ہی لوگوں کا ہے اور اُنہوں نے اس کی تصریح نہیں کی ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اکثر اہل سنت اُس کے قائل نہیں ہیں بلکہ ان کے نزدیک اللہ تعالی اِس سے منزہ اور پاک ہے تو بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ طاعت کرنا بے وقوفی ہو ہاں وہ بے وقوفی اُس وقت ہو سکتی ہے کہ اُس کا عدم وجود برابر ہو حالانکہ کل مسلمان اس پر متفق ہیں کہ طاعت کے ہونے سے نفع اور نہ ہونے سے مضرت ہے اگر چہ اُن کا اس بات میں تنازع ہے کہ یہ جائز ہے یا نہیں کہ پروردگار اس کے خلاف کرے سو یہ نزاع جواز میں ہے نہ کہ وقوع میں۔

جواب کی تیسری صورت: یہ ہے کہ اگر اس وقوع کے جواز کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی طاعت بے وقوفی نہ ہوگی کیونکہ یہ امامیہ فرقہ کے لوگ معہ اہلسنت کے اہل کبائر کی مغفرت جائز کہتے ہیں اور اجتناب کبائر کی وجہ سے صغائر کے معاف ہو جانے کے معتزلہ اور اہلسنت دونوں قائل ہیں باجود اس کے کبائر اور صغائر سے اجتناب کرنا بے وقوفی نہیں ہوتی بلکہ یہ اجتناب بالاتفاق واجب ہے۔

جواب کی چوتھی صورت: یہ ہے کہ یہ کہا جائے نوافل ادا کرنا باتفاق سفاہت نہیں ہے اگر چہ یہ ہو سکتا ہے کہ بغیر ان کے کسی دوسرے اسباب کی وجہ سے ثواب عطا کر دے۔ بس جس شئے کا نفع معلوم ہو اُس کا کرنا حکمت محمودہ ہوگا اگر چہ جائز رکھنے والے اُس کو بھی جائز رکھیں کہ نفع بغیر اس کے بھی ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ مال وغیرہ ان اسباب کے ذریعہ پیدا کرنا جو عادتاً اُس کے مقتضی ہیں بے وقوفی نہیں ہے اگر چہ مال بلا کوشش بھی مل جانا ممکن ہے جیسا کہ میراث۔

جواب کی پانچویں صورت: یہ ہے کہ شیعی علماء کا یہ کہنا کہ اللہ بلا غرض کے فعل کرتا ہے اُس کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں اور ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ اکثر اہل سنت اس امر کے قائل ہیں کہ اس کا ہر فعل کسی حکمت ہی کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہی غرض سے مراد ہوتی ہے اور قائلین تقدیر میں سے جن کا

قول یہ ہے کہ وہ بلا حکمت فعل کرتا ہے تو گویا اُس کا مطلب یہ ہے کہ اگر چہ وہ وہی فعل کرتا ہے جو چاہتا ہے لیکن جو چاہتا ہے وہ بھی جو نہیں چاہتا وہ بھی معلوم سب ہوتا جاتا ہے یا تو عادتاً یا صادق کے بتانے سے اور یا اُس علم ضروری کی وجہ سے جو ہمارے دلوں میں اُس نے ڈال دیا ہے اور یا کسی اور وجہ سے۔

نبی کی تصدیق نہیں ہوسکتی: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ ان ہی امور میں سے ایک امر یہ بھی ہے کہ کوئی کسی نبی کی تصدیق نہیں کرسکتا کیونکہ اُس کا توصل اور اُس پر دلیل بلا دو مقدموں کے پوری نہیں ہوتی ایک مقدمہ تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نبی کے ہاتھ پر معجزہ فقط تصدیق ہی کے لیے کرائے دوسرا مقدمہ یہ کہ جسکی اللہ نے تصدیق کرلی وہ صادق ہے۔ مگر یہ دونوں مقدمے سنیوں کے قول کے مطابق ٹھیک نہیں بنتے کیونکہ جب یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی فعل کسی غرض کے لئے کرے تو یہ بھی محال ہوگا کہ وہ معجزہ تصدیق کے لئے ظاہر کرائے علی ہذا القیاس۔ چونکہ وہ قبیح اقسام گمراہی اور معاشی وغیرہ سب کا فاعل ہے تو ہوسکتا ہے کہ جھوٹے کی تصدیق بھی کرلے لہٰذا اس بناء پر کسی پیغمبر یا نبی کے سچے ہونے پر شرائع اور ادیان میں سے کسی شئے سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے فقط شیعی علماء کا زہریلا طعن و قصہ ختم ہوا۔

جواب کی پہلی صورت: پہلے بیان ہوچکا ہے کہ خلفاء ثلثہ کی خلافت کے اکثر قائلین کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالےٰ ہر فعل حکمت ہی سے کرتا ہے بلکہ اکثر اہل سنت جو تقدیر کے قائل ہیں وہ بھی یہ کہتے ہیں اُس وقت اگر یہ قول درست ہوگا تو بس یہی اہلسنت کے اقوال میں سے ہے اور اگر اسکا نفی کرنا درست ہوگا تو بھی یہ اہلسنت ہی کے اقوال سے ہوگا۔ لہٰذا دونوں تقدیر پر حق اُن کے قول سے باہر نہیں ہے بلکہ بعض اوقات مذاہب اربعہ میں سے ہر اہل مذہب کا اس اصل میں نزاع نکلتا ہے۔ باوجود خلفاء ثلثہ کی خلافت پر ان سب کا اتفاق ہے ادھر تقدیر کے ثبوت پر اور اس پر بھی کہ افعال عباد کا خالق اللہ ہی ہے دیکھو امام احمد کے شاگردوں کا نزاع اس اصل میں مشہور ہے مثلاً ابن عقیل اور قاضی ابی حازم وغیرہ معجزات کو اس طرح ثابت کرتے ہیں کہ اللہ حکیم ہے اُس کی حکمت میں جھوٹے کے ہاتھ پر معجزہ ظاہر کرنے ہرگز جائز نہیں ہے اسی طرح ابوالخطاب وغیرہ کا قول ہے اور یہی امام مالک اور امام شافعی کے شاگرد کہتے ہیں اسی طرح امام ابوحنیفہ کے اکثر شاگرد شاید اللہ تعالےٰ کے افعال میں حکمت ہونے کے بھی قائل ہیں۔

جواب کی دوسری صورت: یہ کہا جائے ہم تسلیم نہیں کرتے کہ رسول کی تصدیق بلا طریق استدلال بالمعجزات اور کسی طرح ممکن نہیں بلکہ ان کی تصدیق پر معجزات کے طریق کے سوا اور دلالت کے طریقے بہت سے ہیں جو دوسرے موقعوں پر بیان کئے گئے ہیں ہاں جو شخص یہ کہے کہ معجزہ کے سوا اور کوئی طریقہ رسول کی تصدیق کا نہیں ہے تو اُسکی دلیل بیان کرنی اُس کے ذمہ ہے اُس نے نفی کی کوئی دلیل بیان نہیں کی مطلب یہ ہے جو شخص یہ کہتا ہے کہ معجزہ دلیل نبوت ہے تو اُسے اُس کی دلیل دینی چاہیے خالی دعوے کو ہم لے کے کیا چاٹیں۔

جواب کی تیسری صورت: ہم اسے تسلیم نہیں کرتے کہ معجزہ کی دلالت تصدیق پر ہونی اس پر موقوف ہے جس کا ہونا جائز نہ ہو بلکہ اس کی دلالت تو بدیہی ہے جس میں نظر وفکر کی بھی حاجت نہیں کیونکہ معجزہ دکھا کے نبوت کا دعوے کرنا یقیناً اس معرفت کو ثابت کرتا ہے کہ اللہ تعالے نے اس کی تصدیق کے لیے یہ معجزہ ظاہر کیا ہے مثلاً کوئی بادشاہ سے کہے کہ اگر آپ مجھے اُن لوگوں کے پاس بھیجتے ہیں تو آپ اپنی عادت چھوڑیے اور تین مرتبہ اُٹھیے بیٹھیے بادشاہ نے ایسا ہی کیا تو اس سے یقیناً معلوم ہوگیا کہ شاہ نے یہ اُسکی تصدیق ہی کے لیے کیا ہے۔

جواب کی چوتھی صورت یہ اُس شخص کا قول ہے جو کہتا ہے اگر معجزہ تصدیق پر دلالت نہیں کرے گا تو رسول کی تصدیق سے باری تعالیٰ کا عاجز آنا لازم آئے گا اور اُس کا عاجز ہونا ممتنع ہے۔ کیونکہ تصدیق کا طریقہ سوائے معجزہ کے اور کوئی نہیں ہے اور یہی طریقہ اکثر اصحاب اشعری اور اُن کے موافقین کا ہے اور یہی طریقہ قاضی ابوبکر اور قاضی ابویعلی وغیرہ کا ہے اس بناء پر ایسے جھوٹے کے ہاتھ پر معجزہ ظاہر کرنا ہے جو نبوت کا مدعی ہو آیا ممکن اور مقدور ہے یا نہیں اس میں دو قول ہیں۔

جواب کی پانچویں صورت: یہ کہا جائے کہ معترض کا یہ کہنا کہ نبی کی تصدیق اس پر موقوف ہے کہ جس کی اللہ تصدیق کرلے وہ سچا ہے تو یہ اُس وقت صحیح ہوسکتا ہے کہ معجزہ بمنزلہ تصدیق کے ہو مگر اس میں ابھی تک اختلاف ہے چنانچہ بعض کا یہ قول ہے کہ معجزہ بمنزلہ انشاء رسالت کے ہے اور خود انسان تصدیق وتکذیب سے جاہل نہیں ہے پس قائل کا دوسرے سے یہ کہنا کہ میں تجھے رسول یا وکیل وغیرہ بناتا ہوں انشاء ہے اور جب معجزہ کی دلالت انشاء رسالت پر ہوئی تو اب یہ اس پر موقوف نہیں

ہوگی کہ اللہ تعالیٰ ہر فعل کسی غرض ہی کے لیے کرے نہ اس پر کہ وہ قباح کا فاعل نہ ہو جیسا کہ امر ونہی وغیرہ کے انشاء کا حال ہے۔

جواب کی چھٹی صورت: یہ ہے کہ معترض کے اس قول کا جواب کہ جب یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی فعل کسی غرض کیلئے کرے تو یہ بھی محال ہوگا کہ وہ معجزہ کی تصدیق کے لئے کرے جس شخص کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی فعل کسی غرض کے لیے نہیں کرتا وہ یہ جواب دیتا ہے کہ کبھی اللہ تعالیٰ دو شے متلازم بھی کر دیتا ہے جیسا کہ تمام ادلہ کو اپنے اپنے مدلول کے لیے مستلزم بنایا ہے پس ایسی مخلوقات کا پیدا کرنا جو اُس کے وجود، قدرت، علم، اور مشیت پر دلالت کرے حالانکہ اس نے اُن کے پیدا کرنے کا اور ساتھ ہی اس کا بھی ارادہ کرلیا ہے کہ یہ اپنے مدلول کے لیے مستلزم ہوں اور جو اُن میں غور وفکر کرے اُسکے لیے اپنے مدلول پر دال ہوں اسی طرح یہاں اُسے معجزہ کو پیدا کر کے یہ بھی ارادہ کرلیا ہے کہ یہ اپنے مدلول کے لیے مستلزم ہو اور وہ مدلول تصدیق رسول ہے اور مستلزم ہو کے جو اُس میں غور و فکر کرے اُس کے لیے مدلول پر دال ہو اور جب اُس نے اس کے پیدا کرنے کا اور اس کے التزام کا غرض دونوں کا قصد کرلیا تو یہ مقصود بھی حاصل ہو گیا کہ اس کی دلالت تصدیق پر ہو۔ اگر چہ اُس نے ایک مقصود کو دوسرے کے لیے نہیں کیا کیونکہ اصل مقصود یہ تھا کہ دونوں کے ارادہ سے دونوں مقصود مل کے حاصل ہو جائیں۔ اب اگر کوئی یہ اعتراض کرے کے خود معجزہ اس پر دلالت نہیں کرتا بلکہ یہ علم ہو جانا کہ اُسکے فاعل (اور خالق) نے اس سے تصدیق ہونے کا ارادہ کرلیا ہے۔ دلالت کرتا ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ اس میں بھی اختلاف ہے اور ہمارا مقصود اُس شخص کے قول کی تائید کرنا نہیں ہے۔ جو کہتا ہے اللہ تعالیٰ ہر فعل بلا حکمت کرتا ہے۔ بلکہ ہمارے نزدیک تو یہ قول بھی مرجوع اور ضعیف ہے اور ہمارا مقصود فقط یہ ہے کہ اُن لوگوں کی حجت بیان کردیں جو دوسرے قول کے قائل ہیں اور اس قول والے معتزلہ اور وشیعہ سے بہت ہیں باقی معترض کا یہ کہنا کہ جب اللہ قبیح کا بھی فاعل ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ کذاب کی بھی تصدیق کرلے تو یہ دوسری حجت ہے جس کا جواب یہ ہے کہ مسلمانوں میں اُس کا کوئی قائل نہیں کہ اللہ تعالیٰ وہ فعل کرتا جو قبیح ہو اور جس نے یہ کہا ہے کہ بندوں کے افعال کا خالق اللہ ہی ہے اس کا قول بھی یہ ہے کہ فعل قبیح بندوں ہی سے ہوتا ہے اللہ سے قبیح فعل نہیں ہوگا مگر جس نے یہ

کہا ہے کہ جب اللہ نے ایسی شئے پیدا کر دی جو بندوں کے حق میں معز ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ ایسا فعل بھی کر دے جو اُنہیں معز ہو تو اُس کا یہ کہنا بالکل باطل ہے اسی طرح جب یہ جائز ہے کہ اللہ تعالی وہ فعل پیدا کر دے جس کا ہونا بندہ سے قبیح ہوتا ہے تو اللہ کی نسبت اُس کا پیدا کرنا قبیح نہیں ہوگا اب رہی جھوٹے کی تصدیق وہ اس طرح بیان کرنے سے ہوتی ہے کہ یہ سچا ہے خواہ یہ بیان کرنا قول سے ہو یا کسی ایسے فعل سے ہو جو قول کے قائم مقائم ہو جائے۔ اللہ تعالی سے یہ ہونا (یعنی ایسا بیان کرنا) ممتنع ہے کیونکہ یہ صفت نقص ہے اور تمام عقلا کے اتفاق سے یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالے نقائص سے بالکل منزہ اور جس نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالی سے قبیح فعل ہونا متصور ہی نہیں ہے بلکہ جو فعل اس سے ہونا ممکن ہے، جس وقت وہ اُسے کر لیتا ہے تو وہ حسن ہی ہوتا ہے وہ کہتا ہے جو فعل صفات کمال کے سلب کو اور اثبات نقائص کو مستلزم ہو وہ اس پر ممتنع ہے جیسا عجز اور جہل وغیرہ ممتنع ہیں اور کذب صریح صفتِ نقص اور صدق صفت کمال ہے اور کاذب کی تصدیق کرنا بھی کذب ہی کی ایک قسم ہے۔ جیسا کہ صادق کی تکذیب بھی کذب کی ایک قسم ہے اور جب کذب صفتِ نقص ہوا تو اللہ سے نقص کا ہونا ممتنع ہے دیکھو ہمارا یہ مقصود نہیں ہے کہ جو شخص اہل سنت (والجماعت) کی طرف منسوب ہو اُسی کے قول کو ٹھیک کہیں بلکہ ہم تو حق بات کو ظاہر کر دیتے ہیں اور حق یہ ہے کہ تمام اہل سنت کبھی کسی خطا پر متفق نہیں ہو سکتا اور نہ کبھی کوئی فرقہ اُن سے جدا ہو کر صواب پر رہ سکتا ہے۔ بلکہ جس قدر کوئی فرقہ تمام اہل سنت کے مخالف ہوگا اسی قدر وہ خطا پر ہوگا یہ ہم علی الاعلان کہتے ہیں کہ مسلمانوں سے بھی خطا سرزد ہو جاتی ہے۔ مگر کھرے کھوٹے کے پرکھنے والے صاف طور پر اس خطا کا اعتراف کر لیتے ہیں مثلاً جہم بن صفوان ہے جو تقدیر کا مقر ہو کہ اس پر مصر ہے کہ اللہ تعالی کوئی فعل کسی حکمت اور کسی سبب کی وجہ سے نہیں کرتا اور یہ کہ اللہ کی نسبت امور اور ممنوع میں کوئی فرق نہیں ہے نہ وہ کسی فعل سے الفت اور کسی فعل سے بغض رکھتا ہے (بلکہ اُس کے نزدیک سب برابر ہیں) تو اُس کا یہ قول بالکل غلط اور کتاب و سنت اور تمام سلف کے مخالف ہے اور یہی لوگ اکثر نقائص کا اللہ پر ممتنع ہونا بیان کرنے سے عاجز رہ جاتے ہیں خاص کر جس وقت اُن میں سے کوئی یہ کہے کہ اللہ کا نقصان سے منزہ (اور مبرا) ہونا عقل سے کسی طرح معلوم نہیں ہوتا بلکہ محض سماعت سے ثابت ہے تو جس وقت کوئی ان پر یہ اعتراض

کرے کہ پھر تم یہ کس طرح کہتے ہو کہ کذب اللہ پر ممتنع ہے تو یہ کہتے ہیں کہ کذب نقص ہے اور نقص اللہ پر محال ہے اب اگر کوئی اُن پر یہ اعتراض کرے کہ تمہارے نزدیک نقصان سے اللہ منزہ ہونا فقط اجماع ہی سے معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ کے کذب سے منزہ ہونے پر اجماع ہو چکا ہے تو اگر اجماع سے اس پر حجت لانا درست ہے تو اس تطویل (یعنی طول بیان) کی کوئی حاجت نہیں.

علاوہ ازیں بحث فقط۔ اس عبارت میں ہے جو معنی پر دال ہو جیسا کہ اُس کی بابت بعض نے کہا ہے کہ یہ جائز نہیں اللہ تعالیٰ کوئی کسی قسم کا کلام کرے نہ یہ کہ اُس سے کوئی اُس کی مراد ہو۔ حشویہ کا اس میں اختلاف ہے اور یہ واضح رہے کہ مسلمانوں میں سے کسی کا یہ قول نہیں ہے بلکہ نزاع فقط اس بارے میں ہے کہ آیا یہ جائز ہے یا نہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسا کوئی کلام نازل فرمائے جس کے معنی بندوں کو معلوم نہ ہوں نہ یہ کہ اُس سے خود اُس کا بھی کوئی مقصود نہ ہو۔ پھر اس تقدیر پر کہ نزاع اسی میں ہو وہ اس پر یہ دلیل لاتا ہے کہ یہ عیب ہے اور عیب اللہ پر ممتنع ہے حالانکہ یہ مستدل اللہ پر ہر شے کے فعل کو جائز کہتا ہے کسی سے اُس کو منزہ نہیں سمجھتا یہ اور اِسکی مثال بہت سے اقوال اُن لوگوں کے تناقضات میں سے ہیں جو جہمیہ کے قول کے موافق اور تقدیر کے بارے میں مثل جبریہ کہ ہیں لیکن ائمہ سنت اور اُن کے جمہور میں سے کسی کا یہ قول نہیں ہے۔ فقط۔ شیعی علماء فرماتے ہیں کہ ان ہی امور میں سے اللہ غفور الرحیم نہیں ہے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو غفور رحیم عفو کے ساتھ متصف کرنا صحیح نہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ ان اوصاف کے ساتھ موصوف کرنا اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ فاسق کو عذاب کرنے کا اللہ مستحق ہو۔ کیونکہ جب وہ اُن سے اپنا حق ساقط (اور معاف) کر دے گا۔ تب غفور، رحیم ہو جائے گا۔ اور عذاب کرنے کا مستحق اُس وقت ہو سکتا ہے کہ عصیان بندہ ہی کی طرف سے ہو اللہ کی طرف سے نہ ہو۔

جواب: اس کا جواب کئی طرح سے ہو سکتا ہے۔ اول تو یہ کہ اکثر اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ ہم اسے تسلیم نہیں کرتے کہ ان اوصاف کے ساتھ متصف ہونا اُسی وقت ہو سکتا ہے کہ وہ مستحق ہو بلکہ ان اوصاف کے ساتھ موصوف قطع نظر اس استحقاق کے اُس وقت بھی ہو سکتا ہے کہ جب وہ عذاب کرنے پر قادر ہو کیونکہ ان امور کے ساتھ استحقاق کی تخصیص کرنا تو اس امر کو مقتضی ہے کہ وہ کس شئے کا مستحق اور کس شے کا نہیں اور یہ اُن لوگوں کے نزدیک ممنوع ہے بلکہ اُسے ہر صورت کا اختیار اور وہ ہر شے کا

مالک ہے وہ جو چاہے کرسکتا ہے پس جس وقت وہ عاصیوں کو عذاب دینے پر قادر ہوا اور وہ جو چاہے کرسکتا ہے۔ تو اب اس سے مغفرت اور حلم اور عفو کا ہونا درست ہو گیا۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ اس قائل کا یہ کہنا کہ وہ عذاب کرنے کا مستحق ہوگا اس کے اس استحقاق سے کیا مراد ہے اگر یہ مراد ہے کہ عاصیوں کو عذاب کرنا اس کے لیے انصاف ہے یا یہ مطلب ہے کہ وہ اُس کا محتاج ہے اگر پہلے معنی مراد ہیں تو یہ معنی تو متفق علیہ ہیں کیونکہ اس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ عاصیوں کو عذاب کرنا اُس کا انصاف ہے اور جب یہ اس طرح ہے تو اُس کا عفو اور مغفرت کرنا احسان اور فضل ہوا اور یہی قول اُن لوگوں کا بھی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ بندوں کے افعال کا خالق ہے پس وہ لوگ جو اس کے قائل ہیں کہ افعال اللہ کی مخلوق ہیں اور وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ تمام افعال اسی کیلئے ہیں اُس نے انہیں بندوں کے لیے مقرر کیا ہے یہ سب اس پر متفق ہیں کہ عقاب اللہ تعالے کی طرف سے انصاف ہے۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ مغفرت رحمت اور عفو تینوں کے ساتھ یا تو اللہ تعالی موصوف ہوگا یا موصوف نہ ہوگا لیکن جس وقت عقاب جائز اور غیر قبیح ہوا پس اگر اول مذہب لیا جائے تو یہ لازم آئے گا جو شخص توبہ کرلے اور ایمان لا کر عمل صالح کرے اور ہدایت پر رہے اُس کے حق میں اللہ تعالی غفار نہ ہو کیونکہ عقاب اُن لوگوں کے نزدیک قبیح ہے اور مغفرت اُس قول والوں کے نزدیک واجب ہے اور اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ انبیاء اور مومنین میں سے جو رحمت کا مستحق ہے اللہ اُس کے حق میں رحیم نہ ہو۔ اور یہ بھی لازم آتا ہے کہ جو شخص ظلم کرکے پھر نیکیاں اُس کے عوض میں کرے تو اللہ اُس کے حق میں غفور رحیم نہ ہو اور چونکہ قرآن شریف نے یہ ثابت کردیا ہے کہ تائبین کے لیے اللہ تعالی غفار ہے اور مومنین کے حق میں رحیم ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ بے شک وہ مغفرت اور رحمت کے ساتھ متصف ہے اور اگر عقاب اُس سے ممتنع ہو۔ اس تقدیر پر کہ وہ عقاب کرنے کا مستحق ہو۔ تب بھی مغفرت اور رحمت کے ساتھ اُس کا متصف ہونا ممتنع نہیں ہے۔

چوتھا جواب: جمہور کے نزدیک یہ کہ عصیان بندہ سے اس معنی پر ہے کہ یہ اُس کا فاعل ہے اور بعض کے نزدیک اس معنی پر ہے کہ یہ ان کا سبب ہے نہ کہ فاعل اسی ذریعہ سے انسان اس کا مستحق ہوجاتا ہے کہ ظالم کو سزا دے پس اللہ کا ظالم کو عذاب دینے پر مستحق ہونا اس سے اولی ہے باقی اس کا

اس کے لئے خالق ہونا سو یہ اور امر ہے کہ انجام اس کا بھی یہی نکلتا ہے اور جو جمہور حکمت کے قائل ہیں اُن کے نزدیک اس میں بھی ایک حکمت ہے اور جو لوگ حکم کو علت نہیں کہتے اُن کے نزدیک محض مشیت ہی سے صادر ہوتا ہے۔ فقط۔

تکلیف مالایطاق کا لازم آنا: شیعی علماء کا قول ہے کہ ان ہی امور میں سے ایک یہ ہے کہ تکلیف مالایطاق لازم آتی ہے کیونکہ اللہ نے کافر کو ایمان لانے کا مکلف کیا ہے حالانکہ اس میں اس کی قدرت نہیں ہے اور یہ عقلاً قبیح ہے اور سمع بھی اس سے مانع ہے اللہ تعالے نے فرمایا ہے کہ۔ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا۔ اِس کا جواب بھی چند طرح سے ہے اول تو یہ کہ جو لوگ تقدیر کے مقر ہیں قدرتِ عبد میں اُن کے دو قول ہیں۔

پہلا قول: تو یہ ہے کہ قدرتِ عبد (یعنی بندہ کی قدرت) فعل کے ساتھ ہی ہوتی ہے اس بنا پر وہ کافر جس کی بابت علم میں الٰہی میں ہو چکا ہے کہ یہ ایمان نہیں لائے گا تو وہ کافر بھی ایمان لانے پر قادر نہ ہوگا اور جو اعتراض ذکر کیا ہے وہ اُن پر بھی پڑتا ہے۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ قدرت کی دو قسمیں ہیں پس وہ قدرت جو تکلیف میں شرط ہے فعل سے پہلے ہوتی ہے اور بدون فعل کے بھی اور کبھی فعل تک باقی بھی رہتی ہے اور دوسری قدرت جو فعل کو مستلزم ہے اس میں یہ ضروری ہے کہ فعل کے موجود ہونے کے وقت وہ بھی موجود اصل اُن کے قول کی یہ کہ مومنین کو اللہ تعالی نے ایک خاص نعمت ایسی عطا کی ہے جس کیوجہ سے یہ ہدایات پر رہتے ہیں کافر کو وہ نعمت عطا نہیں کی اور یہ کہ بندہ کو فعل کے وقت قادر ہونا ضروری ہے۔ بخلاف اُس کے جو کہتا ہے کہ بندہ فعل سے پہلے ہی قادر ہوتا ہے اور یہ کہ نعمت کافر اور مومن دونوں پر برابر ہے اور جب فعل کے وقت کا ہونا ضروری ہوا اس وقت یہ فعل سے پہلے ہی قادر ہوگا اور وہ قدرت فعل کے وقت تک باقی رہے گی۔ لہٰذا اب ان کی اصل میں خرابی نہیں آئے گی لیکن فقط وہ قدرت جس میں ضدین کی صلاحیت ہے تو اُس میں مومن اور کافر دونوں شریک ہوں گے پس مومن کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالی کوئی خاص سبب ایسا کردے جس کی وجہ سے یہ مومن ہو جائے اور یہی سبب اُس میں ایمان کا ارادہ کردے گا اور اسی ارادہ کو یہ لوگ منجملہ اُس قدرت کے شمار کرتے ہیں جو فعل کے مقارن ہوتی ہے اور اب یہ نزاع لفظی

ہے اہل سنت میں سے ان جمہور کے قول پر جو اُس کے قائل ہیں کہ کافر ایمان لانے پر قادر ہے یہ اعتراض ہی باطل ہو جائے گا اور جن لوگوں کے قول پر وارد ہوگا وہ اُس کا جواب دیں گے اور دونوں قولوں میں جونسا بھی ٹھیک ہو الحمد للہ کہ وہ اہل سنت کے اقوال سے خارج نہیں ہے۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ تکلیف مالا یطاق دو قسم پر ہے۔ اول تو یہ کہ اُس کے کرنے سے بندہ عاجز ہو اور وہ اُس کی طاقت سے باہر ہے مثلاً کسی لنگڑے لولے کو چلنے کی تکلیف دینا اور کسی انسان کو اُڑنے پر مجبور کرنا وغیرہ سو یہ تکلیف تو اُن جمہور اہل سنت کے نزدیک جو تقدیر کو مانتے ہیں شریعت میں کہیں واقع نہیں اور نہ مذکورہ بیان اُس کے وقوع کے لزوم کا مقتضی ہے دوسری قسم تکلیف کی یہ ہے کہ ایک فعل کی ضد میں مشغول رہنے کی وجہ سے اُس فعال کو نہ کر سکے جیسا کہ کافر ایمان کی ضدِ کفر میں مشغول ہوتا ہے۔ کیونکہ یہی وہ فعل ہے جو اُسے ایمان لانے سے روکتا ہے اور جیسا کہ قاعدہ حالتِ قعود میں کہ اُس کا بیٹھنا ہی اُسے کھڑے ہونے سے مانع ہے اور ضدین میں سے ایک کا پختہ ارادہ کر لینا دوسری ضد کے ارادہ کے منافی ہوتا ہے۔ اسی طرح کافر کو ایمان لانے کی تکلیف دینا اسی باب سے ہی عقلاء میں سے کسی اہل عقل کے نزدیک یہ تکلیف قبیح نہیں ہے بلکہ تمام عقلاء اس پر متفق ہیں کہ انسان اس امر و نہی کا بے شک مامور ہوگا جس پر امر و نہی کے وقت اس کی ضد میں مشغول ہونے کی وجہ سے قادر نہیں ہے بشرطیکہ اس ضد کو چھوڑ دینے کی طاقت رکھتا ہو اور اُس کی ضد مامور بہ کو کر سکتا ہو نزاع فقط اس بارے میں ہے کہ آیا اُسے تکلیف مالا یطاق کہ سکتے ہیں یا نہیں کیونکہ جو قدرت فعل کے مقارن ہوتی ہے اُس کے منتفی ہونے کے بعث اس میں تکلیف ہے پس بعض علماء جو تقدیر کے قائل ہیں اُسے تکلیف مالا یطاق میں داخل مانتے ہیں جیسا کہ قاضی ابوبکر اور قاضی ابو یعلی وغیرہ کا یہی قول ہے اور کہتے ہیں کہ مالا یطاق دو قسم پر ہے ایک تو یہ کہ عاجزی اور مجبوری کی وجہ سے مالا یطاق ہو اور دوسری قسم یہ کہ اُس کی ضد میں مشغول ہونے کی وجہ سے یہ مالا یطاق ہو ان ہی میں داخل نہیں کتاب و سنت اور اقوال سلف کے زیادہ تر یہی قول مشابہ ہے کیونکہ کوئی یہ نہیں کہتا کہ جس میں حج کرنے کی وسعت ہو پھر جس وقت وہ حج نہ کرے تو وہ مالا یطاق کا مکلف ہے علی ہذا القیاس جسے طہارت اور نماز کا حکم ہو اور محض اپنی سستی سے وہ اسے چھوڑ دے تو اُسے بھی تکلیف مالا یطاق نہیں کہا جا سکتا۔ اللہ تعالے

کے قول ہے۔ وَکَانُوْا لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَمْعًا. سے یہ مراد نہیں ہے کیونکہ تمام لوگوں میں فعل سے پہلے وہ قدرت نہیں ہوتی جو فعل کے لیے موجب ہو لہذا عاصیوں کی اس میں خصوصیت نہ رہی بلکہ مقصود اس آیت میں وہ لوگ ہیں جو حق بات سننے کو نہایت ہی بُرا سمجھتے ہیں اور محض بُرا معلوم ہونے کی وجہ سے وہ اُسے سن ہی نہیں سکتے نہ یہ کہ وہ اُس کے سننے سے عاجز ہیں جیسا کہ حاسد محسود پر احسان نہیں کر سکتا فقط اس وجہ سے کہ یہ اُسے بُرا معلوم ہوتا ہے نہ کہ اس لئے کہ وہ اس سے عاجز ہے غرض اس استطاعت کا نہ ہونا امر و نہی کے لیے مانع نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالے (مالک اور مختار ہے وہ) انسان کو ایسی شئے کا حکم کرتا ہے جسے یہ مکروہ سمجھے اور ایسی شئے سے روکتا ہے جو اُسے مرغوب اور محبوب ہو چنانچہ فرماتا ہے۔ کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ وَھُوَ کُرْہٌ لَّکُمْ. یعنی جہاد تم پر فرض کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ وہ تمہیں مکروہ معلوم ہوتا ہے اور فرمایا۔ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی (یعنی جو اپنے پروردگار کے روبرو کھڑے ہونے سے ڈرا اور خواہش کی چیزوں سے نفس کو روکا فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی. اُس کا ٹھکانا اور رہنے کی جگہ جنت ہی ہے۔ بندہ جس وقت اوامر کے کرنے کا اور نہی عنہ سے روکنے کا ارادہ کرے تو وہ کر سکتا ہے مامور بہ میں یہ شرط نہیں کہ وہ بندہ کا مقصود اور مطلوب بھی ہو۔ اور نہ نہی عنہ میں یہ شرط ہے کہ بندہ کو اس سے کراہت ہو کیونکہ فعل قدرت اور ارادہ پر موقوف ہوتا ہے اور تکلیف میں یہ شرط ہے کہ بندہ اُس فعل پر قادر ہو نہ یہ کہ وہ اس کا مقصود اور مطلوب بھی ہو لیکن موجود فعل اُسی وقت ہوگا کہ اُسکا مطلوب بھی ہو جائے غرض کہ ارادہ (اور مطلب) کا ہونا فعل کے موجود ہونے میں شرط ہے وجوب میں شرط نہیں ہے۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ کہا جائے کہ جس وقت تکلیف مالا یطاق کی یہ تفسیر کی جائے کہ وہ ایک فعل ہے جس کے کرنے پر ایسی قدرت نہ ہو جو مقدور میں آ سکے تو اس تفسیر پر اُس کے ممتنع ہونے کے معنی ہی مورد ہوں گے اور اُس کی نفی پر دلیل کی ضرورت ہوگی۔

چوتھا جواب: یہ ہے کہ جو لوگ تقدیر کے قائل ہیں اُن میں بعض اُس تکلیف کو بھی جائز کہتے ہیں جو بوجہ عاجز اور مجبور ہونے کے نہ ہو سکے بلکہ اُن میں جو اور زیادہ غلو کرنے والے ہیں وہ ممتنع لذاتہ کی تکلیف کو بھی جائز کہتے ہیں اور بعض کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ تکلیف شریعت میں بھی واقع ہے جیسا کہ ابی

لہب کو ایمان لانے پر مکلّف کرنا باوجود یہ کہ وہ اللہ کی اس خبر کے تصدیق کرنے پر بھی مکلّف تھا کہ وہ ایمان ہرگز نہیں لائے گا یہ قول اگر چہ مرجوع ہے لیکن اس قدری نے اُس کے ابطال پر کوئی دلیل ذکر نہیں کی اور نہ اس کے معارضہ کے جواب پر بلکہ محض قول ہی پر اکتفا کیا جو عقلاً قبیح ہے اور ان لوگوں کا قول ہے کہ (کسی شئے کی) تحسین اور تقبیح میں عقل کو (حکم لگانے کی) بالکل مجال نہیں پس اگر ان لوازم میں پوری بحث نہ کی جائے تو مذکورہ بیان ان پر حجت نہیں ہوسکتا جائیکہ اُن کے سوا اُن پر حجت ہو جو تقدیر کو تسلیم کرتے اور حضرت ابوبکر وعمر کی خلافت کو مانتے ہیں۔فقط۔

افعال اختیار اضطرار یہ ہیں: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ ان ہی امور میں سے یہ ہے جو لازم آتا ہے کہ ہمارے تمام افعال اختیار یہ جو ہماری ضرورتوں اور خواہشوں سے صادر ہوتے ہیں جیسے دائیں بائیں ہمارا حرکت کرنا اور ہاتھ سے کسی شئے کو پکڑنا اور بعض کاموں کو پاؤں سے کرنا یہ سب مثل افعال اضطرار یہ کے ہیں جیسا کہ نبض کا حرکت کرنا اور اُوپر سے دوسرے کے گرانے کی وجہ سے گرنا اضطراری ہوتا ہے لیکن بداہت چاہتی ہے کہ ان دونوں میں فرق ہو کیونکہ ہر عاقل یہ کہہ سکتا ہے کہ ہم اختیار یہ حرکت کرسکتے ہیں۔اور حرکت کے ساتھ آسمان پر نہیں اڑ سکتے ابوالہذیل علاف کا قول ہے کہ آدمی کا گدھا آدمی سے زیادہ عقلمند ہوتا ہے کیونکہ اگر تم اسے کسی چھوٹی سی نالی پر لاؤ اور اُس پر سے کودوانے کے لیے اُسے ہانکو تو اس سے فوراً کود جائے گا اور اگر بڑی نالی پر کودواؤ تو ہرگز نہیں کودے گا کیونکہ وہ ان دونوں نالیوں میں فرق سمجھتا ہے جس پر سے کود سکتا ہے اور جس پر سے نہیں کود سکتا تعجب آتا ہے کہ آدمی اپنے مقدور اور غیر مقدور میں بھی فرق معلوم نہیں ہوتا۔

جواب: اس کا یہ ہے کہ یہ اُس پر لازم آتا ہے جو کہتا ہے کہ بندہ کو افعال اختیار یہ پر بالکل قدرت نہیں ہے امام معروف اور اہل سنت کے فرقوں میں سے کسی معروف فرقہ کا یہ قول نہیں ہے اور نہ ان میں کسی کا قول ہے جو تقدیر کے مشتبہ ہیں سوائے اس کے کہ جہم بن صفوان وغیرہ سے منقول ہے کہ اُنہوں نے بندہ سے قدرت بالکل سلب کردی ہے وہ کہتے ہیں کہ بندہ کا حرکت کرنا ایسا ہے جیسے درخت ہوا چلنے سے ہلا کرتے ہیں اور ان لوگوں سے زیادہ تر قریب اشعری اصحاب مالک اصحاب شافعی اور اصحاب احمد وغیرہ میں سے وہی لوگ ہیں جو اشعری کے موافق ہیں یہ باوجود یہ کہ بندہ کے

لئے قدرت محدثہ اور اختیار یہ کو تسلیم کرتا اور یہ کہتا ہے کہ کسب بندہ ہی کرتا ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتا کہ مقدور کے ایجاد کرنے میں بندہ کی قدرت کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔اسی وجہ سے لوگوں کا یہ قول ہے کہ یہ کسب جس کا اشعری قائل ہے سمجھ میں نہیں آتا اور جمہور اہل اثبات اس پر ہیں کہ بندہ اپنے فعل کا حقیقتاً فاعل ہے اس کے لیے قدرت اور ارادہ دونوں ہیں اور اُس کی قدرت اُس کے مقدور میں موثر بھی ہے جیسا کہ قوی طبائع میں اور اُن کے علاوہ اور شروط اور اسباب وغیرہ موثر ہوتے ہیں پس اس معترض کا یہ اعتراض جمہور اہل سنت پر لازم نہیں آتا اور ہم یہ کئی مرتبہ کہہ چکے ہیں کہ اس کے ہم بھی منکر نہیں کہ اہل سنت میں بھی بعض وہ لوگ ہیں جو غلط کہہ دیتے ہیں ہاں تمام اہل سنت غلطی پر متفق نہیں ہوسکتے جیسا کہ سب امامیہ غلطی پر متفق ہوجاتے ہیں بلکہ جس مسئلہ میں امامیہ اہل سنت کے برخلاف ہونگے پس صواب اس مسئلہ میں اہل سنت ہی کے ساتھ ہوگا۔ نہ امامیہ کے ساتھ اور جس مسئلہ میں خود اہل سنت کا بھی نزاع ہو اور اُسی میں امامیہ بھی نزاع کریں تو اس میں نہ کچھ اہل سنت ہی کی خصوصیت ہے اور نہ امامیہ کی خلاصہ کلام یہ ہے کہ سلف اور خلف میں سے تمام اہلسنت کا یہ قول ہے کہ بندہ کے لئے قدرت، ارادہ، فعل تینوں ہیں اور وہ حقیقۃً فاعل ہے اور ان سب کا خالق اللہ ہے جیسا کہ وہ اور سب چیزوں کا خالق ہے چنانچہ کتاب اور سنت دونوں اس پر دال ہیں حضرت ابراہیم کا قول اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً لَّکَ. یعنی اے پروردگار ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار مسلمان کرلے اور ہماری اولاد میں سے ایک جماعت مسلمان اپنی فرمانبردار کردو۔ پھر اُن ہی کا دوسرا قول فرمایا۔ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ. اے میرے رب مجھے اور میری اولاد میں سے نماز کا پابند کردے۔اور فرمایا وَجَعَلْنَاھُمْ اَئِمَّۃً یَّھْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا. اور جب اُنھوں نے صبر کیا تو ہم نے اُنھیں ائمہ کردیا کہ ہمارے حکم کی وہ ہدایت کرتے ہیں اور فرمایا۔ وَجَعَلْنَا ھُمْ اَئِمَّۃً یَّھْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَیْنَا اِلَیْھِمْ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَاءَ الزَّکٰوۃَ اور فرمایا۔اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ ھَلُوْعًا اِذَا مَسَّہُ الشَّرُّ جَزُوْعًا وَّاِذَا مَسَّہُ الْخَیْرُ مَنُوْعًا غرض ان آیتوں میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمان کو مسلمان پابند نماز کو پابند نماز اور امام ہادی کو امام ہادی کرتا ہے اسی طرح حضرت مسیح کا قول ہے۔وَجَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا

اَیْنَمَا کُنْتُ وَاَوْصَانِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَادُمْتُ حَیًّا وَّبَرًّا بِوَالِدَتِیْ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا. یعنی اور کیا مجھ کو بابرکت جہاں کہیں میں رہوں اور وصیت کی مجھ کو نماز پڑھنے اور زکوۃ دینے اور اپنی والدہ کے ساتھ سلوک کرنے کی جب تک کہ میں زندہ رہوں اور نہ کیا اُس نے مجھے سرکش اور بدبخت فقط یہاں یہ بیان کر دیا کہ اُنہیں اللہ ہی نے اُن کی والدہ کے ساتھ سلوک کرنے والا کیا تھا اور بدنصیب سرکش نہیں کیا تھا یہ اہل سنت کے اس قول کے صریح موافق ہے کہ بندوں کے افعال کا خالق اللہ ہی ہے پھر اللہ تعالیٰ فرعون اور اُس کی قوم کا قول فرماتا ہے۔ وَجَعَلْنٰھُمْ اَئِمَّۃً یَّدْعُوْنَ اِلَی النَّارِ یعنی اور کیا تھا ہم نے پیشرو کہ وہ بلاتے لوگوں کو دوزخ کی طرف۔ اور فرمایا لِمَنْ شَآءَ مِنْکُمْ اَنْ یَّسْتَقِیْمَ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ. یعنی یہ قرآن شریف تم میں سے ایسے شخص کے لئے ہدایت ہے جو استقامت چاہے اور نہیں چاہ سکتے تم مگر وہی کہ جو اللہ رب العالمین چاہے۔ اور فرمایا۔ اِنَّ ھٰذِہٖ تَذْکِرَۃٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیْلًا وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا. اور فرمایا اِنَّ ھٰذِہٖ تَذْکِرَۃٌ فَمَنْ شَآءَ ذَکَرَہٗ. پس ان آیتوں میں اللہ تعالے نے بندوں کی مشیت (اور اُن کے ارادہ) پس ان آیتوں میں اللہ تعالے نے بندوں کی مشیت (اور اُن کے ارادہ) کو ثابت کر کے یہ بیان کر دیا کہ اِن کی مشیت بلا مشیت ذاتِ باری تعالیٰ کے کچھ نہیں ہے اور چند جگہ یہ بھی بیان کر دیا ہے کہ بندے فعل کرتے ہیں عمل کرتے ہیں ایمان لاتے ہیں کفر کرتے ہیں اتقا کرتے ہیں، فسق و فجور کرتے ہیں، تصدیق کرتے ہیں، تکذیب کرتے ہیں اور ایک اور موقع پر یہ بھی بیان کیا ہے کہ ان کے لیے استطاعت اور قوۃ بھی ہے ائمہ اہل سنت اور ان کے جمہور کا یہ قول ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا ہے. خلق اُن کے نزدیک مخلوق نہی ہے غرض یہ ہے کہ وہ اس میں فرق کرتے ہیں کہ بندوں کے افعال مخلوق ہو کر اللہ کے مفعول ہوں اور یہ کہ وہ نفس وہ فعل ہوں جو فعل یفعل فعلاً کا مصدر ہے کیونکہ وہ بندوں کے لیے فعل بمعنی مصدر ہے اور اللہ کے لیے اس اعتبار سے فعل نہیں ہے بلکہ وہ اُس کے لیے مفعولہ ہے مگر اللہ تعالیٰ مفعولات کے ساتھ متصف نہیں ہوتا۔ لیکن یہ خرابیاں ان ہی لوگوں کے قول لازم آتی ہیں جو اللہ کے فعل اور مفعول میں فرق نہیں کرتے۔ باوجود اس کے یہ کہتے ہیں کہ بندوں کے افعال اللہ ہی کے فعل ہیں جیسا کہ جہم بن صفوان اور اُس کے موافقین اشعری اور اُسکے

تابعین اور اتباع ائمہ میں سے جو اُن کے موافق ہیں یہی کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس موقع پر ان لوگوں سے یہ بحث مشکل ہوگئی ہے۔ جیسا کہ دوسرے موقع پر یہ بیان بسط کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اسی طرح ان لوگوں پر بھی اعتراض لازم آتا ہے جو مخلوقات میں اسباب، قویٰ، طبائع کو ثابت نہیں مانتے اور یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ اُن اسباب وغیرہ کے ہونے پر فعل کرتا ہے ان کی وجہ سے نہیں کرتا تا کہ اس سے یہ لازم آئے کہ قادر اور عاجز میں کوئی فرق نہ رہے اور اگر کوئی قدرت کو مان کر یہ کہے کہ یہ کسب کے ساتھ مقترن ہوتی ہے تو اس سے کہا جائے گا کہ تم اس قدرت میں معقول فرق نہیں کرتے جو کسب سے ثابت ہو اور فعل سے نہ ہو اور نہ قادر اور عاجز میں فرق رہتا ہے۔ کیونکہ یہاں محض اقتران ہے قدرت کے ساتھ خصوصیت بالکل نہیں ہے بندہ کا فعل اُس کی صفات، حیات، علم، ارادہ وغیرہ سے مقارن ہوتا ہے اور جس وقت قدرت کی سوائے اقتران کے اور کوئی تاثیر نہ ہوئی تو اب قدرت اور غیر قدرت میں کوئی فرق نہ رہا اسی طرح اُس شخص کا قول ہے جو کہتا ہے کہ قدرت فقط صفت فعل میں موثر ہے اصل فعل میں موثر نہیں جیسا کہ قاضی ابوبکر اور اُن کے موافقین کا قول ہے کہ انہوں نے بدون خلق اللہ تعالےٰ کے تاثیر کو ثابت کیا ہے جس سے لازم آتا ہے کہ بعض حوادث کو اللہ نے پیدا نہ کیا ہو اور اگر اُس کو اللہ کی خلق پر معلق رکھیں تو اب اصل اور صفت میں کوئی فرق نہ رہے گا لیکن ائمہ سنت اور ان کے جمہور کا قول وہ ہے جس پر شرح اور عقل دونوں دال ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَسُقْنَاهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَاءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ. یعنی بھیجا ہم نے ابر کو ایک مردہ (اور خشک) شہر پر اور برسایا اُس سے پانی پھر پیدا کیے اُس سے طرح طرح کے پھل اور فرمایا۔ وَمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا. یعنی اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برسا کر اُسے کے ذریعہ سے زمین کو اُس کے مردہ ہوئے پیچھے زندہ (سرسبز) فرماتا ہے۔ اور فرمایا يَهْدِىْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلَامِ. یعنی دکھاتا ہے اللہ تعالیٰ سلامتی کے راستے اُس شخص کو جو اُس کی رضامندی اور خوشنودی کی جستجو میں رہا اور فرمایا۔ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْرًا. یعنی اس قرآن شریف کے ذریعہ سے اکثروں کو گمراہ کرتا ہے اور اکثروں کو ہدایت پر لاتا ہے اس قسم کی مثالیں قرآن شریف اور احادیث میں بکثرت ہیں ان سے اللہ تعالےٰ اس امر کو ظاہر فرماتا ہے کہ اُس نے تمام حوادث کو

اسباب کے ذریعہ سے پیدا کیا ہے اسی طرح قرآن شریف اور احادیث اُن قوی اور طبائع کے ثبوت پر بھی دال سے جو اللہ نے حیوان وغیرہ میں رکھی ہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ یعنی ڈرو تم اللہ سے حتی الوسع اور فرماتا ہے۔ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً یعنی کیا نہیں دیکھا کہ اُس اللہ نے اُن کو پیدا کیا ہے جو قوت میں اُن سے زیادہ ہے اور فرمایا۔ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَّشَيْبَةً يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ. یعنی اللہ وہ ذات ہے جس نے تم کو ضعف (ادنی چیز) سے پیدا کیا اور ضعف کے بعد قوت دی پھر قوت کے بعد ضعف اور بڑھاپا دیا وہ جو چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے اشج بن عبدالقیس سے فرمایا تھا کہ تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں کہ دونوں اللہ کو بھی پسند ہیں ایک بُردباری دوسرے وقار اُس نے پوچھا کہ حضرت یہ خصلتیں ہم میں جبلی ہیں یا کہ عادت کرنے سے ہو جاتی ہیں فرمایا نہیں بلکہ تم میں یہ جبلی ہیں اس نے کہا الحمد للہ کہ اس نے ہم میں جبلی دو خصلتیں ایسی کیں کہ جنھیں خود بھی پسند فرماتا ہے غرض اس قسم کی مثالیں بکثرت ہیں یہ موقع اُن کے بیان کرنے کا نہیں ہے اب وہ لوگ جو بندے میں قدرت ثابت کرتے اور یہ کہتے ہیں کہ اس قدرت کی مقدور میں تاثیر ایسی ہوتی ہے جیسی تمام اشیاء کی اُن کے مسببات میں اور سبب سبب کے ساتھ مستقل نہیں ہو سکتا بلکہ وہ معاون کا محتاج رہتا ہے۔ پس اسی طرح بندہ کی قدرت بھی مقدور میں مستقل نہیں ہے اور علاوہ اس کے سبب کے لیے ایک مانع اور معوق ہوتا ہے۔ اسی طرح قدرت عبد کے لیے بھی اور اللہ تعالے اِس سبب اور اُس کے مانع کا خالق ہے اس کے معارض اور معوق کو روکنے والا ہے بس یہی حال بندہ کی قدرت کا ہے لہٰذا وہ ضروری فرق جو شیعی علماء نے افعال اختیار یہ اور اضطراریہ میں بیان کیا ہے حق ہے تمام اہل سنت کا یہی قول ہے ائمہ مسلمین اور فقہا مشہورین جیسے امام مالک امام ابوحنیفہ امام ثوری اوزاعی لیث بن سعد امام شافعی امام احمد امام اسحٰق کسی کا اس میں نزاع نہیں ہے۔ حالانکہ یہ لوگ دین میں مجتہد سید المرسلین کے نائب ہیں۔ اور چونکہ قائدین تقدیر میں بعض وہ لوگ بھی ہیں جن پر (اس مذکورہ) فرق کا باطل ہونا لازم آتا ہے تو گویا اُن کا قول ہی باطل ہوا۔ اور باوجود اس کے تقدیر کے منکرین کا قول اس سے بھی زیادہ باطل ہے پس اس قدریہ نے باطل امر کو ایسے جواب سے رد کیا ہے جو

اُس سے بھی زیادہ باطل تھا اور اہل شیعہ اس کے خلاف ہیں نہ ان کے موافق ہیں اور نہ ان کے مخالف لیکن وہ اُس کو حق کہتے ہیں اور سمجھتے یہ ہیں کہ ان کا یہ قول باطل ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ بندوں کے افعال حادث ہیں نہ ہونے کے بعد --- پیدا ہوئے ہیں (اور یہی حدوث کے معنی ہیں) لہٰذی انکا حکم باقی تمام حوادث جیسا ہوگا اور وہ حوادث ممکنات ہیں۔ پس اُن کا حکم بھی ممکنات ہی ہوگا۔ علاوہ ازیں جس دلیل سے اس امر پر استدلال کیا جائے گا کہ بعض حوادث اور ممکنات اللہ کی مخلوق ہیں کیونکہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ محدث کے لیے محدث کا ہونا ضروری ہے اور یہ مقدمہ جماہیر عقلا کے نزدیک ضرور یہ ہے اسی طرح ممکن کے لیے بھی ایک مرجح تام ضروری ہے۔ پس اس وقت بندہ کا فعل حادث ہوگا یعنی نہ ہونے کے بعد پیدا ہوگا۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ محدث بندہ ہی ہے پس بندہ اپنے افعال کا محدث ہو جائے گا بعد اس کے پہلے نہ تھا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ امر بھی حادث ہے لہٰذا اس کے لیے بھی ایک محدث ہونا ضروری ہے کیونکہ اگر بندہ کو ہمیشہ سے اُس کا محدث کہا جائے تو اس حادث فعل کا دائمی ہونا لازم آئے گا اور چونکہ اُسے اُسکا دوبارہ کرنا بھی حادث ہے لہٰذا محدث کا ہونا ضروری ہے۔ اگر کوئی کہے کہ یہاں محدث بندہ کا ارادہ ہے تو جواب یہ ہے کہ ارادہ خود حادث ہے اس کے لیے بھی محدث ہونا چاہیے اگر کوئی کہے یہ امر بندہ کے ارادہ کرنے کے باعث پیدا ہوا ہے جواب یہ ہے کہ یہ ارادہ بھی حادث ہے اس کے لیے بھی محدث ہونا چاہیے. خلاصہ کلام یہ ہے کہ بندہ میں جونسا محدث تم فرض کرو گے وہ حادث ہوگا تو اُس میں بھی یہی گفتگو کی جائے گی جو پہلے حادث میں تھی اور اگر تم اُسے ازلی قدیم کہو تو یہ ممتنع ہے کیونکہ بندہ کے ساتھ قائم ہونے والی شے ازلی قدیم نہیں ہو سکتی اور اگر تم کہو کہ یہ بندہ کا وصف ہے اور یہی وہ قدرت ہے جو اُس میں پیدا کی گئی ہے تو اب یہ وجوہ متحقق نہیں ہوں گی اول تو یہ کہ یہ قدرت جو اس میں پیدا کی گئی ہے اگر حدوثِ فعل سے پہلے اور حدوث کے وقت موجود ہوگی تو اُس کے لیے کوئی دوسرا سبب حادث ہونا چاہیے جو اس میں منضم ہو ورنہ بلا مرجح احد المثلین کی ترجیح لازم آئے گی اسی طرح حوادث کا حدوث بلا سبب حادث ہے کیونکہ جب بندہ کا حال فعل سے پہلے اور فعل کے وقت برابر ہے احد الحالین کو دوسرے پر کسی قسم کی کوئی زیادتی نہیں ہے تو اس میں ایک حال کو فاعل کے ساتھ خاص کرنا اور دوسرے کو نہ کرنا احد المتماثلین کو بلا مرجح ترجیح دینا

ہے اسی طرح جب یہ کہا جائے کہ بندہ کا فعل ممکن ہوا اور یہ بھی ممکن ہے کہ نہ ہوا۔ اور ممکن کا وجود اُس کے عدم پر بلا مرجح تام کے راجح نہیں ہوتا اور وہ مرجح جس وقت بندہ کی طرف سے ہوگا تو اُس پر بھی وہی اعتراض ہوں گے جو فعل میں ہونے پر ہوتے تھے لہٰذا ضرور ہے کہ کوئی مرجح تام اللہ کی طرف سے ہو اور یہ کہ اُس کا وجود وجود فعل کو مستلزم ہو ورنہ وہ مرجح تام نہ ہوگا اسی وجہ سے تمام اہل سنت جو تقدیر کے قائل ہیں اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک خاص نعمت عطا کی ہے۔ جو کفار کو عطا نہیں کی۔ جس کی وجہ سے انہیں ایمان لانے کی ہدایت دے دی اگر اس کی نعمت مسلمانوں پر بھی ایسی ہی ہوتی جیسی اس کی نعمت کفار پر ہے تو مسلمان ہی مومن نہ ہوتے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ. یعنی لیکن اللہ نے تمہیں ایمان کی محبت دی اور تمہارے دلوں میں اُس کی خوبصورتی ڈال دی اور کفر اور فسوق عصیان کی تمہیں کراہت دی بس یہی لوگ راہ راست پر ہیں اور فرمایا۔ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ. یعنی اے محمد یہ مسلمان اپنے ایمان لانے کا تم پر احسان رکھتے ہیں تم کہہ دو کہ مجھ پر تم احسان نہ رکھو بلکہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اُس نے ایمان لانے کی تمہیں ہدایت دی اگر تم سچ کہنے والے ہو اور فرمایا۔ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ. یعنی جس میں اختلاف کرتے تھے اللہ نے اپنی قدرت سے مومنین کو حق کی ہدایت دی اور اللہ جس کو چاہتا ہے راہ مستقیم کی ہدایت کر دیتا ہے اور فرمایا۔ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ یعنی یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لانا لکھ دیا تھا پھر اپنی ایک روح سے اُن کی تائید کی اور فرمایا۔ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ. یعنی جسے اللہ ہدایت کرنی چاہتا ہے اُسے سلام شرح صدر کر دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہتا ہے اُس کا سینہ ایسا تنگ کرتا ہے گویا وہ آسمان میں چڑھا جاتا ہے۔ سنئے! قدریہ نے دونوں قسموں کی نعمت برابر ٹھہرایا ہے وہ کہتے ہیں بندہ کو ایک ایسا قدرت عطا کی جاتی ہے جس میں

ایمان اور کفر دونوں کی صلاحت ہوتی ہے بعد اس کے بندہ سے اُن میں سے ایک بلا ایسے سبب کے
صادر ہوجاتی ہے جو ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتا ہو اور کہتے ہیں کہ خود قادر مختار احد المقدورین کو
دوسرے پر بلا کسی مرجح کے ترجیح دیتا ہے۔ان کا یہ دعوے قدرت رب اور قدرت عبد دونوں میں ہے
قدرت رب میں اُن کے بہت سے وہ لوگ بھی موافق ہیں جو تقدیر کا اقرار کرتے ہیں کہ اللہ کے ساتھ
وہ شے قائم نہیں ہوتی جس کے ساتھ اُس کی مشیت اور قدرت متعلق ہو اور رافضی اور ان ہی جیسے وہ
لوگ جو قدریہ پر اس سے حجت لاتے ہیں آپس میں مناقضہ کرتے ہیں پس جس وقت یہ خلق افعال
کے مسئلہ میں مناظرہ کرتے ہیں تو ان پر اس مذکورہ حجت سے حجت لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ممکن کا
وجود اِس کے عدم پر بلا کسی تام مرجح کے راجح نہیں ہوسکتا خواہ وہ قادر مختار سے صادر ہوا اور یا اور کسی
سے اور جس وقت وہ مسئلہ حدوثِ عالم میں گفتگو کرتے ہیں اور اُن سے کہا جاتا ہے کہ حادث کے لیے
کوئی سبب پیدا ہونا ضروری ہے تو وہ قدریہ کا جواب دیتے اور یہ کہتے ہیں کہ قادر مختار ہی احد
المقدورین کو بلا کسی مرجح کے ترجیح دے دیتا ہے اور قادر اور غیر قادر میں فرق کرتے ہیں جیسا کہ قدریہ
کا قول ہے۔اور فعل رب اور فعل عبد میں بھی انہوں نے اس طرح فرق کیا ہے کہ اللہ تعالے اپنی مشیت
قدیمہ سے جو لوازم ذات سے ہے ترجیح دے دیتا ہے بخلاف بندہ کے کیونکہ اُس کا ارادہ دوسرے سے
حادث ہوتا ہے۔لیکن اکثر لوگوں نے یہ کہا کہ جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ ارادہ قدیمہ ازلیہ ہی مرجح
ہوتا ہے کوئی اور شے (مرجح) پیدا نہیں ہوتی تو اُن کا یہ قول ان ہی کے قول کی مثل ہے کیونکہ ارادہ کو جمیع
مقدورات کی طرف ایک ہی نسبت ہے اور ایک ہی نسبت اُس کو تمام ممکنات کی طرف ہے لہٰذا یہاں
احد المماثلین کو دوسرے پر بلا مرجح ترجیح ہوجائے گی علی ہذا القیاس۔جب فاعل کا حال فعل سے پہلے
اور فعل کے وقت برابر شمار کیا گیا پھر احد الحالین کی فعل کے ساتھ خصوصیت کی گئی تو یہاں بھی ترجیح بلا
مرجح لازم آئے گی اور ان فرقوں کا یہ منتہاء نظر ہے اور اسی وجہ سے جس نے (امام) رازی اور ان ہی
جیسے اور لوگوں کے کلام کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا وہ علہ دہریہ قادر القدریہ اور مرید الکلابیہ میں متردد رہا
کہ یہ لوگ ازل میں فعل پر اور مشیت و قدرت کے ساتھ کلام کرنے پر اللہ تعالے کو قادر نہیں کہتے چونکہ
جہمیہ اور قدریہ کی یہ حالت تھی اس لیے فلاسفہ دہریہ یعنی ابن سینا وغیرہ نے امتناع حدوث عالم اور اُس

کے وجوب قدم کے بارے میں اس دلیل کو عمدہ قرار دیا لیکن ان کے پاس اپنے مذہب پر اسکی کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ غایت درجہ یہ کہ فاعلیت باری تعالے کے دوام کو مستلزم ہے اور قدم فلک پر دلالت نہیں کرتی اور نہ اعیانِ عالم میں سے اور کسی پر لیکن ان لوگوں نے کہا ہے کہ اس سے تسلسل لازم آتا ہے اور تسلسل محال ہے مراد اس سے تمام تاثیرات میں تسلسل آتا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے ورنہ فقط آثار میں تسلسل ہونے کے تو وہ بھی قائل ہیں اور ہم یہ ذکر کر چکے ہیں کہ یہ تسلسل بھی ممتنع ہے کیونکہ جس وقت مثلاً یہ کہا گیا کہ یہ حادث کوئی فعل نہیں کرے گا جب تک کہ کوئی دوسرا حادث ہو کر اُسے فاعل نہ کر دے اور یہی حال اس دوسرے حادث کا بھی ہے تو یہاں تمام تاثیر میں تسلسل ہو جائے گا اور جس وقت کسی نے یہ کہا کہ یہ نہیں حادث کرے گا جب تک کہ وہ کسی شے کو نہ حادث کرے تو یہ دور ممتنع ہوگا خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس وقت گفتگو حوادث میں کی جائے تو تسلسل ہوگا اور جس وقت حادث کو معین کر لیا جائے یہ دور ہو جائے گا اور ان متکلمین یعنی جہمیہ، قدریہ، اشعریہ، معتزلہ اور کرامیہ میں سے جو اُن کے تابع ہیں اور فقہا وغیرہ میں سے اُن کے موافقین ہیں سب کی یہ دلیل حجت الزامیہ ہے اور وہ تسلسل جس کے ممتنع ہونے پر اتفاق ہے وہ مواثرات میں تسلسل ہوتا ہے ورنہ آثار میں تسلسل ہونا پس یہی مورد نزاع ہے اور یہ لوگ ان دونوں قسموں کو اس بنا پر باطل کرتے ہیں کہ غیر متناہی شے میں تفاوت ممتنع ہوتا ہے۔ جماہیر فلاسفہ معہ ائمہ اہل علل کے اس دوسری قسم کا انکار نہیں کرتے اور جب تمہارا قول باطل ہو گیا تو یہ حجت ضروری باطل ہو گئی کیونکہ باطل قول پر حجت صحیحہ قائم نہیں ہوا کرتی اور اگر تسلسل ممکن ہے تو اُس وقت بھی تمہاری حجت باطل ہے غرضیکہ یہ حجت دونوں تقدیر پر باطل ہے کیونکہ جب آثار کا تسلسل ممکن ہوا تو حدوث افلاک بھی ایسے اسباب کے ساتھ ممکن ہوگا جو اس سے پہلے حادث ہوں اور تمام رسولوں صلوات اللہ علیہم اجمعین نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالے نے آسمان و زمین اور اُن کے درمیانی اشیاء کو چھ روز میں پیدا کیا اور اس سے پہلے اُس کا عرش پانی پر تھا اور یہ مقدمہ ایسا ہے کہ بالاضطرار اور دین اسلام کی نقل متواتر سے سمجھا جاتا ہے (اس میں کوئی خفا نہیں) اور تمہاری ادلہ میں کوئی ایسی دلیل نہیں جو آسمانوں کے قدیم ہونے کو ثابت کرے پس ان کے قدیم ہونے پر تمہارے قول میں کوئی حجت عقلیہ نہیں ہے لہٰذا یہ بلا سبب رسولوں کی تکذیب ہے

علاوہ ازیں عقل صریح بھی تمہارے قول کو باطل کرتی ہے کیونکہ افلاک وغیرہ عالم سے حوادث مستلزم ہیں پس اگر وہ قدیم ہوں گے تو یہ لازم آئے گا کہ وہ اپنے کسی موجب قدیم سے صادر ہوں اور اُس وقت یہ موجب بھی اپنے موجب کے ساتھ مستلزم ہوگا. مقتضا استلزام کا یہ ہے کہ موجب اس سے متاخر نہ ہو کیونکہ اگر موجب اس سے متاخر ہوا تو یہ علتہ تامہ نہیں رہے گا کیونکہ علہ تامہ اپنے معلول کو مستلزم ہوتی ہے اور جب علتہ تامہ نہ رہی تو اب موجب کا مقارن ہونا ممتنع ہوگیا۔ کیونکہ بدون علتہ تامہ کے معلول کا قدیم ہونا ممتنع ہے علاوہ اس کے اگر موجب کا تاخر جائز ہو مع جواز اِس بات کے کہ وہ ازل میں اُسکا مقارن ہو تو اب واجب بذاتہ کے سوا ایک اور مرجح کی ضرورت ہوگی کیونکہ ممکن ہے کہ اُس کے کلمات بے انتہاء ہوں اور وہ ہمیشہ اپنی مشیت سے متکلم رہا ہو یا اپنی مشیت سے یکے بعد دیگرے فعل کا فاعل ہو حالانکہ یہاں سوائے اس کے اور کوئی مرجح نہیں ہے. پس اس بنا پر افلاک وغیرہ کا ہونا ممتنع ہوگا اور یہ باطل ہے کیونکہ وہ موجود ہمیں آنکھوں سے نظر آتے ہیں اور وہ خود اُسے تسلیم کرتے ہیں. اور کہتے ہیں کہ یہ علتہ قدیمہ کے معلول ہیں اور وہ علت موجب بالذات ہے. اُس کا موجب اُس سے متاخر نہیں ہوتا اور جس وقت یہ عقل صریح سے معلوم ہے اور خود بھی اِسکے موافق ہیں بلکہ اُن کے قول کی اصل یہی ہے تو اب اُن سے یہ کہا جائے گا کہ جو شے حوادث کو مستلزم ہو ممتنع ہے کہ وہ کسی موجب بالذات سے صادر ہو کیونکہ حوادث شیء بعد شے، پیدا کرتے ہیں اور جو شئے شیاء بعد شی پیدا ہو اُسکے اجزا قدیمہ ازلیہ نہیں ہوسکتے پس وہ موجب بالذات سے صادر نہیں ہوگی علی ہذا القیاس موجب بالذات سے حوادث کا صادر ہونا بھی ممتنع ہوگا اور بدن حوادث لازمہ کے عالم سے بھی صدور شئی کا ممتنع ہے۔ کیونکہ ملزوم کا وجود بدون لازم کے ممتنع ہے. پس اس سے معلوم ہوا کہ فلک کا قدیم اور ازلی ہونا ممتنع ہے اور ممکن نہیں کہ کوئی یہ کہے کہ ازل میں فلک حوادث سے خالی تھا بعد اسکے اُس میں حوادث پیدا ہوگئے اُس وقت اسکا یہ جواب دیا جائے گا کہ پھر ان حوادث کے لیے بھی ایک سبب ہونا چاہیے اور اس سبب میں بھی وہی بحث ہوگی جو اوروں میں تھی اور اگر یہ جائز ہو کہ بدون کسی سبب حادث کے وہ حادث ہو جائے تو یہ فلک میں بھی ہونا ممکن ہے لہٰذا ان کی حجت باطل ہوگئی۔ اور احد المتماثلین میں سے بلا مرجح ایک کو ترجیح دینا لازم آیا اور اگر اسکے لیے بھی کوئی سبب ضروری ہوگا تو

تسلسل اور دوام حوادث لازم آئے گا اور یہ کہ فلک اور اللہ کے سوا ہر شے حوادث کی مقارن ہو اور جو
ممکن حوادث کا مقارن ہوتا ہے ممتنع ہے کہ وہ موجب بالذات سے صادر ہو اور یہ بھی ممتنع ہے کہ وہ
قدیم ہو علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ جو شئے حوادث کو مستلزم ہو. وہ ہے جو حوادث سے خالی نہ ہو اور وہ
جو حوادث کو مقارن ہو اس کا حادث ہونا واجب ہے یا نہیں بلکہ قدیم ہونا بھی جائز ہے یہ ایک ہی بات
ہے کہ وہ واجب اپنے ماسوائے اسے غنی ہو یا ممکن ہو یا اُس واجب میں جو ماسوائے سے غنی ہو اور اُس
ممکن میں جو محتاج الی غیرہ ہو فرق ہو سو اس میں تین قول ہیں. اول قول تو اہل کلام وغیرہ میں سے اُن
لوگوں کا ہے جو اُسکے دوام کے ممتنع ہونے کے قائل ہیں اور اس کے بھی کہ ازل میں اللہ کا اپنی مشیت
اور قدرت سے فعل اور تکلم کرنا ممتنع ہے. دوسرا قول اُن فلاسفہ کا ہے جو ماسوائے اللہ کے قدیم ہونے
کے قائل ہیں اور وہ ماسوائے خواہ افلاق ہوں خواہ عقول وغیرہ ہوں اور یہ لوگ اللہ سبحانہ کو موجب بذاتہ
ٹھہراتے ہیں کہ اُسے کسی شے کا پیدا کرنا ممکن نہیں ہے اور عالم میں سے کسی شے کی تعبیر ہو سکتی ہے.
بلکہ حقیقت اُن کے قول کی یہ ہے کہ حوادث اُس سے صادر نہیں ہو سکتے بلکہ یہ بلا محدث کے خود ہی
صادر اور حادث ہو جاتے ہیں تیسرا قول اُن ائمہ اہل علل کا ہے جو کہتے ہیں کہ ہر شے کا خالق اللہ ہی
ہے اور اللہ کے سوا ہر شے نہ ہونے کے بعد پیدا ہوئی ہے باوجود یہ کہ اللہ ہمیشہ سے قادر ہے اور جب
اُس نے چاہا ہمیشہ متکلم بھی رہا بلکہ اُن افعال کا فاعل بھی رہا کہ جو قائم بنفسہ ہیں اور اہل فلاسفہ میں اُن
کے اومہ کے اقوال جو ارسطو سے پہلے ہوئے ہیں سب اُن لوگوں کے اقوال کے موافق ہیں بخلاف
ارسطو اور اُسکے تابعین کے جنہوں نے افلاک کو قدیم کہا ہے اُن کا قول صحیح منقول اور صریح معقول سے
بے شک معلوم الفساد ہے اور علاوہ اس کے مفعول معین فاعل کے ساتھ لازم ہو کر اُسکے قدم کے
ساتھ قدیم اور دوام کے ساتھ دائمی ہونا لذاتہ ممتنع ہے اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ وہ فاعل غیر مختار ہے
تو یہ کیونکر درست ہوگا جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وہ اپنی مشیت اور قدرت سے فعل کرتا ہے اور یہ جو
انہوں نے کہا ہے کہ علت معلول پر بالذات ہی مقدم ہوتی ہے نہ کہ بالزمان تو یہ قول اُسی جگہ موزوں
ہوگا جہاں علت شرط ہو کیونکہ شرط مشروط سے کبھی مقارن ہوتی ہے باقی وہ علت جو فاعل معلول کا فعل
ہو تو اُس کا معلول سے زمانی مقارن ہونا عقل میں نہیں آتا اور اس کی مثال کہ علت معلول پر بالذات

مقدم ہوتی ہے نہ کہ بالزمان وہ یہ دیتے ہیں کہ جیسے ہاتھ کی حرکت سے خاتم (انگوٹھی) کی حرکت مقدم ہوتی ہے اور اُن کی تمام مثالوں میں یا تو علت شرط ہوگی فاعل نہیں ہوگی اور یا مقدم بالزمان ہوگی ورنہ فاعل کا غیر متقدم ہونا ہرگز خیال میں نہیں آتا اور نہ یہ موقع ان امور کی تفصیل سے ذکر کرنے کا ہے کیونکہ اہل ارض کی مقالات کا اصول ہے اور یہاں اصل مقصود (فرقہ) قدریہ کی اصل پر متنبہ کرنا ہے کیونکہ حقیقت اُن کے قول کی یہ ہے کہ حیوان کے افعال بلا فاعل صادر ہوتے ہیں جیسا کہ فلاسفہ دہریہ کہ قول کی اصل یہ ہے کہ فلک کی حرکت اور تمام حوادث بلا سبب پیدا ہوتے ہیں اور اسی طرح قول اُن لوگوں کا ہے جو قدریہ کے اس بارے میں اللہ کے ساتھ افعال کا قیام نہیں ہوسکتا اور کہتے ہیں کہ جو فعل ہے وہی مفعول ہے اور جو خلق ہے وہی مخلوق ہے جیسا کہ اشعریہ اور ان کے موافقین کہتے ہیں اور فعل ذم میں اُن پر بھی وہ اعتراض لازم آئے گا جو قدریہ پر لازم آتا ہے اسی وجہ سے قدری رافضی کی اکثر خرابیاں اور برائیاں ان لوگوں پر وارد ہوتی ہیں اور اُن کا فرقہ اُن لوگوں میں سے ہے جو حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے قائل ہیں اور ان کا قول ہر حال پر قدریہ کے قول سے خطا (اور غلط) ہونے میں بہت کم ہے بلکہ اُن کی اصل خطا قدریہ کی ایک خطا کے برابر ہے اور ائمہ اہل سنت کبھی کوئی ایسی خطا کی بات نہیں کہتے اور اسی طرح اہل حدیث، اہل فقہ، اہل تفسیر، اہل تصوف میں سے کوئی اہل سنت اُن اقوال کا قائل نہیں ہے کہ جو خطا کو متضمن ہیں بلکہ وہ سب اس پر متفق ہیں کہ افعال عباد کا خالق بے شک اللہ ہے اور انکا اس پر بھی اتفاق ہے کہ افعال اختیاریہ اور افعال اضطراریہ میں فرق ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ بھی اپنی مشیت اور قدرت سے فعل کرتا ہے اور وہ جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا اور وہ ہمیشہ سے افعال پر قادر صفات کامل کے ساتھ موصوف اور متکلم ہے اور وہ اُن اوصاف کے ساتھ بھی موصوف ہے جو اُس نے اپنی ذات کے خود بیان کئے اور اُن اوصاف کے ساتھ بھی جو اُس کے پیغمبر ﷺ نے بلا تحریف اور تعطیل اور بلا تکیف اور تمثیل کیے ہیں. خلاصہ یہ ہے کہ اہل سنت اللہ کے علم کو محیط اور اس کی مشیت کو نافذہ اور قدرت کو کاملہ اور ہر شے کے لیے اُس کا خالق ہونا ثابت کرتے ہیں اور جسے اُن کے قول کو سمجھنے کی اللہ ہدایت دے وہ جان لے گا کہ بے شک محاسن اقوال کو انہوں ہی نے جمع کیا ہے اور اللہ کو غایت کمال کے ساتھ اُنہوں ہی نے موصوف کہا ہے اور

یہی وہ لوگ ہیں جو صحیح منقول اور صریح معقول سے تمسک کرتے ہیں اور ان ہی کا قول درست اور تناقض سے سالم ہے جو اللہ نے اپنے رسول کو دے کر بھیجا اور اُس پر کتابیں نازل فرمائیں۔

اچھے برے میں فرق نہیں ہے: شیعی علماء کہتے ہیں کہ ان ہی امور میں سے یہ ہے یہ لازم آتا ہے کہ ہمارے نزدیک ایسے دو شخصوں میں کوئی فرق نہ ہو ایک تو وہ کہ جو تمام عمر ہم پر اعلیٰ درجہ کا احسان اور سلوک کرے اور دوسرا وہ کہ جو تمام عمر ہمارے ساتھ انتہاء درجہ کی بُرائی کرے۔ اور نہ ہم سے پہلے کا احسان ماننا اور دوسرے کی بُرائی کرنی ٹھیک ہوگی وجہ اس لزوم کی یہ ہے کہ ان کے نزدیک دونوں فعل اللہ سے صادر ہوتے ہیں۔

جواب: یہ قول باطل ہے کیونکہ دو فعلوں کا فقط اس بارے میں شریک ہونا کہ یہ دونوں اللہ نے پیدا کئے ہیں ان کے تمام احکام میں شریک ہونے کو مستلزم نہیں ہے کیونکہ یہ تو ظاہر عقل سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام امور مختلفہ بہت سے امور میں مشترک ہوتے ہیں خاص کر ایسے مقام پر اس لیے کہ اللہ کے سوا تمام اشیاء اللہ کی مخلوق ہونے میں مشترک ہیں اور اس میں بھی کہ وہی ان کا رب اور مالک ہے پھر ظاہر ہے کہ تمام مخلوقات میں فرق بھی اس قدر ہے کہ سوائے خالق کے اور کوئی اُس کا احاطہ نہیں کرسکتا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نور اور ظلمات کو پیدا کیا اور خود یہ فرمادیا۔ **وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَى وَالْبَصِيرُ وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّورُ** (یعنی نہ اندھا اور بینا برابر ہیں اور نہ اندھیرے اور نور برابر ہیں) اور اللہ ہی نے جنت و دوزخ کو پیدا کیا حالانکہ یہ دونوں بھی برابر نہیں اُسی اللہ نے ظل اور حرور کو پیدا کیا اور یہ دونوں بھی برابر نہیں وہی اللہ نابینا اور بینا کا خالق ہے یہ دونوں بھی برابر نہیں وہی اللہ زندہ اور مردے اور عاجز عالم کا خالق ہے حالانکہ نہ یہ برابر ہیں نہ وہ اُسی اللہ نے ان چیزوں کو پیدا کیا ہے جن سے نفع اور نقصان ہوتا ہے اور جن سے لذت اور تکلیف ہوتی ہے۔ حالانکہ نہ یہ برابر ہیں نہ وہ برابر ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ عمدہ اور نفیس اور بُرے کھانوں کا بھی خالق ہے۔ پھر عمدہ کھانے سے محبت اور رغبت ہوتی اور اُسکی تعریف اور خواہش کی جاتی ہے اور بُرے کی بُرائی اور اُس سے کراہت کی جاتی ہے حالانکہ خالق اِس کا اور اُس کا اللہ ہی ہے وہی فرشتوں اور انبیاء اور شیاطین کا خالق ہے اُسی نے فواسق میں سے سانپ اور بچھو وغیرہ پیدا کئے ہیں حالانکہ وہ محمود اور معظم ہیں اور ان فاسقہ چیزوں کو حل اور حرم دونوں جگہ ماردیا

جاتا ہے باوجود یہ کہ اُن میں اللہ ہی نے ایک ایسی کریمہ طبیعت پیدا کر دی ہے جو خیر اور خوبی کی مقتضی ہے اور اُن میں ایسی خبیثہ طبیعت رکھ دی ہے جو شر اور عدوان کی باعث ہے مع اس کے کہ ان میں حب اور عداوت مدح اور ذم کا بھی فرق ہے پس جب شرع اور عقل دونوں اس پر متفق ہیں کہ جس چیز میں لوگوں کے لیے اللہ نے منفعت اور مصلحت رکھ دی ہے اُس سے انہیں محبت ہو اسکی مدح اور خواہش کریں اگر چہ وہ شے گدھا یا کوئی اور حیوان چوپایہ ہی کیوں نہ ہو تو پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ جو آدمی لوگوں پر احسان کرے اُس سے اُن کو مصالح اور منفع حاصل ہوں تو اُس کا مستحق نہ ہو کہ اُس سے محبت اور اُسکی تعظیم اور تعریف کریں اسی طرح جانب شر میں قیاس کرنا چاہیے قدریہ کا قول یہ ہے کہ نہ بندہ اپنے احسان پر محمود اور مشکور ہو سکتا ہے اور نہ اپنی برائی پر مذموم (اور بُرا) کہلا سکتا ہے ہاں اس شرط پر کہ اُسے اللہ تعالے نے ہم پر محسن نہ کیا ہو۔ (یعنی اس وقت اُسے محسن کہہ سکتے ہیں) اور نہ اُس وقت ہم پر اُس کا احسان ہو کہ جب یہ بھلائی کرے اور نہ وہ اس کے بُرائی کرنے پر ہماری آزمائش کرے.

اور یہ اُس قول کی حقیقت ہے جو اس قدریہ نے کہا ہے۔ اور اس قول کا شرعاً اور عقلاً باطل ہونا صاف ظاہر ہے۔ کیونکہ حقیقت اس کی یہ ہے کہ جہاں بندہ کا شکر (اور احسان) ہوگا وہاں اللہ کا شکر (اور احسان) نہ ہوگا۔ اور جہاں اللہ کا ہوگا وہاں بندہ کا نہ ہوگا غرض مقصود اس سے یہ ہے کہ رسول کی تعلیم اور اللہ کی رسالت ہمارے تک تبلیغ کرنے میں اللہ کا ہم پر احسان کچھ نہیں ہے (کیونکہ تعلیم و تبلیغ رسول ہی کرتے ہیں) حالانکہ اللہ فرماتا ہے۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ. (یعنی مسلمانوں پر اللہ نے یہ احسان کیا کہ اُن کے پاس اُن ہی میں سے ایسا پیغمبر بنایا ہے جو اُنہیں اللہ کی آیتیں سُناتا اور اُن کا (گناہوں وغیرہ سے) تزکیہ کرتا اور کتاب و حکمت سکھاتا ہے) پھر قدریہ کے قول پر اللہ کا پیغمبر بھیجنا ایسا ہے کہ جیسے مخلوق مخلوق کی طرف بھیجتی ہے پس یہ نفس ارسال کی تفصیل ہے نہ کہ اسکی کہ اُس نے رسولوں کو ایسا کیا وہ آیتیں پڑھنے اور تعلیم دیتے اور تزکیہ کرتے ہیں بلکہ اُن کے نزدیک یہ سب افعال اُس مرسل کی طرف منسوب ہیں جس نے اُن کے نزدیک اُنہیں پیدا کیا ہے نہ کہ اس مرسِل کی طرف جس نے اُن میں سے کوئی شئے بھی نہیں کی پھر یہ قدریہ کہتے ہیں کہ رسول خود

اپنی طرف سے کہتے ہیں اللہ اُن سے کچھ نہیں کہلاتا بلکہ اللہ نے اُن میں ایک ایسی قدرت پیدا کر دی ہے کہ یہ چاہیں بولیں اور چاہیں نہ بولیں آپ ان دونوں حالتوں میں جسے چاہتے ہیں بلا امداد الٰہی خود پیدا کر لیتے ہیں. لہٰذا اس کے قول پر یہ بھی لازم آتا ہے کہ بندوں کے لیے فرشتوں کا استغفار اور علماء کا انہیں تعلیم دینا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا اور حاکموں کا اُن کے حق میں انصاف کرنا بندوں پر اللہ کی کوئی نعمت (اور احسان) نہ ہو اور نہ اُس وقت اُس کی کچھ سختی ہو جس وقت حاکم ظلم کریں حالانکہ حدیث قدسی میں آیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں ہی سب بادشاہوں کا مالک ہوں سب بادشاہوں کے دل اور سب کی پیشانیاں میرے قبضہ قدرت میں ہیں. جس نے میری اطاعت اور فرمانبرداری کی میں اُن بادشاہوں (اور حاکموں) کو اُن پر رحمت کر دیتا ہوں اور جو میری نافرمانی کرتا ہے اس پر اسے سخت (بے رحم) کر دیتا ہوں لہٰذا تم بادشاہوں کو بُرا کہنے میں نہ پڑو اور میری اطاعت کرو میں ان کے دل تم پر نرم اور مہربان کر دوں گا قدریہ کے نزدیک اللہ میں اتنی قدرت نہیں کہ وہ بادشاہوں کو منصف کر دے یا ظالم بنادے یا محسن کر دے اور نہ اس پر قادر ہے کہ جو کوئی اُس کے ساتھ بھلائی اور اُس کی تعظیم کرے اُسے کوئی نعمت عطا کر دے نہ اس پر کہ جو بُرائی یا اُس کی اہانت کرے تو اُسے سزا دے سکے. بعض کا قول ہے کہ قدریہ کے قول پر یہ بھی لازم آتا ہے کہ اللہ کسی حال میں اور کسی وقت شکر کا مستحق نہ ہو کیونکہ شکر نعمتوں ہی پر ہوتا ہے اور نعمتیں تین قسم کی ہیں. دنیویہ، دینیہ، اخرویہ۔ پس دنیویہ نعمتیں تو قدریہ کے نزدیک اللہ پر واجب ہیں اور ادائے واجب میں مستحق شکر کیونکر ہو سکتا ہے اسی طرح وہ دینیہ نعمتیں بھی جن پر اُسے قدرت ہے جیسا کہ پیغمبر بھیجنا اور قدرت پیدا کر دینا باقی رہا نفس ایمان اور عمل صالح سو انکے نزدیک اللہ میں اتنی قدرت نہیں ہے کہ وہ کسی کو مومن اہل ہدایت نیک یا بدیا شقی کر دے لہٰذا ان امور میں سے جنھیں نہ وہ خود کرتا ہے نہ اُن کے کرنے کی بندوں کی قدرت دی ہے کسی شئے میں مشکور بننے کا مستحق نہیں ہے لیکن نعمت اخرویہ سو اُن کی جزا دینی قدریہ کے نزدیک اللہ پر ایسی ضروری ہے جیسی مستاجر کو کسی غریب مزدور کی مزدوری دینی ضروری ہوتی ہے پس جزا دینی اس پر واجب ہے اور اُسے وہ اپنے نزدیک باعتبار عدل و انصاف کے واجب سمجھتا ہے نہ کہ باعتبار فضل اور احسان کے جیسا کہ کوئی اپنے ذمہ سے کسی کا قرض ادا کر دے اور وہ اپنے فضل اور احسان پر شکر کرانے کا مستحق نہیں ہوتا.

قدریہ اپنے قول کی اس حقیقت پر اُن مسلمانوں پر طعن کرتے ہیں کہ جو ہر حال اور ہر نعمت پر اللہ کا شکر کرتے ہیں اور اُسکا احسان مانتے ہیں اور اس آدمی کا بھی احسان مانتے ہیں جس کے ہاتھوں اللہ بھلائی کرادے کیونکہ جس نے آدمیوں کا احسان نہ مانا اس نے گویا اللہ کا بھی احسان نہ مانا اور جو کوئی ان کے ساتھ بُرائی کرے اُن کا یہ عقیدہ ہے کہ انصاف کی وجہ سے اللہ کو اُس سے بدلہ لینا جائز ہے اور یہ کہ جس وقت اس میں کوئی حق اللہ کا نہ ہو تو اُس کا معاف کر دینا افضل ہے اور بعض یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ اللہ تعالے کسی پہلے احسان اور نیکی ہو جانے پر نعمت عطا فرماتا ہے تا کہ بندہ اُس کا شکر کرے اور علی ہذا القیاس کسی بُرائی ہو جانے پر تکلیف میں مبتلا کرتا ہے جیسا کہ اور طرح طرح کی تکلیفوں سے وہ بندہ کو آزماتا ہے تا کہ یہ اُس پر صبر کریں اپنے گناہوں پر استغفار چاہیں اور قضا الٰہی پر راضی رہیں چنانچہ صحیحین میں نبی ﷺ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مومن کے حق میں وہی حکم فرماتا ہے جو اُس کے لیے بہتر ہو اگر کوئی اُسے فائدہ پہنچا اور اس نے اُس پر اللہ کا شکر کیا تو اُس کے حق میں اور بہتری ہوگی اور اگر اُسے کوئی تکلیف پہنچی اور اُس نے صبر کیا تب بھی اُس کے لیے بہتری ہے اور یہ فقط مسلمانوں ہی کے لیے ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّا اَرْسَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ تَؤُزُّھُمْ اَزًّا یعنی ہم شیاطین کو کفار پر بھیجتے ہیں کہ وہ اُنھیں (گناہوں پر) اور اُبھارتے ہیں۔ اور فرمایا فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىھُمَا بَعَثْنَا عَلَیْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّیَارِ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا. علاوہ ازیں یہ سب کو معلوم ہے کہ اکثر اہل تقدیر اس کے مقر اور اُسے مانتے اور ساتھ ہی اِس کے وہ محسن کی تعریف اور مدح کرتے ہیں اور ظالم کی برائی کرتے ہیں باوجود یہ کہ اس پر انکا اتفاق ہے کہ ان دونوں فعلوں کا خالق اللہ ہی ہے پس قدریوں کا یہ کہنا کہ دونوں فعلوں کا خالق اللہ کو ماننے پر یہ لازم آئے گا کہ اُس میں کچھ فرق نہ رہے تو یہ لزوم مالا یلزم ہے اور زیادہ سے زیادہ یہ لازم آتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے اُس کو مستحق اور مدح کا کیا اور اُس کو مستحق عقاب اور ذم کا کیا پھر جب اُس نے اِسے اور اُسے مستحق کر دیا تو اس سے یہ ممتنع نہیں ہوجاتا کہ ایک کی مدح اور دوسرے کی بُرائی کی جائے بلکہ اُنکے لیے ان دونوں کا پیدا کرنا ایسا ہے جیسے کسی اور کے لیے پیدا کردے اور اُسکا بندوں کے حق میں ایک حکمت کلیہ کے ساتھ تعلق ہے چنانچہ دوسرے موقع پر اسکا ذکر

کیا گیا ہے اور قدریہ کی رائے پر مدح اور ثنا اور شکر کا بس وہی مستحق ہو سکتا ہے جسے اللہ نے محسن نہ کیا ہو علی ہذا القیاس مستحق ذم بھی وہی ہو سکتا ہے جسے اللہ نے ظالم اور نہ بنایا ہو بلکہ ہو سکتا ہے جسے اللہ نے محسن اور ظالم بننے کی قدرت بھی نہ دی ہو خلاصہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک نہ مدح ہو سکتی ہے اور نہ ذم ہاں اس شرط پر کہ اللہ عاجز ہو اس کی مشیت اور خلق میں قصور ہو اور حوادث کا حدوث بدون محدث کے ہو۔

معصیت: پھر شیعی علماء یہ فرماتے ہیں کہ ان ہی امور میں سے وہ تقسیم بھی ہے جس کو سیدنا و مولانا امام موسیٰ بن جعفر کاظم نے ذکر کیا ہے ان سے امام ابوحنیفہ نے اپنے لڑکپن میں یہ پوچھا تھا کہ معصیت کس سے ہوتی ہے کاظم نے فرمایا کہ یا تو بندہ سے ہوتی ہے یا اللہ سے ہوتی ہے یا دونوں سے ہوتی ہے اگر اللہ سے ہوتی ہے تو وہ بڑا منصف اور بڑا عادل ہے اسکی شان سے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے بندے سے ظلم پر اور جو فعل بندہ نے نہیں کیا اس پر اُس سے مواخذہ کرے اور اگر معصیت دونوں سے ہوئی ہے تو وہ اس کا شریک اور اُس میں ساتھی ہے قوی اور ضعیف بندہ پر انصاف کرنے میں اولیٰ ہیں۔ اور اگر معصیت فقط بندہ ہی سے ہوئی ہے اس وقت امر اسی کو ہوگا۔ اور بھلائی بھی اُسی کی ہوگی یہی ثواب و عقاب کا مستحق ہوگا اور جنت و دوزخ بھی اسی کے لیے ضروری ہوگی۔ امام ابوحنیفہ نے (یہ جواب سنکر تعریف کے طور پر) فرمایا۔ ذُرِّيَةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ فقط۔

جواب: اس کا یہ ہے کہ اول تو اس حکایت کی کوئی سند مذکور نہیں لہٰذا یہ صحیح نہیں معلوم ہوتی کیونکہ منقولات کی صحت اسانید ثابتہ ہی سے معلوم ہوا کرتی ہے۔ خاص کر اس صورت میں جہاں بکثرت جھوٹ بولا جائے کیونکہ سند کا رنہ ہو حالانکہ یہاں جھوٹ ہونا صاف ظاہر کیونکہ اُن تمام اہل معرفت کا جو امام اور اُن کے مذہب سے واقف ہیں اس پر اتفاق ہے کہ امام ابوحنیفہ تقدیر کے اقرار کرنے والوں میں سے ہیں اور فقہ اکبر میں فرقہ قدریہ پر اُن کا رد کرنا مشہور ہے کہ اس کتاب میں اس فرقہ کے رد میں اس قدر دلیلیں ذکر کیں اور بحث کی ہے کہ اور کسی کے رد میں اتنی بحث نہیں کی ان کے تمام اتباع اس پر متفق ہیں کہ اُن کا یہی مذہب تھا اور یہی اب اُن حنیفہ کا مذہب ہے جو اُن کے پیرو ہیں اور فروع میں جو اُن کی طرف منسوب کیا گیا اور معتزلہ وغیرہ سے اُنھیں علیحدہ کیا ہے۔ ممکن نہیں کہ ایسا قول اُن سے منقول ہو بلکہ اُن ائمہ کے نزدیک قول سے فتویٰ دیا جاتا ہے ایسے لوگ اہل بدعت اور اہل ضلال سے

شمار کئے جاتے ہیں پس امام ابوحنیفہ سے کیونکر کوئی یہ نقل کرسکتا ہے کہ آپ نے ایسے شخص کو ٹھیک اور درست تسلیم کرلیا جو کہتا ہے کہ افعال عباد کو اللہ نے پیدا نہیں کیا علاوہ اِس کے موسیٰ بن جعفر اور اہل بیت کے تمام علماء اثبات تقدیر وصفات پر متفق ہیں اُن سے یہ منقول ہونا صاف ظاہر اور سب کو معلوم ہے۔ قدمائے شیعہ بھی اثبات تقدیر وصفات پر متفق تھے۔ لیکن بنی بویہ کے راج میں معتزلہ سے مل کر ان میں تقدیر کا رد اور انکار پھیل گیا علاوہ ازیں یہ کلام موسیٰ بن جعفر سے حکایت کیا جاتا ہے یہ فرقہ قدریہ کے لڑکے بچے کہتے ہیں۔موسیٰ بن جعفر کے پیدا ہونے سے پہلے جس وقت سے فرقہ قدریہ پیدا ہوا ہے اُسی وقت سے یہ قول مشہور چلا آتا ہے کیونکہ موسیٰ بن جعفر ۱۲۸ھ ۱۲۹ھ میں عباسیہ سلطنت سے قریب تیس برس پہلے مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے ہیں اور بغداد میں ۱۸۳ھ میں اُنکا انتقال ہوا ہے ابوحاتم کا قول ہے کہ یہ ثقہ صدوق ائمہ مسلمین سے ایک امام تھے اور قدریہ اس تاریخ سے پہلے ہی سے پیدا ہو چکے تھے۔ بلکہ وہ زبیر عبدالملک کے زمانہ کی پہلی ہی صدی میں پیدا ہو گئے تھے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکایت بالکل جھوٹ ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ (موسیٰ بن جعفر کے باپ) جعفر بن محمد کے ساتھ رہے ہیں باقی موسے بن جعفر اس قابل نہ تھے کہ ابوحنیفہ اُن سے پوچھتے یا آپ کبھی اُن سے ملے ہوں ہاں جعفر بن محمد ابوحنیفہ کے ہم عصروں میں تھے اور امام ابوحنیفہ نے باوجود اُن کے علم میں مشہور ہونے کے اُن سے بھی کچھ نہیں حاصل کیا۔ پھر بھلا موسیٰ بن جعفر سے آپ کس طرح تعلیم لے سکتے تھے. اب ملاحظہ ہو اِس حکایت میں اِس قائل کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ وہ بڑا منصف اور بڑا عادل ہے. اسکی شان یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے بندہ پر ظلم کرے اور جو فعل بندہ نے نہیں کیا۔ اُس پر اُسے سے مواخذہ کرے۔ یہی قول کلام قدریہ کی اصل ہے۔ جسے اُن کے عام خاص سب جانتے ہیں اور یہی اُن کے مذہب اور طریقہ کی بنیاد ہے اسی واسطے وہ اپنا نام عدلیہ رکھتے ہیں. پس موسیٰ بن جعفر کی طرف اُس کو منسوب کرنا اگر حق بھی ہو تب بھی اُس میں اُن کی کوئی فضیلت اور تعریف نہیں ہے کیونکہ یہ تو قدریہ کے چھوکرے بھی جانتے تھے۔ لیکن اس وقت کیا ہوگا جب یہ محض جھوٹ اور گھڑنت ہی ہو۔

دوسرا جواب: اس تقسیم کا یہ دیا جاتا ہے کہ یہ تقسیم منحصر نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ سائل کا یا یہ پوچھنا کہ لِلْمَعْصِيَةِ مَنْ (معصیت کس سے ہوتی ہے) مجمل لفظ ہے کیونکہ معصیت اور طاعت عمل اور عرض

ہیں جو (خود قائم نہیں ہوا کرتے) غیر ہی کے ساتھ قائم ہوتے ہیں لہٰذا ان کے لیے کوئی محل ہونا ضروری ہے۔ جس کے ساتھ یہ قائم ہوں اور یہ لامحالہ بندہ ہی کے ساتھ قائم ہوتے ہیں اللہ تبارک و تعالے کے ساتھ کبھی یقیناً قائم نہیں ہوتے ہر مخلوق کی بابت یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ اللہ ہی سے ہے اس معنی پر کہ اُس کو اُسی نے پیدا کیا ہے وہ اس سے جدا ہے نہ اس معنی پر کہ یہ مخلوق اُس کے ساتھ قائم ہے اور وہ اُس کے ساتھ متصف ہے جیسا کہ یہی مطلب اللہ تعالی کے اس قول میں ہے۔ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعاً مِّنْهُ (یعنی آسمان وزمین کی تمام چیزوں کو اللہ نے تمہارے تابع اور ماتحت کر دیا حالانکہ یہ سب اسی سے ہیں) اور فرمایا۔ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ (یعنی تم پر جو نعمت ہے وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے) اور اللہ تعالی اگر چہ ہر شئے کا خالق (اور پیدا کرنے والا) ہے لیکن اسی نے خیر اور شر کو بھی اس لئے پیدا کر دیا ہے کہ اُس کی ان میں بھی ایک حکمت ہے۔ جس سے اُس کا فعل حسن ہو جاتا ہے چنانچہ فرماتا ہے۔ اَلَّذِيْ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ. (یعنی جس نے اچھا کیا ہر شے کی خلق کو اور پیدا کیا اُس نے انسان کو مٹی سے) اور فرمایا۔ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ (یعنی اللہ کا فعل وہ اللہ جس نے یقین دلایا ہر شے کو) اور اسی وجہ سے فقط شر اُس کی طرف منسوب نہیں ہوتا۔ بلکہ یا تو عموم میں داخل ہو کر منسوب ہوتا ہے اور یا کسی سبب کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔ یا اس کا فاعل حذف کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ پہلی مثال اللہ کے اس قول میں ہے۔ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ. (یعنی ہر شے کا خالق اللہ ہی ہے) اور ہر شے میں بُرائی بھی داخل ہے دوسری صورت کی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالے فرماتا ہے۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ. یعنی اے محمد تم کہدو میں رب فلق سے اُس شے کی بُرائی سے پناہ چاہتا ہوں جو اُس نے پیدا کی ہے) تیسری صورت کی مثال اللہ کا یہ قول ہے۔ جس میں جنوں کی حکایت ہے کہ۔ وَاَنَّا لَا نَدْرِيْ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا یعنی اور ہم نہیں جانتے ہیں کہ زمین پر رہنے والوں کے حق میں کوئی بُرائی مقصود ہے یا ان کے رب نے اُنھیں ہدایت دینے کا ارادہ کر لیا ہے اور اللہ تعالے نے القرآن (الحمد) میں فرمایا۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ. اس میں

بھی نعمت کا فاعل مذکور ہے اور غضب کا فاعل محذوف ہے۔ ضلال کی نسبت ان ہی لوگوں کی طرف ہے حضرت ابراہیم نے فرمایا تھا کہ۔ وَاِذَا مَرِضۡتُ فَهُوَ يَشۡفِيۡنِ. یعنی جس وقت میں بیمار ہوتا ہوں تو مجھے اللہ ہی صحت دیتا ہے اسی وجہ سے اللہ کے لیے اسماء الحسنٰی ہیں اُس نے اپنی ذات کے نام اسماء الحسنٰی رکھے ہیں۔ جو خیر کو مقتضی ہیں اور شر فقط مفعولات ہی میں ذکر کی جاتی ہیں چنانچہ اللہ فرماتا ہے اِعۡلَمُوۡا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ. یعنی یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ بہت سخت عذاب دینے والا اور غفور الرحیم ہے۔ اور سورہ انعام کے اخیر میں فرمایا۔ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيۡعُ الۡعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ. اور فرمایا۔ نَبِّئۡ عِبَادِىۡۤ اَنِّىۡۤ اَنَا الۡغَفُوۡرُ الرَّحِيۡمُ وَاَنَّ عَذَابِىۡ هُوَ الۡعَذَابُ الۡاَلِيۡمُ. اور ایسا ہی اُسکا یہ قول ہے۔ حٰمٓ تَنۡزِيۡلُ الۡكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡعَلِيۡمِ. غَافِرِ الذَّنۡۢبِ وَقَابِلِ التَّوۡبِ شَدِيۡدِ الۡعِقَابِ. وجہ اس کی یہ ہے کہ جو امور اُس نے ایسے پیدا کئے ہیں جن میں بعض لوگوں کی نسبت کچھ بُرائی ہے تو اُس کی اُن میں بھی ایک حکمت ہے اسی حکمت کے باعث اُس نے انہیں پیدا کیا ہے وہ حمید مجید ہے اُسی کا سب ملک اور اُسی کی سب حمد ہے پس اُس کی نسبت کوئی بُرائی نہیں ہے اور نہ وہ کسی طرح مذموم ہے لہٰذا اُسکی طرف ایسی شئے منسوب نہ کی جائے گی جو اُس کے مناقض ہو چنانچہ اُس سبحانہ نے امراض اوجاع، بدبوؤں، بدصورتوں اور اجسام خبیثہ جیسے سانپوں اور پلیدیوں وغیرہ کو پیدا کیا ہے کیونکہ ان کے پیدا کرنے میں اُس کی ایک بہت بڑی حکمت ہے پس جس وقت کوئی یہ کہے کہ یہ ناپاکی اور یہ بدبو اللہ سے ہے تو اس سے وہم ہوتا ہے کہ یہ چیزیں اُسی سے نکلی ہیں حالانکہ وہ پاک پروردگار اُن سے منزہ ہے علیٰ ہذا القیاس۔ جب کسی نے یہ کہا کہ یہ برائیاں اللہ سے ہیں یا یہ گناہ اللہ سے ہیں تو اُس سے وہم ہوتا ہے کہ یہ اُس کی ذات سے پیدا ہوئے ہیں جیسا کہ بندہ سے پیدا ہوتے ہیں اور جیسا کہ متکلم سے کلام پیدا ہوتا ہے حالانکہ اللہ تعالے اُن سے بالکل منزہ ہے یا اُس سے یہ وہم ہوگا کہ یہ اس سے برائی اور خطا ہے حالانکہ اللہ اُس سے بھی منزہ ہے بلکہ تفویض اور تعلیل دونوں قول پر اس کا تمام خلق کو پیدا کرنا حسن ہی ہے اور اسی طرح جب کوئی کھانوں، رنگوں اور خوشبوؤں وغیرہ اعراض کی بابت یہ کہے کہ یہ کھانا میٹھا یا کڑوا اللہ ہی سے ہے یا یہ خوشبوئیں یا بدبوئیں اللہ ہی سے ہیں اور جس وقت یہ کہتا ہے کہ یہ اللہ ہی سے ہیں اس سے یہ بھی

وہم ہوتا ہے کہ اللہ نے اُن کا حکم دیا ہے حالانکہ نہ اللہ فحش باتوں کا حکم دیتا ہے اور نہ فساد کو پسند فرماتا ہے اور نہ بندوں سے کفر کرنے پر راضی ہے اور یہی مثال ابن مسعود کے قول کی ہے کہ جب کسی نے ان سے فرائض کا مسئلہ پوچھا تو آپ نے یہ فرمایا اس کا جواب میں اپنی رائے سے دیتا ہوں اگر وہ جواب ٹھیک ہوا تو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر غلطی ہوئی تو غلطی مجھ سے اور شیطان سے ہوگی اللہ اور اُسکا رسول اُس سے بری ہوں گے۔ اسی طرح کلالہ کے بارے میں حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا تھا۔ اور اسی کی مثل حضرت عمر کا بھی قول ہے مراد ان سب کی یہ ہے کہ اللہ نے تو فقط صواب کا امر فرمایا اُسے مشروع اور واجب کیا اور اس سے خود راضی بھی ہے مگر خطا کا نہ اُس نے امر فرمایا نہ اسے پسند فرمایا اور نہ مشروع کیا بلکہ وہ اُن امور میں سے ہے جو شیطان نے ہمارے لئے مزین کر دیے ہیں لہٰذا یہ خطا ہماری اور شیطان ہی کی رہے گی۔

تیسرا جواب: کئی طرح سے ہوسکتا ہے اول تو یہ کہا جائے کہ اعمال، اقوال، طاعت، معاصی کے بندہ سے ہونے کے یہ معنی ہیں کہ یہ اُس کے ساتھ قائم اور اسکی مشیت اور قدرت سے حاصل ہیں اور وہی ان کے ساتھ متصف اور متحرک ہوتا ہے اسی پر اُن کا حکم ہوتا ہے اگر چہ اُسے اختیار نہیں ہوتا جیسا کہتے ہیں کہ یہ ہوا اُس جگہ سے آتی ہے یا یہ کھجور اُس درخت کی ہے اور یہ کھیتی اُس زمین کی ہے پس مناسب یہ ہے کہ جو شے کسی زندہ سے باختیار صادر ہو تو اُسے یہ کہنا کہ یہ اُس سے ہے بطریق اولی جائز ہو اور کسی شئے کے اللہ سے ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اُس نے پیدا کیا ہے حالانکہ یہ غیر کے ساتھ قائم اور اُس کے لیے اُس نے اِس کو عمل اور کسب ٹھہرا دیا ہے اور اُس نے بندہ میں مشیت اور قدرت سے پیدا کر کے اس کے واسطے سے اپنے مشیت اور قدرت سے پیدا کیا ہے۔ جیسا کہ مسببات کو اسباب کے ذریعہ سے پیدا کرتا ہے۔ پس ابر کو ہوا سے پیدا کرتا ہے بارش کو ابر سے سبزی کو بارش سے، تمام حوادث کو اپنے خالق کی طرف اور اعتبار سے نسبت ہوتی ہے اور اپنے اسباب کی طرف اور اعتبار سے پس وہ اللہ کی طرف سے دوسروں میں مخلوق ہیں جیسا کہ مخلوقات کی تمام حرکات اور تمام صفات اللہ ہی سے یعنی اُسی کی پیدا کی ہوئی ہیں اور وہی بندہ کی بھی صفت ہیں جو اُسکے ساتھ قائم ہیں جیسا کہ حرکت اُس متحرک سے ہوتی ہے جو اُس کے ساتھ متصف ہو اگر چہ وہ بے جان ہی ہو اور اس صورت

میں وہ کیونکر نہ متصف ہوگا کہ جس وقت وہ حیوان ہو خلاصہ یہ ہے کہ نسبت میں جہت مختلف ہونے کی وجہ سے اللہ اور بندہ میں بالکل شرکت نہیں ہے مثلاً ہم کہیں کہ یہ لڑکا عورت کا ہے۔ تو یہ کہنا ٹھیک ہے اس معنی پر کہ اُسکے پیٹ سے پیدا ہوا ہے اور اُسے اللہ کا کہنا بھی ٹھیک ہے اس معنی پر کہ اُس نے اُسے پیدا کیا ہے ان دونوں قولوں میں کوئی تناقض نہیں ہے اور جب ہم نے یہ کہا کہ یہ پھل اس درخت کا ہے یا یہ کھیتی اُس زمین کی ہے اس معنی پر کہ اس میں پیدا ہوئی ہے اور اللہ کی ہے اس معنی پر کہ اُس نے اُس کو پیدا کیا ہے تو ان دونوں قولوں میں بھی کوئی تناقض نہیں۔ اسی طرح اللہ تعالے بھی فرماتا ہے کہ۔ اَمْ خَلَقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ. (یعنی آیا یہ کسی اور شے سے پیدا کئے گئے ہیں یا کہ یہ خود ہی خالق ہیں) پس مشہور معنی میں۔ مِنْ غَيْرِ شَئٍ کے مِنْ غَيْرِ رَب ہیں۔ یعنی کیا کسی اور اللہ نے پیدا کر دیا ہے بعض کا قول یہ ہے کہ شئے سے مراد عنصر ہے یعنی کیا اور عنصر سے پیدا کئے گئے ہیں اور اسی طرح حضرت موسیٰ نے فرمایا تھا۔ جس وقت آپ کے ہاتھ سے قبطی مارا گیا کہ۔ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ (یعنی یہ شیطانی کرتوت ہے) اللہ تعالے فرماتا ہے۔ مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ (یعنی جو تمہیں بھلائی پہنچے وہ اللہ کی طرف سے سمجھو اور جو بُرائی پہنچے وہ اپنی طرف سے باوجود یہ کہ اس سے پہلے خود ہی فرمایا ہے کہ۔ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (کہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے اور یہاں حسنات اور سیئات سے مراد نعمتیں اور مصیبتیں ہیں اسی وجہ سے مَا اَصَابَكَ فرمایا۔ اَصَبْتُ نہیں فرمایا جیسا کہ اِس آیت میں۔ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوْا بِهَا اور فرمایا اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ. غرض یہ کہ یہاں یہ بیان کر دیا کہ تمام مصائب اور نعمتیں اللہ ہی کی طرف سے ہیں اور نعمت تو اُسکی طرف سے ابتداء ہی ہے کسی شئے کا معاوضہ نہیں ہوتی اور مصیبت خود انسان کی طرف سے کوئی سبب ہو جانے پر ہوتی ہے جیسا کہ اس آیت میں اللہ فرماتا ہے اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ. (یعنی کیا جب آتی ہے تم پر کوئی مصیبت حالانکہ پہلے جھیل چکے ہو اُس سے دگنی تو کہتے ہو کہ یہ کہاں سے آ گئی (اے محمد) تم کہہ دو کہ یہ تمہاری ہی طرف سے

ہے)اور وجہ اسکی یہ ہے کہ اللہ تعالی محسن اور عادل ہے اُسکی ہر نعمت اُسکا فضل ہے اور اُسکی ہر تکلیف دینی اُس کا انصاف ہے پس وہ محض اپنے فضل اور احسان کے باعث بلا سبب بندہ پر محسن ہے اور سزا فقط گناہ ہی کرنے پر دیتا ہے اگر چہ اُس نے تمام افعال کو اپنی کسی حکمت ہی سے پیدا کیا ہے غرض یہ ہے کہ وہ حکیم اور عادل ہے تمام اشیاء کو ہر ایک کے موقع پر رکھتا ہے۔ **وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا** یعنی تمہارا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ اور جب اللہ کے سوا بندوں میں بھی یہ قاعدہ ہے کہ وہ اپنے غلام کو اُس کے خطا کرنے پر سزا دیتے ہیں اگر چہ اِس کے بھی مقر ہیں کہ بندوں کے افعال کا خالق اللہ ہی ہے اور یہ سزا دینا اُس آقا کا ظلم نہیں شمار کیا جاتا تو بس اللہ سبحانہ تعالے کے سزا دینے کو بدرجہ اولے ظلم نہ شمار کرنا چاہیے۔ علی ہذا القیاس انسان اپنی عقل کے موافق کوئی بھلائی کرتا ہے اور وہ بلا کسی حیوان کو تکلیف دیئے حاصل نہیں ہوتی تو یہ تکلیف دینا اُس کا ظلم نہیں ہوتا پس اللہ تعالی اُس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کا ایسا فعل بھی ظلم شمار نہ ہو۔

جواب کی دوسری صورت: یہ ہے کہ ان افعال کا اللہ سے ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اُس نے اُنہیں دوسروں میں پیدا کیے اور ان کے لیے عمل بنا دیئے اور بندوں سے ہونے کا یہ مقصد ہے کہ وہ اُنہیں اپنے لیے کرتے ہیں یہ اُنکے ساتھ قائم ہوتے ہیں یہ اُن کا کسب ہیں کہ وہ اپنے نفع کے لیے کرتے یا مضرت کی وجہ سے دفع کرتے ہیں اور بندہ کا اس حیثیت سے ہونا کہ یہ فعل اُس کے ساتھ قائم ہوا اور اُس کا خاص حکم خواہ نفع کا ہو یا ضرر کا اسی کی طرف عود کرے اس میں اللہ کے لیے ہونے کی کوئی جہت نہیں ہے اسی طرح اللہ کا اس حیثیت سے ہونا کہ اُس نے اُن کو پیدا کیا اور بندوں میں مشیت اور قدرت پیدا کر کے اُنہیں پیدا کیا اور انُ کے لیے عمل مقرر کر دیا اُس نے اُن کو پیدا کیا اور بندوں میں مشیت اور قدرت پیدا کر کے اُنہیں پیدا کیا اور اُن کے لیے عمل مقرر کر دیا اس میں بھی کوئی جہت بندوں کے لیے بندوں کے لیے ہونے کی نہیں ہے اور نہ اللہ کے سوا کوئی بندہ اس پر قادر ہے اسی واسطے ان لوگوں نے جو تقدیر کے مقر ہیں یہ کہا ہے کہ بندوں کے افعال اللہ کی مخلوق ہیں۔ وہی بندوں کا فعل ہیں اور جس وقت کوئی یہ کہے کہ یہ اللہ کا فعل ہے تو اس سے یہ مراد ہے کہ یہ اللہ کا مفعول ہے نہ یہ کہ وہ فعل ہے جس کا نام مصدر ہے اور یہی لوگ ہیں جو خلق اور مخلوق میں فرق کرتے ہیں یا اکثر

ائمہ ہیں یہی اخیر قول قاضی ابو یعلی اور اکثر اصحاب امام احمد قاضی ابو حازم اور قاضی ابی الحسین وغیرہ کا ہے۔

جواب کی تیسری صورت: یہ ہے اُس قائل کا یہ کہنا اللہ تعالی بڑا عادل ہے اُس کی یہ شان نہیں ہے کہ بندہ پر ظلم کرے اور جو فعل بندہ نے نہیں کیا اُس پر مواخذہ کرے۔ ہم کہتے کہ اِس کے موجب (اور مضاد) کے ہم بھی قائل ہیں کیونکہ اللہ تعالی بے شک بندہ پر ظلم نہیں کرتا اور نہ اُس کے اپنے اختیارات اور قوت سے کسی فعل کے کرنے پر اس کا مواخدہ کرتا ہے اور نہ مخلوق میں سے اور کسی کے فعل کے باعث مواخذہ کرتا ہے لیکن اللہ کا ہر شے کا خالق ہونا سو یہ بندہ کو اس پر ملامت ہونے سے مانع نہیں ہے جیسا کہ اور مخلوق بھی اُس کے ظلم اور سرکشی کرنے پر اُسے ملامت کرتی ہے باوجود یہ کہ ہر ایک اُس کا مقر ہے کہ بندوں کے افعال کا خالق اللہ ہی ہے۔ تمام امتوں کے جمہور تقدیر کے مقر ہیں اور اس بات کے بھی خالق ہر شے کا اللہ ہی ہے وہ باوجود اس اقرار کے ظالموں کو برا کہتے انکا ظلم اور سرکشی دفع کرنے کے لیے انہیں سزا دیتے ہیں جیسا کہ اُن کا یہ اعتقاد ہے۔ کہ تمام موذی جانوروں اور تکلیف دہ نباتات کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔ باوجود کہ اُن کا یہ اعتقاد ہے اس عقیدہ کے کہ وہ ان کے ضرر اور برائی سے بچنے کی برابر کوشش کرتے ہیں اور وہ اس پر بھی متفق ہیں کہ جھوٹا اور ظالم اپنے جھوٹ اور ظلم کی وجہ سے بُرے اور بدنام ہوتے ہیں اور یہ وصف بھی ان میں بُرا ہے اور جو نفس اُسکے ساتھ متصف ہو وہ خبیث اور ظالم ہے وہ اُس اکرام کا مستحق نہیں ہوتا جس کے اہل صدق اور اہل عدل مستحق ہوتے ہیں اگر چہ وہ اس کے بھی مقرر ہیں کہ یہ سب مخلوق ہے اور انسان کی فطرت میں یہ نہیں ہے کہ ظالم کے مقابلہ میں ان کے ظلم کی وجہ سے ہی کرے اور اگر چہ یہ تقدیر کے بھی مقر ہیں تو بس اللہ تعالیٰ اس بات میں اولی تر ہے کہ ایسے افعال کی وجہ سے اُس کی طرف بھی ظلم کی نسبت نہ کی جائے یہ گفتگو اہل سنت میں سے اہل حکمت اور اہل تعلیل کے طریق پر ہے باقی اہل مشیت اور اہل تضویض کے طریقہ پر تو ظلم اللہ تعالے سے لذاتہ ممتنع ہے کیونکہ ظلم کے معنی دوسرے کی ملک میں تصرف کرنے یا حد سے بڑھ جانے کے ہیں اللہ برحق میں ہر حال پر یہ دونوں معنی ممتنع ہیں اللہ تعالی مخلوق کے ساتھ کسی طرح مشابہ نہیں ہے۔ نہ اپنی ذات میں اور نہ صفات میں بلکہ اِسکے لئے اعلی مثل

ہے پس جو کمال کسی کے لیے ثابت ہوگا اللہ سب سے زیادہ اس کا مستحق ہے اور جس نقص سے کوئی منزہ ہوگا تو اللہ اس تنزیہ کا سب سے زیادہ حقدار اور جو کسی قادر غنی کے لیے جائز ہوگا۔ اُس کے لیے بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔

جواب کی چوتھی صورت: یہ کہا جائے کہ مسلمانوں میں اس امر میں نزاع بالکل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ عادل ہے ظالم نہیں ہے لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ جو فعل بندہ کا کرنا ظلم ہو وہی اللہ کا کرنا بھی ظلم ہو اور نہ یہ کہ جو بندہ کے حق میں قبیح ہو وہی اللہ کے حق میں بھی قبیح ہو۔ کیونکہ اللہ کی مثل اور برابر کوئی چیز نہیں ہے نہ اُس کی ذات میں نہ صفات میں اور نہ افعال میں تحقیق اُس کی یہ ہے کہ اگر یہ امر اسی طرح ہو جس طرح یہ قدریہ لوگ کہتے ہیں تو لازم آئے گا کہ اللہ کو بہت سے امور کا کرنا قبیح ہو۔ کیونکہ جس وقت کسی بندہ نے دوسرے کو کوئی ایسا حکم کیا جس میں امر کا کوئی فائدہ نہ تھا اور اُس کے نہ کرنے پر مامور کو سزا سے بھی ڈرایا حالانکہ خود یہ یقیناً جانتا تھا کہ مامور اُس کو نہیں کرے گا اور اُس کے خلاف کرے گا تو یہ فعل اس امر کا عبث ہوا اور اس میں امر اور مامور دونوں کا فائدہ نہ ہونے کے باعث یہ قبیح ہوا اسی طرح اگر کسی نے کہا کہ میرا مقصود مامور کو مصلحت سکھانی ہے حالانکہ خود یہ جانتا ہے کہ اس پر کوئی مصلحت مرتب نہ ہوگی بلکہ اور خرابی لازم آئے گی تو یہ فعل بھی قبیح ہوگا علیٰ ہذا القیاس اگر کسی نے کوئی فعل کسی غرض کے لیے کیا اور یہ جانتا تھا کہ اس سے یہ غرض پوری نہ ہوگی تو یہ فعل بھی اُس کا قبیح ہوگا اور قدریہ اِس کے قائل ہیں کہ اللہ نے کفار کو اسی لیے پیدا کیا تھا تا کہ اُن کو نفع پہنچائے اور ان کا اکرام کرے اور ان کے پیدا کرنے سے بھی اُس کا مقصود یہی تھی اور امر بھی ان کو کیا باوجود یکہ خود جانتا تھا کہ یہ نقصان اُٹھائیں گے انہیں نفع نہیں ہوگا اور اسی طرح اگر کسی بندہ نے اپنے غلاموں یا لونڈیوں کو زنا اور ظلم کرتے دیکھا حالانکہ یہ اُن کو روک سکتا تھا لیکن پھر نہ روکا تو یہ فعل اس کا مذموم اور یہ خود مسی (گنہگار) ہوگا حالانکہ اللہ تعالےٰ اِس مذموم اور مسی ہونے سے منزہ ہے۔ قدریہ کا قول ہے کہ بندوں کو اللہ نے اِس ارادے سے پیدا کیا تھا کہ وہ اُسکی اطاعت کریں گے یہ اُنہیں ثواب عطا کرے گا۔ غرض کہ انہیں اُن کے نفع کی غرض سے پیدا کیا تھا حالانکہ یہ جانتا تھا کہ انہیں کوئی نفع نہ ہوگا اور یہ ظاہر ہے کہ ایسا فعل مخلوق سے ہونا قبیح ہے خالق سے ہونا قبیح نہیں ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ جس وقت

مخلوق اپنے غلاموں کو قبائح سے روکنے پر قادر ہو اور روک دے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ انہیں ثواب کے درپے کرے حالانکہ یہ جانتا ہو کہ انہیں سوائے عقاب کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا جیسا کہ وہ آدمی جو اپنے بیٹے یا غلام کو کوئی ایسی شے دے جس میں کوئی نفع نہ ہوا. حالانکہ یہ جانتا ہو کہ یہ (اُس کے عوض) کوئی شے خرید کر کھالے گا. تو پس اِس کا اسے مال نہ دینا ہی بہتر ہے اس سے کہ اُسے مال دے اور یہ جانتا ہے کہ اُس سے اُسے نقصان ہوگا اور اسی طرح جب کسی نے دوسرے کو تلوار دی تا کہ یہ اس سے کفار کے ساتھ لڑے حالانکہ خود جانتا ہے کہ یہ سوائے انبیاء اور مسلمانوں کے اور کسی سے نہ لڑے گا تو یہ فعل اُس کا قبیح ہوگا اگرچہ وہ کہے کہ میں نے اس تفویض سے ثواب ہی کا قصد کیا تھا اور اللہ سے ایسا فعل قبیح نہیں ہوتا. خلاصہ یہ کہ قدریہ کے نزدیک بندہ کی قدرت کا یہ حال ہے اور پھر وہ اُن کے افعال کو اُس کے مشابہ کرتے اور اللہ کے افعال کو اس کی مخلوق کے افعال پر قیاس کرتے ہیں اور اُس کے عدل کو بندوں کے عدل پر لہذا اُن کا یہ قیاس بالکل غلط ہے.

پانچواں جواب: یہ ہے یہ کہا جائے کہ معصیت بندہ سے ایسی ہی ہے جیسے اُس سے طاعت ہے یہ ظاہر ہے کہ جب اُس سے طاعت ہونے کے یہ معنی ہوں گے اُس نے اپنی قدرت اور مشیت سے اُس کو کیا ہے تو اس سے یہ کہنا ممتنع نہ ہوگا کہ اللہ وہ ذات ہے جس نے اپنی قدرت اور مشیت سے اُسے فاعل کر دیا بلکہ یہی وہ امر ہے جس پر شرع اور عقل دونوں دال ہیں جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل نے دعا کی تھی کہ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ (یعنی اے پروردگار تو ہم دونوں کو مسلمان کر دے اور ہماری اولاد میں سے ایک جماعت مسلمان کر دے) اور فرمایا۔ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ. (یعنی اے رب مجھے اور میری اولاد میں سے نماز کے پابند کر دے اور فرمایا۔ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا. (یعنی اور کیے ہم نے ان میں سے ائمہ کہ ہمارے حکم کی ہدایت کرتے ہیں دوسرے یہ کہ بندہ کے فاعل ہونے کے لیے بعد اس کے کہ کوئی امر ابھی حادث نہ ہوا ہو۔ کوئی محدث ہونا ضروری ہے اور یہ ممتنع ہے کہ فاعل ہونے کے لیے بندہ ہی فاعل ہو جائے کیونکہ اُس کا فاعل ہونا اگر اس کے نفس فاعل ہونے ہی سے ہوگا تو لازم آئے گا کہ ایک شے بلا کسی کے حادث کیے حادث ہو جائے اور یہ ممتنع ہے اور اگر وہ کسی دوسری

فاعلیت کی وجہ سے حادث ہوگا اور یہ فاعلیت اس دوسری کی وجہ سے حادث ہوگی تو دور قبلی لازم آئے گا اور اگر کسی اور فاعلیت سے حادث ہوگی تو امور متناہیہ میں تسلسل لازم آئے گا اور یہ (یعنی دو قبلی اور تسلسل) دونوں باطل ہیں پس معلوم ہوا کہ طاعت اور معصیت بندہ سے ہونے پر اُس کا مدح، ذم، ثواب، عقاب سب کا مستحق ہونا اُس کو منع نہیں کرتا کہ بندہ ہر شے میں اللہ کا محتاج ہو اللہ سے کبھی کسی شے میں مستغنی نہ ہو اور یہ کہ تمام امور کا خالق اللہ ہی ہو اور یہ کہ حوادث اور ممکنات سے اُس کا فعل اللہ کی قدرت اور مشیت کی طرف مستند ہو شیعی علماء کا قول ہے کہ اُن امور میں سے ایک امر یہ ہے یہ لازم آتا ہے کہ کافر اپنے کفر کرنے میں (اللہ کا) مطیع ہو کیونکہ اُس نے تو وہی فعل کیا ہے جس کا اللہ نے ارادہ کیا تھا کیونکہ اس سے اُس نے کفر ہی کا ارادہ کیا تھا۔ لہذا اُس نے کر لیا اور وہ ایمان نہ لایا جو اللہ نے اُس سے مکروہ سمجھا تھا پس اُس نے یقیناً اُس کی اطاعت کی کیونکہ اُس کے مقصود کے موافق فعل کیا اور جو اس کے خلاف طبیعت تھا اُس کو نہ کیا اور یہ بھی لازم آتا ہے کہ نبی عاصی ہو کیونکہ یہ اُس بندہ کو اُس ایمان کی تعلیم کرتے ہیں جسے اللہ نے اُس سے مکروہ سمجھا ہے اور اُس کفر سے روکتے ہیں جو اس بندہ سے اللہ کا مقصود ہے اس کا جواب کئی طرح سے ہے۔

پہلا جواب: تو یہ کہ یہ لزوم اس پر مبنی ہے یعنی اول یہ تشریح ہونی چاہیے کہ آیا طاعت امر کے موافق ہوتی ہے یا ارادہ پر اور یہ مقدمہ اس تشریح پر مبنی ہے کہ آیا امر ارادہ کو مستلزم ہوتا ہے یا نہیں ہوتا اور اس پر بھی کہ آیا نفس طلب اور نفس استدعا ہی ارادہ ہے یا کہ یہ ارادہ کو مستلزم ہوتے ہیں یہ ان دونوں صورتوں میں سے کوئی بھی نہیں ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ اکثر قائلین تقدیر کا یہ قول ہے کہ طاعت امر کے موافق ہوتی ہے اور ارادہ کے موافق نہیں ہوتی اور یہ کہ امر ارادہ کو مستلزم بھی نہیں ہوتا اور کلام اس بارے میں مشہور ہے اور جب یہ مسئلہ اس طرح ہے تو پس اس قدریہ نے اپنے قول کی صحت کی اور اپنے مخالفین کے قول کے فساد کی چونکہ کوئی دلیل بیان نہیں کی بلکہ محض یہ دعوے اِس بناء پر کر دیا کہ طاعت ارادہ کے موافق ہوتی ہے تو جس وقت اُس کے مخالفین یہ کہیں گے کہ ہم اسے تسلیم نہیں کرتے تو اس مقام میں دلیل نہ ہونے کی وجہ سے اس کے جواب کے لئے یہی کافی ہے۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ وہ لوگ اس مقصود پر کہ امر ارادہ کو مستلزم نہیں ہوتا اس طرح استدلال لاتے

ہیں جو پہلے بھی گزر چکا ہے کہ اللہ تعالی بندوں کے افعال کا خالق ہے بے شک وہ ان افعال کو اپنے ارادہ ہی سے پیدا کرتا ہے حالانکہ کفر، فسوق، عصیان کا اُس نے حکم نہیں کیا پس معلوم ہوا کہ وہ اپنے ارادہ سے وہ شئے پیدا کرتا ہے جس کا اُس نے حکم نہیں کیا اور علاوہ ازیں قرآن، حدیث اور علماء کے اجماع سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اگر کسی نے یہ حلف کیا کہ انشاء اللہ تعالی فلانے کا حق میں کل ادا کر دوں گا اور وہ کل گزر گئی اور اُس نے باوجود ادا کرنے کی قدرت ہونے اور کوئی عذر نہ ہونے کے بھی ادا نہ کیا اور اس مستحق نے اس سے مطالبہ کیا تو یہ اپنی حلف (یعنی قسم) میں حانث نہ ہوگا اور اگر (اس قدریہ کے قول کے مطابق) مشیت بمعنی امر ہوتی تو یہ ضرور حانث ہو جاتا کیونکہ یہ اُس کا مامور ہے اور اسی طرح کسی مامور فعل پر قسم کھاتا ہے (جس وقت اُسے (انشاء اللہ کہہ کر) مشیت پر معلق کردے اِس کے علاوہ یہ کہ خود اللہ تعالی یہ فرماتا ہے۔ "وَلَوْشَاءَ رَبُّکَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ کُلُّهُمْ جَمِیْعاً یعنی اگر اللہ چاہتا تو جتنے آدمی زمین پر ہیں سب کے سب ایمان لے آتے باوجود یہ کہ اُس نے ایمان لانے کا یقیناً امر فرمایا ہے بس معلوم ہوا کہ ایمان لانے کا اُس نے امر فرمادیا ہے اور خود چاہا نہیں (اگر چاہتا تو سب یقیناً مسلمان ہو جاتے) اور اسی طرح اللہ تعالی کا یہ فرمانا۔ "وَمَنْ یُّرِدِ اَنْ یُّضِلَّهٗ یَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَیِّقاً حَرَجاً. اس امر پر دلیل ہے کہ خود اُسی نے گمراہی کا ارادہ کرلیا ہے اور حکم گمراہی کا نہیں فرمایا۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ ائمہ فقہا اور اہل حدیث اور اکثر اہل نظر وغیرہ کا یہ قول ہے کہ کتاب اللہ (قرآن شریف) میں ارادہ کی دو قسمیں ہیں ایک ارادہ تو وہ ہے جسے امر سے تعلق ہو اور دوسرا ارادہ وہ ہے جسے خلق سے تعلق ہو۔ پس وہ ارادہ جسے امر سے تعلق ہوتا ہے یہ ہے کہ بندہ کو جو امر کیا ہے اُس کے کرانے کا ارادہ ہو اور ارادہ خلق یہ ہے کہ جو فعل وہ خود کرتا ہے اُس کا ارادہ کرلے۔ پس ارادہ امر ہی محبت اور رضا کو متضمن ہوتا ہے۔ اور یہی ارادہ دینیہ ہے اور وہ ارادہ جو متعلق بخلق ہے وہی مشیت ہے اور وہی ارادہ کونیہ قدریہ ہے پہلے ارادہ کی مثال اللہ تعالی کا یہ قول ہے۔ یُرِیْدُ اللّٰهُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ اور اللہ کا یہ قول یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُبَیِّنَ لَکُمْ وَیَهْدِیَکُمْ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَیَتُوْبَ عَلَیْکُمْ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ. وَاللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْکُمْ وَیُرِیْدُ الَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ

الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلاً عَظِيْماً. يُرِيْدُ اللهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ. (النساء:۲۶۔۲۷) اور اللہ تعالی کا یہ قول۔ "اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا" (الاحزاب:۳۳) اور دوسرے ارادہ کی مثال اللہ کا یہ قول ہے۔ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقاً حَرَجاً. (الانعام:۱۲۵) اور حضرت نوح علیہ اسلام کا یہ قول۔ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ (ہود:۳۴) اور مسلمانوں کا یہ قول بھی اسی قسم کا ہے کہ۔ مَاشَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَاءْ لَمْ يَكُنْ اب جو شخص قبیح افعال کرتا ہو اسے یہ کہنا۔ هٰذَا يَفْعَلُ مَالَا يُرِيْدُهُ اللّٰهُ پہلی قسم ہے اور جب یہ اس طرح ہے تو بس باعتبار پہلے ارادہ کے کفر، فسوق، عصیان اللہ عزوجل کے مراد اور مقصود نہ ہوں گے اور طاعت اُس ارادہ کے موافق ہوگی یا اُس امر کے موافق ہوگی جو اس ارادہ کو مستلزم ہو لیکن محض دوسری قسم کی موافقت کرنا سو اس سے کوئی مطیع نہ ہوگا اور اُس وقت نبی کہیں گے کہ اللہ تعالی کفر کرنے کو بُرا جانتا ہے اِسے پسند نہیں فرماتا اور نہ وہ تیرے کفر کرنے پر راضی ہے اور نہ اس اعتبار سے اس کا ارادہ ہوگا۔ علی ہذا القیاس نبی اس ایمان کے لیے کہیں گے جسے اللہ پسند فرماتا ہے اور اُس سے راضی ہوتا ہے اور اُسی اعتبار سے اُس کا ارادہ بھی کرتا ہے۔

چوتھا جواب: یہ ہے یہ کہا جائے کہ یہ مسئلہ ایک اور اصل پر مبنی ہے وہ اصل یہ ہے کہ آیا جب اور رضا ہی ارادہ ہیں یا کہ وہ ارادہ کے کوئی مغائر صفت ہیں۔ پس معتزلہ اور اشعریہ میں سے اکثر اہل نظر اور فقہا یعنی اصحاب شافعی اور اصحاب احمد وغیرہ میں جو ان کے تابع ہیں یہ سب اس کو ایک ہی جنس ٹھہراتے ہیں پھر قدریہ کا قول یہ ہے کہ کفر فسوق، عصیان کو اللہ تعالے پسند نہیں فرماتا نہ ہو اُس کا ارادہ کرتا ہے اور فرقہ مثبتہ کا قول یہ ہے کہ ٹھیک نہیں بلکہ اللہ تعالے اُس کا ارادہ کرتا ہے اور اُس سے راضی رہتا اور پسند بھی فرماتا ہے اور پہلے فرقہ والے تو اُن آیتوں کی تاویل کرتے ہیں جو حوادث کے ارادہ کو ثابت کرتے ہیں جیسے کہ اللہ تعالی کا یہ قول۔ "وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقاً حَرَجاً. اور اللہ کا یہ قول۔ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ. اور یہ دوسرے فرقہ کے لوگ ان آیتوں کی تاویل کرتے ہیں جو ان حوادث سے اللہ کی محبت اور رضا مندی کی نفی کرتے ہیں۔ مثلاً یہ آیت۔

وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ وَلَا یَرْضٰی لِعِبَادِہِ الْکُفْرَ دوسری یہ آیت۔ اِذْ یُبَیِّتُوْنَ مَالَا یَرْضٰی مِنَ الْقَوْلِ. لیکن ان کے سوا علم کلام فقہ حدیث تصوف کے تمام علماء ان دونوں قسموں میں فرق کرتے ہیں اور یہی قول اُن ائمہ فقہا کا ہے جو اصحاب ابی حنیفہ اور مالک اور شافعی اور احمد وغیرہ سے ہیں اور یہی قول قائلینِ تقدیر کا ہے سوائے اشعری کے جیسا کہ ابوالمعالی جوینی نے ذکر کیا ہے اور تمام نصوص اسکی تصریح کرتے ہیں کہ کفر فسوق وعصیان سے اللہ تعالے راضی نہیں ہے اور نہ وہ اُن کو پسند فرماتا ہے باوجود یہ کہ تمام حوادث اُسی کی مشیت سے ہوتے ہیں اور خود اللہ تعالی نے بھی اپنے قول۔ کُلُّ ذٰلِکَ کَانَ سَیِّئُہٗ عِنْدَ رَبِّکَ مَکْرُوْھاً سے یہ بیان فرمادیا ہے کہ وہ معاصی کو بُرا سمجھتا ہے اور نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو تمہاری تین باتیں ناپسند ہیں اوّل تو زیادہ بولنا، دوسرے زیادہ سوال کرنا. تیسرے فضول خرچی کرنا. اور تمام امت اس پر متفق ہے۔ کہ اللہ تعالی منہیات کو بُرا سمجھتا ہے نہ کہ ماموارت کو اور ماموارت کو پسند فرماتا ہے۔ نہ کہ منہیات کو اور متقین محسنین صابرین سے اور توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں سے وہ محبت رکھتا ہے اور ان لوگوں سے راضی ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور کافروں سے وہ ناراض رہتا ہے اور ان پر غصہ ہوتا ہے اور نبی نے فرمایا ہے کہ اللہ سے زیادہ تعریف اور مدح کو پسند ا کرنے والا اور کوئی نہیں ہے اور نہ اس سے زیادہ کوئی عذر قبول کرنے والا ہے اور نہ اس سے زیادہ کوئی غیرت دار ہے کہ وہ اپنے غلام کو اپنی لونڈی سے زنا کرتے ہوئے دیکھے اور اللہ تعالے یکتا ہے وہ یکتائی کو پسند فرماتا ہے اور اللہ جمیل ہے۔ جمال کو پسند فرماتا ہے اور فرمایا کہ اللہ تعالی اُس کو بھی محبوت رکھتا ہے کہ جیسے اُس کے عزائم امور ادا کئے جاتے ہیں ویسے ہی رخصت بھی ادا کی جائے اللہ اُس بندہ سے محبت رکھتا ہے جو متقی غنی ہو اور ڈھی ہو اللہ تمہارے تین امور سے راضی ہوتا ہے ایک تو یہ کہ تم اُسی کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ دوسرے یہ کہ سب اکھٹے ہو کر اُس کی رسی کو مضبوط پکڑو. تیسرے یہ کہ آپس میں تفرقہ نہ ڈالو اور جن لوگوں کو اللہ نے تمہارا حاکم کر دیا ہے اُن کے خیر خواہ رہو اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مسلمان بندہ کی توبہ سے اُس آدمی سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جس کی کسی بیابان میدان میں سواری جاتی رہے اُسی پر اُس کے کھانے پینے کا سامان تھا اُس نے اُسے ہر چند. تلاش کیا آخر نہ ملنے پر مرجانے کے قصد سے وہیں لیٹ رہا تھوڑی دیر کے بعد آنکھ کھلی تو دیکھا

کہ اُس کی سواری مع تمام سامان اور اسباب کے اُس کے پاس کھڑی ہے پس اُس کو جو اُس وقت سواری کے ملنے پر خوشی ہوگی بندہ کی توبہ پر اللہ کو اِس سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے۔ اور یہ صحاح (کی کتابوں) میں متعدد طریقوں سے مروی ہے اور یہ نبی ﷺ سے مستفیض ہے۔ جس کی صحت اور ثبوت پر سب کا اتفاق ہے اور اسی طرح اِس کی مثل اور حدیثیں ہیں اب جب یہ اس طرح ہے تو ثابت ہوا کہ اللہ تعالے بندوں کی طاعت سے ایسا ارادہ رکھتا ہے جو اُن سے محبت اور اُس کے رضامند ہونے کو متضمن ہوا گرچہ بندہ نے ابھی ان کو کیا بھی نہ ہو اور معصی کو وہ ناپسند فرماتا ہے اور ان پر ناراض ہوتا ہے اور اُن بندوں کو بُرا سمجھا ہے جو ان کو کریں اگرچہ اُس نے اپنی کسی حکمت کے تقاضہ سے اپنی مشیت کے ساتھ اُن کو پیدا کر دیا ہے اور چونکہ یہ بندوں کے حق میں مضر پڑتی ہیں اس لئے ان کے کرنے کو اُس کے بُرا سمجھنے اور مبغوض رکھنے سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ اُس کے لیے اُن کو کسی حکمت کے باعث پیدا کرنے میں بھی کراہیت ہو کیونکہ دو فاعلوں کا حال مختلف ہونے کی وجہ سے ایک ہی فعل ایک فاعل کے لئے حسن اور بہتر ہوتا ہے اور وہ ہی دوسرے کے لیے قبیح ہو جاتا ہے۔ لہٰذا یہ کیونکر لازم آ سکتا کہ جو بندہ کے حق میں قبیح ہو وہی اللہ کے لئے بھی قبیح ہو باوجود یہ کہ مخلوق کو خالق کے ساتھ کوئی نسبت نہیں ہے اور جب مخلوق میں بھی یہ حالت ہے کہ آدمی ایسی شئے کا ارادہ کرتا ہے جو اُسے محبوب نہیں ہوتی چنانچہ مریض کا ارادہ اُس دوا کے پینے میں جو اُسے بُری معلوم ہوتی ہو۔ علیٰ ہذا القیاس محبوب ہونا اس شئے کا جس کا وہ ارادہ نہ کرتا ہو مثلاً مریض اُس کھانے سے الفت رکھتا ہے جو اُسے مضر ہو اسی طرح روزہ داران کھانے پینے کی چیزوں سے محبت رکھتا ہے۔ جن کے کھانے کا اُس کا ارادہ نہ ہو اور وہ انسان کو اُن خواہشات کی محبت ہوتی ہے جنہیں وہ عقل اور دین دونوں کے اعتبار سے بُرا سمجھتا ہے غرضیکہ یہاں ایک کا ثبوت معلوم ہوا اور دوسرے کا نہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک دوسرے کو مستلزم نہیں ہے پس حق باری تعالے میں کیونکر ممکن نہ ہوگا کہ ان میں سے ایک کا ثبوت ہوا اور دوسرے کا نہ ہو پھر بعض کا یہ بھی قول ہے کہ یہ سب امور مراد ہوتے ہیں لیکن (مراد کی دو قسمیں ہیں کہ) ان میں بعض تو مراد لنفسہ ہوتے ہیں چنانچہ وہی مراد بالذات اللہ کے محبوب پسندیدہ ہوتے ہیں اور بعض بغیرہ مراد ہوتے ہیں اور وہ مراد بالغرض ہیں کیونکہ وہ اس مراد محبوب لذاتہ کے حاصل ہونے کے لئے وسیلہ

اور باعث ہوتے ہیں پس انسان اپنی عافیت چاہتا ہے اور وہ دوا اس ارادہ سے پیتا ہے تا کہ یہ دوا پینا اُس عافیت کے حصول کا وسیلہ بن جائے پس یہ ارادہ اُس عافیت ہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اگر چہ یہ فی نفسہ محبوب نہیں ہوتا اور جب مراد کی دو قسمیں ہیں ایک مراد لنفسہ کہ جو محبوب لذاتہ ہوتی ہے اور دوسری مراد لغیرہ جو غیر کے لئے وسیلہ بنتی ہے اور یہ محبوب لنفسہ نہیں ہوتی تو ممکن ہے کہ اسی اعتبار سے محبت اور مشیت میں بھی فرق کیا جائے۔ اسی طرح ارادہ کی بھی دو قسمیں ہیں پس جو شے محبوب ہوتی ہے وہ مراد نفسہ ہوتی ہے اور جو فی نفسہ غیر محبوب ہوتی ہے وہ مراد لغیرہ ہوتی ہے اسی پر اللہ عزوجل کی اپنی ذات اور اپنے بندوں سے محبت رکھنے کا مسئلہ بھی مبنی ہے کیونکہ جو لوگ محبت اور رضا ہی کو عامہ مشیت ٹھہراتے ہیں وہ اس بات کے قائل ہیں کہ در حقیقت نہ اللہ کسی سے محبت رکھتا ہے اور نہ کوئی اللہ سے محبت رکھتا ہے اور اللہ کے بندوں سے محبت رکھنے کی وہ یہ تاویل کرتے ہیں کہ وہ انہیں ثواب دینے کا ارادہ کرتا ہے اور بندوں کا اللہ سے محبت رکھنا یہ ہے کہ یہ اس کی طاعت اور فرمابرداری اور اُس سے تقرب حاصل کرنے کا ارادہ کرتے ہیں پھر ان ہی میں سے بہت سے لوگوں کا قول یہ ہے کہ وہ محبوب سے محبت رکھنے کا مستحق ہے۔ لیکن اس کا دوسروں سے محبت رکھنا بے معنی ہے۔ باقی سلف اور ائمہ حدیث ائمہ تصوف اور اکثر اہل کلام اِس امر کے مقر ہیں کہ وہ بے شک محبوب لذاتہ ہے بلکہ سوائے اس کے محبوب لذاتہ بننے کا اور کوئی مستحق نہیں ہے اور یہی حقیقت الوہیت اور حقیقت ابراہیمی ہے اور جو کوئی اس کا مقر نہیں وہ ربوبیت اور الٰہیت میں فرق نہیں کرتا اور نہ (گویا) اُس نے اللہ کو معبود لذاتہ سمجھا اور نہ وہ اُس کے دیدار کے ذائقہ کا مقر ہوا اور نہ وہ اس امر کا مقر ہوا کہ اہل جنت کو تمام شے سے محبوب اور مرغوب اللہ ہی ہوگا اور حقیقت میں یہ قول اُن لوگوں کے اقوال میں سے ہے جو ملت ابراہیم سے خارج اور اُس کے منکر ہیں کہ اللہ ہی ہوگا اور حقیقت میں یہ قول اُن لوگوں کے اقوال میں سے ہے جو ملت ابراہیم سے خارج اور اُسکے منکر ہیں کہ اللہ ہی معبود ہو اور کوئی معبود نہ ہو اور اسی وجہ سے جس وقت شروع اسلام میں اس قول کا ظہور ہوا تو جس نے ظاہر کیا اور کہا تھا اُسے فوراً قتل کر دیا گیا اور وہ جعد بن درہم تھا۔ جسے خالد بن عبدالقسری نے تمام علماء اسلام کی رضامندی سے بقر عید کے روز قتل کر دیا تھا اور (پکار کر) منبر پر یہ کہا تھا کہ اے لوگو قربانی کرو اللہ تمہاری قربانیوں کو قبول فرمائے گا۔ اور میں جعد

بن درہم کی قربانی کرتا ہوں کیونکہ وہ یہ کہتا ہے اللہ تعالی نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل نہیں بنایا تھا اور موسےٰ علیہ السلام سے اللہ نے کچھ ہم کلامی نہیں کی حالانکہ اللہ تعالے اس جعد کے کہنے سے علواً کبیرا ہے۔ پھر نیچے اُتر کر آپ نے اُسے ذبح کر دیا صحیح بخاری میں آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے آپ نے فرمایا کہ جس وقت اہل بہشت بہشتوں میں پہنچ جائیں گے تو ایک منادی آواز دے گا کہ اے اہل بہشت اللہ نے تم سے ایک وعدہ کر رکھا تھا اور اُس وعدہ کو وہ اب پورا کرنا چاہتا ہے وہ (تعجب سے) کہیں گے وہ کیا وعدہ ہے کیا اُس نے (ہم پر انعام کر کے) ہمارے چہرے نہیں چمکا دیئے اور ہمارے اعمال کو وزنی نہیں کر دیا اور کیا ہمیں بہشت میں نہیں داخل کیا اور کیا اُس نے ہمیں دوزخ سے نجات نہیں دے دی حضور انور نے فرمایا کہ پھر حجاب اٹھ جائے گا اور یہ سب لوگ اللہ کو خوب دیکھ لیں گے اور اللہ کی عطا کی ہوئی چیزوں میں اس دیدار سے زیادہ اُنہیں کوئی شے محبوب نہ ہوگی اور اس دیدار ہی ہونے کا نام زیادتی ہے پھر سنن میں کئی طریقوں سے نبی ﷺ سے مروی ہے کہ آپ اپنی دعا میں یہ فرماتے تھے۔ **وَاسئالک لذه النظر الی وجهک والشوق الی لقائک.** امام احمد اور نسائی وغیرہ نے عمار بن یاسر سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ اپنی دعا میں یہ فرمایا کرتے تھے۔ **اسئالک الذه النظر الی وجهک والشوق الی لقائک من غیر ضراء مضرة ولا فتنه مضلة.** لیکن جو لوگ اس کو مانتے ہیں کہ وہ بے شک محبوب ہے اور غیر سے اُس کے محبت رکھنے کے معنی اُس کی مشیت کے ہیں تو انکا یہ گمان ہے کہ اللہ تعالی نے اپنی پسندیدہ ہی اشیاء پیدا کی ہیں یعنی اُس کی تمام مخلوق اُس کو محبوب ہے اور یہ لوگ مذہب اباحت کو اختیار کرتے اور یہ کہتے ہیں کہ کفر، فسوق عصیان بھی اللہ کو محبوب ہے اور وہ اُس سے راضی ہے مگر عارف جس وقت اس مقام کا مشاہدہ کرے گا تو اُسے اللہ کی قیومت عامہ کا مشاہدہ ہو جانے کے باعث نہ ہو کسی حسنہ کو حسن سمجھے گا اور نہ کسی سیئہ کو قبیح جانے گا۔ کیونکہ ان سب کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے اور شیوخ صوفیہ میں سے شیوخ کا ایک فرقہ بھی اس کا قائل ہوا ہے حالانکہ یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ کیونکہ قرآن اور حدیث اور تمام سلف امت یہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالی اپنے انبیاء اور اولیاء سے محبت رکھتا ہے اور جو اُس نے حکم کیا اُس سے بھی محبت رکھتا ہے اور شیاطین اور نہی عنہ سے محبت نہیں رکھتا اگرچہ یہ سب کے سب اُس مشیت ہی سے ہوتے

ہیں اور اسی مسئلہ کے اندر جنید بن محمد اور اُن کے شاگردوں میں نزاع ہوا تھا جنید اُنہیں اِس دوسرے مذہب کی دعوت دیتے تھے وہ یہ ہے کہ مخلوقات میں فرق کرنا چاہیے ایک وہ کہ جو اللہ کو محبوب ہیں اور دوسری وہ کہ جو اللہ کو محبوب نہیں اور چونکہ اُن کے شاگردوں کا یہ خیال تھا کہ اللہ کی تمام مخلوق اُس کی مشیت ہی سے پیدا ہوئی ہے تو اُنہیں یہ فرق ماننا مشکل پڑ گیا اور اُن کی سمجھ میں یہ نہ آیا کہ جو مخلوق اللہ کی مشیت سے ہو اس میں کبھی ایسی اشیاء بھی ہوتی ہیں جو اُسے پسند نہیں ہوتیں اور نہ وہ (اُن کے کرنے) سے راضی ہوتا ہے اور قول بھی یہی ٹھیک تھا جو جنید اور اُن کے موافقین کہتے تھے۔

پانچواں جواب: یہ ہے کہ کہا جائے کہ ارادہ کی دو قسمیں ہیں. ایک ارادہ بمعنی مشیت ہوتا اور وہ یہ ہے کہ خود فاعل ایک فعل کے کرنے کا ارادہ کرلے دوسری قسم یہ ہے پس یہ ارادہ اس کے فعل کے متعلق ہوگا یہ ارادہ غیر کے فعل کے لئے ہے اور یہ دونوں قسمیں آدمیوں میں کی جاتی ہیں لیکن جن لوگوں کا قول یہ ہے کہ خود امر ہی ارادہ کو متضمن ہوتا تو اُن کے نزدیک ارادہ کی فقط پہلی ہی قسم ہے اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ افعال عباد کو اللہ نے پیدا نہیں کیا تو ان کے نزدیک ارادہ کی فقط دوسری ہی قسم ہے اسی وجہ سے ان قدریہ لوگوں کے نزدیک یہ ممتنع ہے ارادہ کے پہلے معنی پر اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال پیدا کرنے کا ارادہ کرے کیوں کہ ان کے نزدیک اللہ ان کو پیدا نہیں کرتا اور وہ لوگ جو اس کے قائل ہیں ان کے نزدیک اللہ سے اور ارادہ ممتنع ہے سوائے اس کے کہ وہ پیدا کرنے کا ارادہ کرے اور جس کے پیدا کرنے کا اُس نے ارادہ نہیں کیا تو اُس کے ارادہ کے ساتھ اُسے متصف اور موصوف بھی نہیں کہہ سکتے. بس ان کے نزدیک اُس نے اپنی تمام مخلوق کو ارادہ ہی سے پیدا کیا ہے اور جو پیدا نہیں کیا اس کا ارادہ بھی نہیں کیا. اور یہ لوگ اگرچہ اقرب الی الحق ہیں. لیکن تحقیقی امر دونوں ارادوں کو ثابت ماننا ہے جیسا کہ ان سلف اور ائمہ نے مانا ہے. اسی واسطے جعفر نے کہا ہے کہ اُس نے ان کے پیدا کرنے کا بھی ارادہ کیا اور پھر اُن سے یہی ارادہ کیا. مثلاً بعض آدمی دوسرے کو نصیحت کرنے اور اُس کا نفع ظاہر کرنے کے لیے حکم بھی کرتا ہے اور منع بھی کرتا ہے اگرچہ باوجود اس کے کہ فعل کے کرنے پر اس کی اعانت کرنے کا ارادہ نہ کرتا ہو کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ جب کسی کو کوئی امر اور نصیحت کرنے میں مصلحت ہو تو اُس کی اعانت کرنے میں بھی مصلحت ہو. بلکہ کبھی اُس کی مصلحت اُس کے خلاف ارادہ کرنے میں

ہوتی ہے مثلاً وہ آدمی جو کسی عورت سے منگنی کرنے کے بارے میں دوسرے سے مشورہ لے تو وہ اُسے نکاح کرنے کو کہہ دے کیونکہ مامور کی مصحلت یہی ہے ورنہ یہ سمجھے گا کہ اُس کے نزدیک مصلحت خود اپنا نکاح کرنے میں ہے اور کسی کا نہیں اور جب مخلوق کے حق میں فرق ہونا ممکن ہو گیا تو حق اللہ میں اُسکا ممکن ہونا اولیٰ ہے پس اُس پاک پروردگار نے اپنے پیغمبروں کی زبانی لوگوں کو اُن چیزوں کا حکم فرمایا جو اُن کے حق میں مفید ہیں اور اُن سے منع کیا جو مضر ہیں. لیکن ان میں بعض آدمی ایسے ہیں کہ اُنہوں نے اُس فعل کا پیدا ہونا چاہا اس لیے اُس ذات باری نے اُس کے پیدا کرنے کا ارادہ کر کے اُس کو اُس کے لیے فاعل مقرر کر دیا اور بعض وہ تھے کہ انہوں نے اُس کے پیدا کرانے کا ارادہ نہیں کیا. خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے لیے مخلوقات میں سے بندوں وغیرہ کے افعال پیدا کرانے کی اور وجہ ہے خواہ بندہ کے لئے اس میں کوئی مصلحت ہو اور یا نقصان ہو علی ہذا القیاس جب اُس سبحانہ تعالے نے فرعون اور ابو لہب کو ایمان لانے کا حکم دیا تو اُس وقت انہیں یہ بات ظاہر ہو چکی تھی کہ اُن کے ایمان لانے میں ان کا نفع اور بہترائی ہے. اور اللہ پر یہ لازم نہیں تھا کہ جب اُس نے اُن کو حکم کیا تو وہ اُن کی اعانت بھی کرتا بلکہ کبھی اس امر کو اُن کے لیے پیدا کرنے پر اس پر ان کا اعانت کرنے میں اس حیثیت سے خرابی بھی آ جاتی ہے کہ یہ اُس کا فعل ہے. کیونکہ وہ جو کچھ پیدا کرتا ہے کسی حکمت ہی سے پیدا کرتا ہے اور یہ لازم نہیں کہ جب مامور یہ فعل مامور کے کر لینے کے بعد اُس کے حق میں بہتر ہو تو وہ امر کے حق میں بھی اُس کے کر لینے کے بعد بہتر ہو پس جہت خلق کو جہت امر سے کس طرح نسبت ہو سکتی ہے اور یہ قدریہ ایسے شخص کے حق میں ایک مثال بیان کرتے ہیں جو غیر کو کسی امر کے کرنے کا حکم کرے کہتے ہیں پس ضرور ہے کہ مامور کو ایسا حکم کرے کہ وہ اُس کے کرنے میں اقرب ہو. مثلاً آدمی کے لئے بولنا اور اُٹھنا بیٹھنا وغیرہ اب اُن سے یہ کہا جائے گا کہ اس امر کی دو قسمیں ہیں ایک تو یہ کہ آمر کسی کو ایسا امر کرے جس کا فائدہ خود آمر ہی کو ہو مثلاً بادشاہ کا اپنے لشکر کو ایسا حکم کرنا جو اُس کی سلطنت کا مؤید ہو اور آقا کا اپنے غلام کو ایسا حکم کرنا جو اُس کے حق میں مفید ہو او آدمی کا اپنے شریک کو ایسا حکم کرنا جو دونوں کی مشترک شئے کے لیے بہتر ہو اور اسی طرح دوسری قسم یہ ہے کہ آمر مامور کی اعانت کو اُس کے لیے مصلحت خیال کرے جیسا کہ امر بالمعروف کہ جس وقت کوئی مامور کی تقوی اور بھلائی پر اعانت کرے. کیونکہ یہ

معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ تعالےٰ اُس کو ثواب کرتا ہے جو کسی کی طاعت پر اعانت کرے اور اللہ تعالیٰ اُس بندہ کی اعانت میں رہتا ہے جو بندہ اپنے بھائی (مسلمان) کی اعانت میں رہے پس جس وقت امر ایسا ہو کہ مامور کو اُسی کی مصلحت اور بہترائی کے لیے حکم کرے نہ ایسا کہ اُس کرنے سے اُس کو نفع ہو جیسا کہ ناصح مستشیر کیلئے تو یہاں آمر کا اعانت کرنا مامور کے حق میں مصلحت نہ ہوگا کیونکہ مامور کی مصلحت حاصل ہونے میں آمر کا نقصان ہے مثلاً کوئی شخص مظلوم کو ظالم کے پاس سے بھاگ جانے کا امر کرے تو ظاہر ہے کہ اگر یہ اس کی اعانت کر کے وہیں ٹھیرائے رکھے گا تو اُس میں دونوں کو یا ایک کو ضرور نقصان پہنچے گا۔ اِس کی مثال قرآن شریف میں حضرت موسیٰ کے قصہ میں ہے کہ ایک آدمی شہر کی طرف دوڑ آیا اور اُس نے موسیٰ سے کہا کہ لوگ تمہارے مارنے کے درپے ہیں لہٰذا تم یہاں سے چلے جاؤ اور میں یقیناً تمہارے خیرخواہوں میں سے ہوں۔ پس یہاں اس میں مصلحت تھی کہ اُس نے موسیٰ علیہ السلام کو وہاں سے چلے جانے کا حکم کیا نہ یہ کہ وہ اُن کی اعانت کرتا کیونکہ اگر وہ اُن کی اعانت کرتا تو اُن کی قوم ضرور اُسے تکلیف پہنچاتی اور ایسی مثالیں بہت سی ہیں مثلاً وہ شخص کہ دوسرے کو کسی عورت سے نکاح کرنے کا حکم کرے جس سے یہ نکاح کرنا چاہتا تھا یا کوئی مال خریدنے کو کہے جو یہ خریدنا چاہتا تھا یا کوئی مکان کرایہ پر لینے کو کہے جو یہ لینا چاہتا تھا اور ایسی صورتیں جن سے لوگوں کو نفع ہو حالانکہ لوگ اس آمر کے دشمن ہوں وہ اُس کی مصلحتوں وغیرہ سے بچتے ہوں تو یہ مثال بھی اسی قسم کے امور کی ہے کہ یہ آمر مامور کی اعانت نہیں کر سکتا اگرچہ امر کرنے میں اُس کا خیرخواہ اور اُس کے نفع کے درپے ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ مامور کو کسی فعل کا حکم کرنا تاکہ یہ فعل اسی کے حق میں بہتری اور مصلحت اور شے ہے اور آمر کا امر کے اس فعل پر اس کی اعانت کرنا اور شے ہے اگرچہ آمر اہل اعانت ہی سے ہو پس جس وقت کوئی یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو ایسی شے کا امر فرمایا ہے جس میں اُن کے لیے بہتری ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس پر وہ اُن کی اعانت بھی ضرور کرے خاص کر قدریہ کے نزدیک کہ اُن کے مذہب میں اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہی نہیں ہے کہ ایسے فعل پر کسی کی اعانت کرے جس کی وجہ سے وہ فاعل ہو جائے کیونکہ اگر اس کے افعال کی علت حکمت نہ کہی جائے گی تو پھر وہ جو چاہے کرے گا یہ بھی تمیز نہ ہو گی کہ کونسا مقصود ہے اور کونسا مقصود نہیں اور اس بناء پر یہ بھی ممتنع ہوگا کہ اُس کے فعل کی کوئی

لم اور اصل ہو چہ جائے کہ وہاں کوئی فرق نکالا جائے اور اگر اُس کے افعال کی علت حکمت ٹھیرائی جائے اور یہ کہا جائے کہ درحقیقت افعال کی لم بھی ثابت ہے اگر چہ ہم اُس کو نہیں جان سکتے تو درحقیقت اُس کے امر میں بھی حکمت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ مامور کی اعانت کرنے میں اُس کی کوئی حکمت ہو بلکہ کبھی حکمت اس امر کی مقتضی ہوتی ہے کہ وہ اس امر پر مامور کی اعانت نہ کرے پس جب مخلوق میں ایسی مصلحت اور حکمت کا ہونا ممکن ہے کہ کوئی دوسرے کو ایسا حکم کرے جس میں مامور کی مصلحت ہو اور آمر کے لیے مصلحت اور حکمت یہ ہو کہ وہ مامور کی اعانت نہ کرے تو پروردگار کے حق میں بدرجہا اولے ممکن ہوگا۔ پس اللہ تعالی نے کفار کو ایسا حکم فرمایا کہ اگر وہ اُسے کر لیتے تو اُن کے حق میں مصلحت اور بہتری ہوتی اور خود اُس میں ان کی اعانت نہ فرمائی اور نہ اُس اعانت کو پیدا کیا جیسا کہ اُس نے اسکے سوا اور بھی بہت سے وہ امور پیدا نہیں کئے جن کا نہ پیدا کرنا ہی اس کی حکمت اور مصلحت کے مقتضیات سے تھا اور اسی طرح جب مخلوق میں بادشاہ یہ سمجھتا ہے کہ اپنی بعض رعیت کے لیے بہتر یہ ہے کہ اُنہیں تیراندازی وغیرہ سکھلائی جائے تا کہ اُس کے ذریعہ سے کوئی ملک لیا جائے اور کوئی یہ خیال کرتا ہے کہ میرے بیٹے کے حق میں بہتری یہ ہے کہ وہ فلاں بادشاہ قوی نہ ہوتا کہ وہ اس سے ملک اور سلطنت چھین لے تو یہ بادشاہ وہی حکم کرتا ہے جس میں اس کی مصلحت ہو اور وہی فعل کرتا ہے جس میں اُس کے بیٹے اور رعیت کی بہتری ہو حالانکہ مصلحتیں اور خرابیاں نفوس کے بُرا بھلا سمجھنے کے اعتبار سے ہوتی ہیں پس بھلائی مامور کے لیے وہ ہو جس کے بارے میں اُس کا خیر خواہ اُسے حکم کرے اور آمر کے لئے بہتری یہ ہے کہ اُس سے اُس کی مراد حاصل نہ ہو کیونکہ اس میں آمر کی مصلحتیں اور مرادیں فوت ہوتی ہیں یہ بحث نہایت ہی عمدہ ہے لیکن اس کی تحقیق اُسی کو ہوتی ہے جو اللہ کی مخلوق اور اُس کے امر میں اس کی حکمت کی وجہ سے اور سبب سے واقف ہو اور اس کا یقین رکھتا ہو کہ اللہ پاک بعض امور سے محبت رکھنے اور خوش ہونے کے ساتھ متصف ہے اور بعض سے نہیں (بلکہ اُن سے ناراض ہوتا ہے) اور یہ علم اُسی وقت ہو سکتا ہے کہ (اپنے ذہن میں سے) اُس کی ضد کو دفع کرے اور اُس کا لازم موجود کرے۔ کیونکہ اجتماع ضدین ممتنع ہے اور ملزوم کا وجود بدون لازم کے بھی ممتنع ہے۔ اسی واسطے اللہ تعالے اپنے ہر حال پر محمود ہے دنیا اور آخرت دونوں میں ملک اور حمد اُسی کے لیے ہے

وہی سب کا حاکم ہے اُسی کی طرف سب کو جانا اور وہ امثلہ جو مخلوق ذکر کی جاتی ہیں اگر چہ حق رب میں اُن کی نظیر ذکر کرنی ممکن (اور مناسب) نہیں ہے۔ لیکن مقصود یہاں یہ ہے کہ جب مخلوق کے حق میں یہ ممکن ہے کہ کوئی حکیم کسی کو ایک امر فرما دے اور خود اُس پر مامور کی اعانت نہ فرمائے تو خالق اپنے حق میں باوجود اپنی حکمت کے اس امکان کا زیادہ مستحق ہے باقی اللہ کی خلق اور اُس کے امر میں اُس کی حکمت کی تفصیل کے واقف ہونے سے تمام مخلوق کی عقلیں عاجز ہیں۔ اور قدریہ تعلیل میں (یعنی اللہ کے افعالکی علت بیان کرنے میں) بالکل باطل طریقہ پر ہیں یہ لوگ اس میں اللہ کو مخلوق کے برابر کر دیتے ہیں اور کوئی حکمت ایسی نہیں مانتے جو اُس کی طرف راجع ہو بلکہ اُس کی صفات کمال میں سے اُس کی قدرت، حکمت، محبت وغیرہ کو بھی سلب کرتے ہیں۔ پھر اُن کے مخالفین جہمیہ مجبرہ نے نفس الامر میں تعلیل کو باطل کر کے اُن کا مقابلہ کیا ہے جیسا کہ حسن وقبح کے مسئلہ میں بھی اُن کا اختلاف ہے پس ان لوگوں نے تعلیل کو ایسے طریقہ سے ثابت کیا تھا۔ کہ اللہ میں اور اس کی مخلوق میں برابری کر دی تھی اور حسن وقبح کو اس طرح ثابت کیا کہ نہ وہ محبوب کو متضمن ہیں اور نہ مکروہ کو اور اُس کی کوئی حقیقت نہیں ہے جیسا کہ اُنہوں نے تعلیل کو ایسا ثابت کیا کہ فاعل کی طرف کوئی حکم عائد نہیں ہوتا اور اُن کے مخالفین نے تمام افعال کو برابر کر دیا نہ اللہ کے لیے کوئی فعل محبوب رکھا اور نہ مکروہ اور اُن لوگوں کا یہ گمان ہے کہ اگر حسن فعل کے لئے صفت ذاتیہ ہوتی تو فعل کا حال مختلف نہ ہوتا مگر یہ ان کی بہت بڑی غلطی ہے کیونکہ موصوف کی صفت ذاتیہ سے کبھی اُسکا لازم بھی مراد لے لیا جاتا ہے منطقی لوگ لازم کی دو قسمیں کرتے ہیں ایک ذاتی دوسری عرضی اگر چہ اُن کا یہ تقسیم کرنا بھی خطا ہے اور کبھی صفت ذاتیہ سے مراد وہ صفت ہوتی ہے جو موصوف کے ساتھ ثابت اور قائم ہوتا کہ اُس سے امور نسبیہ اضافیہ سے احتراز ہو جائے اسی وجہ سے اُن لوگوں کو احکام شرعیہ میں اضطراب ہوا ہے اور جو لوگ عقلی حسن وقبح کے منکر ہیں ان کا قول یہ ہے کہ نہ یہ افعال کے لیے صفت ثبوتیہ ہوتے ہیں اور نہ صفت ثبوتیہ کو مستلزم ہوتے ہیں بلکہ یہ صفات نسبیہ اضافیہ میں سے ہیں پس حسن وہی ہے جس کی بابت **افعله یا لا باس بفعله** کہا جائے علیٰ ہذا القیاس قبیح وہ ہے جس کی بابت **لاتفعله** وارد ہو وہ کہتے ہیں کہ قول کے متعلق کے لئے کسی کا قول صفت ثبوتیہ کا نہیں ہے جو انہوں نے اپنے مخالفین کی طرف سے ذکر کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ احکام

افعال کے لیے صفات ازانیہ ہیں اور اُنہوں نے فعل کے احکام تبدیل ہونے کے جواز سے اُن پر نقض کیا ہے باوجود یہ کہ جنس ایک ہی ہے تحقیق اس امر کی یہ ہے کہ احکام افعال کے لیے صفات لازمہ سے نہیں ہیں بلکہ یہ باعتبار ان کی مناسبت اور نا مناسبت کے انہیں عارض ہوتے ہیں پس کسی شے میں حسن اور قبح ہونے کے یہ معنی ہیں کہ محبوب اور مکروہ مفید اور مضر مناسب اور نا مناسب ہوتی ہے اور یہ صفت موصوف کے لیے ثبوتیہ ہے لیکن موصوف کے احوال مختلف ہونے کے باعث اس کی بھی کئی قسمیں ہو جاتی ہیں لہذا یہ صفت لازمہ نہیں ہے اور جس نے یہ کہا ہے کہ خود افعال میں ایسی صفات نہیں ہیں جو حسن اور قبح کو مقتضی ہوں تو اس کا یہ قول بمنزلہ اس کے ہے کہ اجسام میں ایسی صفات نہیں ہیں جو تسخین ،، تمرید، اشباع اور ارواء کی مقتضی ہوں پس اُن صفات اعیان کا انکار کرنا جو آثار کی مقتضی ہوں ان صفات افعال کے انکار کرنے کی طرح ہو جو وہاں آثار کو مقتضی ہوتی ہیں باقی تمام مسلمان جو طبائع اعیان اور اُنکی صفات کو ثابت مانتے ہیں وہ سب اس کے قائل ہیں. کہ تمام افعال میں باعتبار اُن کے مناسب اور نا مناسب ہونے کے حسن اور قبح ضروری ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے. يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ (الاعراف ۱۵۷) (یعنی اللہ تعالیٰ اُنھیں معروف (اور نیک بات) کا حکم کرتا ہے اور منکر سے منع کرتا ہے اور پاک چیزوں کو حلال کرتا ہے اور ناپاک کو حرام فرماتا ہے) پس اس آیت سے معلوم ہو کہ فعل فی نفسہ معروف اور منکر ہے. علی ہذا القیاس کھانے کی چیزوں میں طیب اور خبیث ہوتی ہیں اور اگر سوائے تعلق امر نہی کے اعیان اور افعال کیلئے کوئی صفت نہ ہوتی تو اس آیت کے یہ معنی ہوتے کہ يَأْمُرُهُمْ بِمَا يَأْمُرُهُمْ وَيَنْهَاهُمْ عَمَّا يَنْهَاهُمْ وَيُحِلُّ لَهُمْ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمْ , حالانکہ اللہ تعالیٰ ایسے کلام کرنے سے منزہ اور پاک ہے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا اور فرمایا. إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ اور اس کی نظیریں بہت سی ہیں ۔ امامی رافضی کا قول ہے کہ ان امور مذکورہ میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف بیوقوفی کی نسبت ہونی لازم آتی ہے کیونکہ وہ کافر کو ایمان لانے کا حکم کرتا ہے اور خود اس کے ایمان لانے کو نہیں چاہتا علی ہذا القیاس معصیت سے اُسے منع فرماتا ہے اور خود ہی اُس سے کراتا ہے ہر عاقل ایسے شخص کو

بے وقوف کہا کرتا ہے جو ایسا امر کرے جس کا خود، ارادہ نہ رکھتا ہو یا ایسی شے سے منع کرے جو اپنے کو منظور نہ ہو تعالی عن ذلک

جواب: اس کا یہ ہے سنئے۔ پہلے یہ گزر چکا ہے کہ اہل سنت میں سے تمام محققین اس کے قائل ہیں کہ ارادہ کی دو قسمیں ہیں۔ ارادۃ الخلق۔ ارادۃ الامر۔ پس اردۃ الامر تو یہ ہے کہ مامور سے فعل مامور بہ کے کرانے کا ارادہ ہوا، اور، اردہ الخلق یہ ہے کہ خود آمر افعال عباد وغیرہ کے پیدا کرنے کا ارادہ کرلے امر پہلے ارادہ کو مستلزم ہوتا ہے دوسرے ارادہ کو مستلزم نہیں ہوتا اللہ تعالی نے کافر کو اسی شے کا حکم کیا ہے جو اُس نے اس سے کرانے کا اس اعتبار سے اردہ بھی کرلیا ہے اور وہ شے وہ ہے جسے وہ محبوب رکھتا ہے اور پسند کرتا ہے اور اس معصیت سے اُسے منع فرمایا تھا جس کے کرانے کا اُس نے ارادہ نہیں کیا یعنی اُس مذکورہ اعتبار سے نہ اسے وہ پسند فرماتا ہے اور نہ اس سے راضی ہے کیونکہ وہ اپنے بندوں کے کفر کرنے سے راضی نہیں ہے اور نہ وہ فساد پھیلانے کو پسند فرماتا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے اِذْ یُبَیِّتُوْنَ مَالَا یَرْضٰی مِنَ الْقَوْلِ ۔ اور ارادہ خلق ہی مشیت ہے جو امر اور واقع ہونے کے لئے مستلزم ہوتی ہے پس یہ ارادہ فقط موجود ہی شے کے متعلق ہوتا ہے اور جس شے کو اللہ تعالی چاہتا ہے وہ ہو جاتی ہیں اور جس کو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتی مگر ان دو صورتوں میں فرق ہے ایک تو یہ کہ وہ خود کسی فعل کے کرنے کا ارادہ کرلے پس یہ فعل تو یقیناً ہو جائیگا کیونکہ وہ اپنا ارادہ پورا کرنے پر قادر ہے اور جب ارادہ اور قدرت دونوں جمع ہو جائیں تو پھر مراد کا موجود ہونا واجب (یعنی ضروری) ہے دوسری صورت یہ ہے کہ ایک فعل کا کسی غیر سے اپنے لئے کرانیکا ارادہ کرے پس اس میں یہ لازم نہیں ہے کہ اس فعل پر اُس کی اعانت کرے لیکن جو لوگ تقدیر کے قائل ہیں ان میں سے ایک فرقہ کا یہ ایمان ہے کہ ارادہ ہی ایک ہی قسم ہے اور وہ یہ مشیت ہے اسی لئے ان کا یہ قول بھی ہے کہ وہ ایسی شے کا بھی حکم کرتا ہے جس کا خود ارادہ نہیں کرتا پھر اس فرقہ میں بھی دو فریق میں ایک فریق کا قول تو یہ ہے کہ وہ ایسی شے کا حکم کرتا ہے جو اُسے پسند اور جس سے وہ راضی ہو اگر چہ اُس کا ارادہ نہ کیا ہو یعنی اُس کا موجود ہونا ہونا نہ چاہا ہو اور فقہاء وغیرہ میں سے یہی مذہب اُن جمہور کا ہے جو اس قول کے قائل ہیں اور دوسرے فریق کا قول یہ ہے کہ محبت اور رضا ہی اُس کا ارادہ ہے اور ہے اور یہی مشیت ہے پس وہ (ان کے

نزدیک) اس شے کا امر فرماتا ہے جس کا ارادہ نہیں کرتا اور نہ اُسے وہ محبوب اور پسندیدہ ہے اور جو کفر و فسوق واقع ہوگا ان لوگوں کے نزدیک وہ اُسے محبوب اور پسندیدہ ہے گویا وہ اس کا ارادہ کرتا اور چاہتا ہے لیکن کہتے ہیں کہ دین کی رو سے اُسے محبوب اور پسندیدہ نہیں ہے اور نہ اس اعتبار سے وہ اس کا ارادہ کرتا اور چاہتا ہے. اشعری اور اُس کے اکثر شاگردوں کی یہی مذہب ہے اشعری نے اہل اثبات کے بھی ایک فرقہ کا یہی مذہب نقل کیا اور اس سے پہلے قول کے موافق بھی منقول ہے اس قول والے اور معتزلہ اور شیعہ وغیرہ میں سے قدریہ لوگ رضا اور محبت کو ارادہ کے معنی جانتے ہیں پھر وہ قدریہ جو منکر تقدیر ہیں کہتے ہیں کہ نص اور اجماع فقہا سے ثابت ہے کہ کفر فسوق. عصیان کو نہ اللہ پسند کرتا ہے نہ ان سے راضی ہے نہ انکا ارادہ کرتا ہے نہ ان کا موجود ہونا چاہتا ہے اور جو قائل ہیں ان کا قول یہ ہے کہ نص اور اجماع سلف سے یہ ثابت ہے کہ وہ ان کو چاہتا ہے پھر وہ اسے ان سے راضی بھی ہوگا اور ارادہ بھی کرلے گا لیکن باقی تمام لوگ مشیت اور محبت و رضا میں فرق کرتے ہیں جیسا کہ آدمیوں میں بھی یہ فرق پایا جاتا ہے کیونکہ انسان دوا وغیرہ میں اُن چیزوں کے پینے کا ارادہ کرتا ہے جو اُسے بری معلوم ہوتی ہیں حالانکہ اُنکے پینے سے خوش نہیں ہے اور ان چیزوں کے کھانے سے خوش ہوتا ہے جن کو اس کا دل چاہتا ہے جیسے کہ مریض بخار کی حالت میں پانی پینا چاہتا ہے اور شدت پیاس کی وجہ سے ٹھنڈے پانی کی خواہش کرتا ہے حالانکہ ان دونوں میں اس فعل کا ارادہ نہیں ہوتا پس معلوم ہوا کہ بندہ کو بھی ایسی شے سے رغبت اور الفت ہوتی ہے جس کا ارادہ وہ نہیں کرتا. اور ایسی شے کا ارادہ کرتا جس سے اُسے رغبت اور الفت نہیں ہوتی اور وجہ اس کی یہ ہے کہ کبھی کوئی مقصود کسی اور قصد سے بھی ہوتا ہے. اس وجہ سے مکروہ اشیا کا اردہ کرلیتا ہے کہ ان کے انجام پر اشیاء محبوبہ ہونگی علیٰ ہذا القیاس بعض مرغوب اور محبوب فعل سے کراہیت کی جاتی ہے اسی وجہ سے کہ وہ مبغوض فعل کی طرف مفضی ہوتے ہیں اور اللہ تعالی جو کچھ پیدا کرتا ہے اس میں اس کی حکمت ہے وہ پاک پروردگار متقین و محسنین اور توابین سے محبت رکھتا ہے. ان لوگوں راضی اور خوش ہوتا ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے. تائب کی توبہ پر اللہ کو اس آدمی سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے کہ جس کی سواری ایک لق ودق میدان بیابان میں جاتی رہے اس کے کھانے پینے کا تمام سامان اسی پر تھا۔ اور بالکل ناامید ہوجانے کے بعد وہ اس کو ملے. چنانچہ

صحیحین وغیرہ میں متعدد طریقوں سے آنحضرت ﷺ سے یہ حدیثیں مروی ہیں. مثلاً آپ ﷺ نے فرمایا. للہ اشد فرحا بتوبتہ احد کم من رجل اضل راحلتہ با رض مھلکتہ علیھا طعامہ و شرابہ فطلبھا فلم یجدھا فنام ینتظر الموت فلما استیقظ اذا ابدا بتہ علیھا طعامہ و شرابہ فاللہ اشد فرحا بتوبتہ عبدہ من ھذا ابراحلتہ حقلفران خوش اور محبت وغیرہ کو لذت اور عشق کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں اور جب یہ اس طرح ہے کہ تو وہ پاک پروردگار بعض اشیاء کے موجود کرنے کا اس لئے ارادہ کرتا ہے کہ وہ اشیاء اس کی محبت اور رضا مندی کی طرف مفضی ہوتی ہیں علی ہذاالقیاس۔ اپنے پسندیدہ بعض امور کو اس لئے نہیں کرتا کہ ان کا موجود ہونا مکروہ اور مبغوض امور کے موجودہ ہونے کو مستلزم ہوتا ہے پس وہ پاک پروردگار اس پر قادر ہے۔ کہ ہر نطفہ سے ایک آدمی پیدا کر کے اسے مومن اور اپنا برگزیدہ کرلے اور اس کے ایمان سے بھی محبت رکھے لیکن پھر وہ اس کو اس لئے نہیں کرتا کہ اسکے نہ کرنے میں بھی ایک حکمت ہے اور کبھی اُس علم کے باعث نہیں کرتا کہ اس کا کرنا کسی مکروہ اور مبغوض امر کی طرف مفضی ہوگا اور اگر یہ اعترض کیا جائے کہ ایسا کیوں نہیں کرتا کہ اُس فعل کو کرلے اور اُس مبغوض کو ہونے سے روک دے کیونکہ تم قائل ہو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اس کا جواب یہ ہے کہ بعض اشیاء ممتنع لذاتہ ہوتی ہیں اور بعض ممتنع لغیرہ ہوتی ہیں مثلاً وہ لذت جو کھانے میں آتی ہے وہی اور اُس جیسی اور بھی پینے اور سننے اور سونگھنے میں نہیں آسکتی بلکہ ان میں ایک دوسری قسم کی لذت آئے گی اور (کھاتے وقت) مونہ میں کھانے کی لذت آنا یہ اسی وقت میں پینے کی لذت آنے کے منافی ہوگا اور بندہ کو بعض آوازوں کے سننے سے لذت آنا یہ اسی وقت میں دوسری آواز کے لذت آنے کے منافی ہوگا کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ بندہ کو جو شے محبوب اور لزیذ معلوم ہو آن واحد میں وہ دونوں جمع ہو جائیں بلکہ (جو دو چیزیں آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہوں) تو ایک ضد کا حاصل ہونا بدون دوسری ضد کے فوت ہوئے ممکن نہیں ہے اور ہر مخلوق کے لئے لوازم اور اضداد ضروری ہیں کوئی مخلوق بدون اپنے لوازم کے موجود ہو اور ضد کے عدم ہوئے ہرگز نہیں ہوسکتی اور جب اللہ سمگانہ تعالی اپنے بندہ سے یہ چاہئے کہ یہ حج اور جہاد، دونوں کے لئے سفر کرے تو ان میں سے یہ جونسا کرلے گا اُسے محبوب اور پسند ہوگا لیکن بندہ سے ایک ہی آن میں

یہ نہیں ہوسکتا کہ شرق وغرب دونوں طرف (حج و جہاد کے ارادہ سے) چلا جائے. بلکہ ایک وقت میں ان دونوں پسندیدہ امور کا ہونا ہی ناممکن ہے پس ایک ان میں سے بلا دوسرے کے فوت ہوئے کبھی حاصل نہ ہوگا اگر حج فرض ہے اور جہاد نفل تو اس کو حج ہی کرنا محبوب ہوگا اور اگر دونوں نفل یا دونوں فرض ہیں تو جہاد اسے زیادہ محبوب ہوگا. خلاصہ یہ ہے کہ وہ پاک ذات اس محبوب امر کو پسند فرمالے گا جو دوسرے کے فوت ہونے کو متضمن ہو. وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر وہ اس محبوب کا وجود بدون دوسرے محبوب کے فوت ہوئے مقرر فرمادے تو یہ بھی اسے محبوب ہوگا اور اگر ایک کو فوت کرکے جو اُسے زیادہ محبوب ہے دوسرے محبوب کو کرلے تو یہ ایک طرح سے محبوب ہوگا اور ایک طرح سے مکروہ حالانکہ اللہ تعالی ہر شے پر قادر ہے. لیکن ضدین کا جمع ہونا عمومٌ اشیاء میں داخل نہیں ہے کیونکہ یہ محال لذاتہ ہے اور یہ بمنزلہ اس قول کے ہے جیسا کوئی کہے کہ ایسی قدرت اللہ نے بندہ کو کیوں نہ دی کہ یہ ایک ہی ساعت میں حج کے لئے عرب جاتا اور جہاد کے لئے مشرق۔ اس کا جواب یہی ہوگا کہ ایک جسم کا دو مکان میں ہونا لذاتہ محال ہے بلکہ اس قول کی کوئی حقیقت ہی نہیں ہے پس ان دونوں کا ایک آن میں ہونا ممکن نہیں ہے اور نہ یہ کوئی چیز ہے۔ تاکہ یہ کہا جائے کہ مقدر، اور ہوسکتا ہے اور نہ اس کی کوئی حقیقت ہے بلکہ یہ ایک ایسا امر ہے کہ اس کی نظیر خارج میں تصور کرنے کے لئے ذہن اسے فرض کرلیتا ہے اور پھر خارج میں اس پر امتناع کا حکم کردیتا ہے ورنہ ذہن کیلئے یہ ممکن نہیں کہ اسے خارج میں تصور کرے ہاں ایک محل میں رنگ اور مزہ کے جمع ہونے کو ذہن تصور کرلیتا ہے جیسے کہ حلاوت بیضا اور بیاض پھر ذہن خود ہی یہ خیال کرتا ہے کہ آیا جیسے ایک محل میں رنگ اور مزہ جمع ہوجاتے ہیں. اسی طرح سواد اور بیاض کا بھی ایک محل میں جمع ہونا ممکن ہے یا نہیں پھر سمجھ لیتا ہے کہ خارج میں یہ اجتماع بے شک ممتنع ہے. علیٰ ہذا القیاس یہ جانتا ہے کہ زید کا شرق میں ہونا اور عمرو کا غرب میں ہونا ممکن ہے. پھر یہ خیال کرتا کہ آیا یہ بھی ممکن ہے کہ ان دونوں جگہ زید ہی ہو جیسا کہ زید اور عمرو تھے پس جان جاتا ہے کہ یہ بھی ممتنع ہے. یہ اور اسی قسم کا اور کلام ان لوگوں کا ہے جو ارادہ کی دو قسمیں کہتے ہیں اور اس کی ایک قسم اور محبت ورضا میں فرق کرتے ہیں لیکن جو لوگ سب کو ایک ہی قسم ٹھہراتے ہیں اُن پر یہ دو امر لازم آتے ہیں اگر وہ محبت ورضا کو اسی قسم سے کہیں تو اُن پر یہ مذکورہ خرابیاں لازم آتی ہیں اور اگر جب اور

رضا کو علیحدہ قسم کہیں تو وہ ارادہ کو مستلزم نہ ہوگی اور یہ کہنا پڑے گا کہ وہ ایسی شے کو پسند فرماتا ہے جس کا کبھی ارادہ نہیں کرتا. اور اس وقت ارادہ نہ کرنے سے یہ مقصود ہوگا کہ وہ اس کے موجود ہونیکا ارادہ نہیں کرتا ورنہ وہ اس کے نزدیک محبوب اور پسندیدہ ہے پس یہ ارادہ ہی کو مشیئت خلق ٹھیراتا ہے. یہ اگرچہ ایک ایسی جماعت کی اصطلاح تھی جو فقہا میں سے سنت (والجماعت) کی طرف منسوب ہیں. جیسے اصحاب مالک شافعی اور احمد لیکن یہ کتاب وسنت کے استعمال کے خلاف ہے. اس وقت نزاع اس کے ساتھ لفظی ہوگا اور لفظی منازعات میں حق پر ہونے کے حقدار وہی لوگ ہوتے ہیں. جن کے الفاظ قرآن شریف کے الفاظ کے موافق ہوں. یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ قرآن شریف کے الفاظ نے اس قسم کو مقصود ٹھرایا ہے لہذا اس کے کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ اللہ تعالی مالا یرید کا امر فرماتا ہے بلکہ قرآن شریف یہ بیان کرتا کہ ارادہ کی دو قسمیں ہیں. اور اللہ تعالی جو چاہتا ہے اس کا بھی امر فرماتا ہے اور جس کے پیدا کرنے کا خود ارادہ نہیں کرتا اس کا بھی امر فرماتا ہے اور بندوں کو وہی امر فرماتا ہے کہ اگر وہ اسے کرلیں تو ان سے راضی ہوا اور اسے پسند فرمائے.

اور اگر کوئی یہ کہے کہ قسم ہے اللہ تعالی کی. انشاء اللہ تعالی میں وہی کام کرونگا جو اللہ نے مجھ پر واجب کیا ہے یا جو اسے پسند ہے اور پھر اس نے کچھ نہ کیا تو اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ یہ شخص حانث نہ ہوگا. اور اگر کسی نے یہ کہا قسم ہے اللہ کی میں وہ کام کروں گا جو اللہ نے مجھ پر واجب کیا ہے اگر وہ اسے پسند فرما لے. تو اس نے اگر کچھ نہ کیا تو ہم جہاں تک جاتے ہیں یہ ہے کہ یہ شخص بلا نزاع (سب کے نزدیک) حانث ہو جائیگا.

اللہ کے وعدے اور وعید کا اعتبار نہ ہونا: پھر شیعی علماء کہتے ہیں کہ ان ہی امور میں سے ایک یہ لازم آتا ہے کہ اللہ کے وعدے اور وعید کا کوئی اعتبار نہ ہو کیونکہ جب ان لوگوں نے عالم میں کذب کی استناد کا اللہ کی طرف ہونے کو جائز کر دیا تو ہو سکتا ہے کہ اسکے تمام قصوں میں کذب ہو لہذا انبیاء کو بھیجنے میں کوئی فائدہ نہ رہا ہو بلکہ ہو سکتا کہ وہ کذاب کو بھیجتا ہو اور اب ہمارے لئے انبیاء میں سے صادق اور کاذب میں تمیز کرنے کا کوئی طریقہ نہ رہا. جواب اسکا کئی طرح سے ہے اول تو یہ کہ پہلے کئی مرتبہ یہ بیان ہو چکا ہے کہ ان دو صورتوں میں فرق ہے ایک تو یہ کہ وہ کسی امر کو دوسرے کی صفت بنا

نے کو پیدا کرے دوسرے یہ کہ اسی امر کے ساتھ وہ خود بھی متصف ہو علی ہذا القیاس مخلوق کی اضافت ہونے اور صفت کی اضافت اس کے موصوف کی طرف ہونے میں بھی فرق ہے اور یہ فرق بالاتفاق تمام عقلاء کے مشہور ہے کیونکہ (مثلا جب اس نے دوسرے کے لئے حرکت پیدا کی تو وہ خود متحرک نہ ہوا اور جب اس نے رعد کے لئے آواز پیدا کی تو اس کی آواز کے ساتھ وہ خود متصف نہ ہوگا اسی طرح جب اس نے نباتات۔ حیوانات۔ جمادات۔ کیلئے قسم قسم کے رنگ پیدا کیے تو ان رنگوں کے ساتھ وہ خود متصف نہ ہوگا اور جس وقت اس نے دوسرے میں علم اور قدرت اور حیات پیدا کی تو ان مخلوقات کا غیر میں ہونا اس کی صفات نہ ہونگی علی ہذا القیاس جب اس نے غیر میں اندھا پن بہرا پن. گونگا پن پیدا کیا تو ان تینوں وصفوں کے ساتھ وہ خود متصف نہ ہوگا (بلکہ جن کے لئے یہ اوصاف پیدا کئے گئے ہیں وہی ان کے موصوف کہلائیں گے) اور جب اس نے دوسرے میں خبث یا فسق پیدا کیا تو اس خبث اور فسوق کے ساتھ وہ خود متصف نہ ہوگا. اسی طرح جب اس نے دوسرے میں کذب اور کفر پیدا کیا تو اُس کذب اور اس کفر کے ساتھ وہ خود متصف نہ ہوگا جیسا کہ جب وہ بندہ میں طواف کرنا سعی کرنا. رمی جمار کرنا. روزے رکھنا. رکوع سجود کرنا پیدا کرتا ہے تو وہ خود طائف. ساعی. راکع. ساجد. رامی. وغیرہ نہیں ہوتا اور اللہ کا یہ فرمانا. وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى. مطلب اس کا یہ ہے کہ محض تمہارا کنکریاں پھینکنا کچھ کارگر نہیں ہوا بلکہ اللہ ہی نے اُسے کارگر کر دیا. پس جس پھینکنے کی نسبت آنحضرت کی طرف ہے وہ ہاتھ سے پھینکنا ہے اور جو اللہ کی طرف منسوب ہے وہ دشمن تک پہنچا دینا اور اس کو ماردینا ہے. باقی اس سے یہ مراد نہیں ہے جو بعض لوگوں نے گمان کیا کہ جب پھینکنے اور پھینکنے والے دونوں کو اسی نے پیدا کیا تو حقیقت میں پھینکنے والا وہی ہوا کیونکہ اگر یہ صحیح ہو محض اس وجہ سے کہ وہ پھینکنے کا خالق ہے تو سب افعال کا حال اسی طرح ہوگا. پھر یہ کہنا پڑے گا کہ وما مشیت ولکن اللہ مشی. وما لطمت ولکن اللہ لطم. وماطعنت ولکن اللہ طعن. وماضربت بالسیف ولکن اللہ ضرب وما رکبت الفرس ولکن اللہ رکب وما صمت وماصلیت وما حججت ولکن اللہ صام وصلی وحج. یعنی تم نہیں چلے بلکہ اللہ ہی چلا ہے تم نے طمانچہ نہیں مارا بلکہ اللہ ہی نے مارا ہے. تم نے نیزہ نہیں مارا بلکہ اللہ تعالی نے مارا ہے اور تم نے تلوار سے نہیں مارا

بلکہ اللہ ہی نے مارا ہے تم گھوڑے پر نہیں سوار ہوئے بلکہ اللہ ہی سوار ہوا ہے تم نے روزہ نہیں رکھا اور تم نے نماز نہیں پڑھی اور تم نے حج نہیں کیا بلکہ اللہ ہی نے روزہ رکھا اور نماز پڑھی اور حج کیا ہے حالانکہ ان تمام امور کا بطلان (اور غلط ہونا) ان لوگوں سے صاف ظاہر ہے جو تقدیر کے ماننے والے ہیں اور اسی وجہ سے حضرت عثمان بن عفانؓ سے مروی ہے جس وقت وہ قید کر لئے گئے تو لوگ ان کو پتھر مارتے تھے (اور وہ پتھر ان کے لگتے نہ تھے) عثمانؓ نے ان سے فرمایا کہ تم میرے پتھر کیوں مارتے ہو حالانکہ تمہارے مارنے سے مجھے لگتے ہی نہیں ہیں۔ انھوں نے کہا ہم نہیں بلکہ اللہ ہی مارتا ہے آپ نے فرمایا کہ اگر اللہ میرے مارتا تو میرے ضرور لگتا بلکہ تم ہی مار رہے ہو جو نہیں لگتے اور یہ ان دلائل میں سے ہے جس سے قدریہ تقدیر کے منکرین نے اس پر حجت کی ہے کہ صحابہ بھی یہ نہیں کہتے تھے کہ بندوں کے افعال کا خالق اللہ ہے۔ جیسا کہ قائلین تقدیر نے اللہ کے قول ولکن اللہ رمی سے حجت کی ہے حالانکہ دونو ں غلطی پر کیونکہ جب اللہ نے اپنے بندہ میں کوئی فعل پیدا کیا تو یہ ضروری نہیں کہ یہ بندہ سے بہتر ہی ہو جیسا کہ جس وقت اس نے بدن میں کوئی طعم یا ریح پیدا کی تو یہ ضروری نہیں کہ وہ عمدہ ہی ہو علی ہذا القیاس جب بندہ کے لئے اس نے دو آنکھیں اور ایک زبان پیدا کی تو اس سے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ بندہ گویا اور بینا ہی ہو غرض کہ اس کذب کی استناد جو لوگوں میں ہے مثل ان تمام صفات قبیحہ اور احوال مذمومہ کے ہے جو مخلوقات میں ہیں اور یہ اس امر کو مقتضی نہیں کہ اللہ تعالی خود مذموم ہو اور نہ اس کو کہ ان صفات کے ساتھ وہ موصوف ہے لیکن استناد کا لفظ ایک مجمل لفظ ہے کیا تمھیں معلوم نہیں کہ جب اس عجز کو جو لوگوں میں مخلوق ہے اللہ کی طرف اس وجہ سے استناد کریں کہ وہ اس کا خالق ہے تو اللہ عاجز ہوگا پس یہ لفظ اس قسم میں سے ہے جو اس محبت کے فاسد اور غلط ہونے کو ظاہر کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ لوگ اس کو جائز کہتے ہیں کہ اللہ تعالی جھوٹ بولنے کی قدرت پیدا کرتا ہے حالانکہ خود یہ جانتا ہے کہ اس قدرت والا ضرور جھوٹ بولے گا اسی طرح ظلم اور فحش امور کرنے کی قدرت پیدا کرتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ اس قدرت والا ضرور ظلم اور فحشیات کرے گا اور یہ بات ظاہر ہے کہ ایک آدمی بہت سے قبیح امور کر سکتا ہے اور ان امور پر کسی کا اس کی امداد کرنا بمنزلہ ان قبیح امور

کرنے کے ہوتا ہے پس جو شخص کسی کے کذب پر ایسے امور سے اعانت کرے کہ اس کو ان سے کذب پر امداد ملے تو یہ فعل قبیح ہونے میں بمنزلہ کذب ہی کے ہوگا لہذا ہمارے لئے یہ جائز نہیں کہ کسی گناہ یا ظلم پر کسی کی اعانت کریں جیسا کہ اللہ نے بھی اس سے منع فرمایا ہے پس جو ہمارے حق میں قبیح شمار ہو تے ہیں وہی اللہ کے لئے بھی قبیح ہوں تو اللہ پر یہ جائز کہنا لازم آئے گا کہ جس وقت اس نے کذب پر اعانت کی تو اس نے خود جھوٹ بولا اور اگر وہ یہ کہیں کہ اللہ نے تو قدرت فقط اس لئے دی تھی کہ بندہ اس کی اطاعت کرے نہ اس لئے کہ نافرمانی کرے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب وہ اس بات کو جانتا تھا کہ یہ بندہ ضرور نافرمانی کرے گا تو یہ ایسا ہوا کہ کسی نے ایک آدمی کو تلوار دی تا کہ اس کے ساتھ وہ کفار سے لڑے باوجودیکہ خود یہ جانتا تھا کہ یہ اس تلوار سے نبی کو قتل کرے گا۔ حالانکہ ہمارے حق میں یہ جا ئز نہیں ہے اور جو شخص کسی غرض کے لئے کوئی فعل کرے جس سے وہ غرض پوری نہ ہو تو ہمارے اندر ایسا آدمی بے وقوف ہوتا ہے حالانکہ اللہ تعالی اس سے منزہ (اور پاک) ہے پس معلوم ہوا کہ اس کا حکم اس کے افعال میں بندوں کے افعال کے مخالف ہے اور اگر وہ اس کی کوئی علت ٹھہرائیں جس کا ہونا ٹھیک ہو تو اس کا جواب انہیں یہ دیا جائیگا کہ اسی طرح جو کچھ اللہ تعالی غیر میں پیدا کرتا ہے اس میں بھی اس کی کوئی حکمت ہی ہوتی ہے جیسا کہ قدرت کیساتھ اعانت کرنے میں اس کی حکمت ہے۔

تیسرا جواب: یہ ہے یہ کہا جائے کہ یہ بات نہیں ہے کہ جس چیز پر اللہ قادر ہو اور وہ ہونی بھی ممکن ہو تو اس کے موجود ہونے میں ہمیں شک ہوتا ہے بلکہ ہم یہ یقینا جانتے ہیں کہ اللہ تعالی بہت سے امور نہیں کرتا باوجود یہ کہ وہ ان پر قادر ہے اور وہ ممکن بھی ہیں چنانچہ ہم یقینا جانتے ہیں کہ اللہ تعالی دریا ؤں کو تیل نہیں کر دے گا اور پہاڑوں کو پلٹ کر یاقوت نہیں بنادے گا اور تمام جہان والوں کو مسخ کر کے لومڑیاں نہیں کر دے گا اور چاند و سورج خوشبودار و دلکڑیاں نہیں کر دے گا اور اس قسم کی مثالیں بے انتہا ہیں اور ہم یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالی کذب سے منزہ ہے اور اس کذب کا اس پر ممتنع ہونا ہمارے اس کے علم ہونے سے بھی بڑھا ہوا ہے۔

چوتھا جواب: یہ ہے ہم یقینا جانتے ہیں کہ اللہ تعالی صفات کمال کے ساتھ موصوف ہوتا ہے اور جو کمال کسی موجود شے کے لئے ثابت ہو اللہ اس کا زیادہ مستحق ہے اور جس نقص سے کوئی موجود منزہ ہو

پس اس تنزیہ کا اللہ اس زیادہ حقدار ہے اور یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ حیات. علم. قدرت صفات. کمال ہیں لہذا انکے ساتھ متصف ہونے میں اللہ بندوں سے زیادہ مستحق اور حقدار ہے اور اسی طرح صدق بھی صفت کمال ہے پس جو اس کے ساتھ متصف ہوگا اس انصاف کا اس سے بھی زیادہ اللہ حقدار ہوگا جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ لَیَجْمَعَنَّکُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ لَا رَیْبَ فِیْہِ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ حَدِیْثًا (یعنی اللہ ہی ہے اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے وہ قیامت کے دن تک تمھیں ضرور جمع کرے گا اس میں کچھ شک نہیں اللہ سے زیادہ اور کس کی بات سچی ہو سکتی ہیں اور نبی ﷺ اپنے خطبہ فرمایا کرتے تھے کہ اَنَّ اصدق الکلام کلام اللہ یعنی سب کلاموں سے زیادہ سچا اللہ کا کلام ہے.

پانچواں جواب: یہ ہے کہ تمام سلف اور ان کے تابعین کا اس پر اتفاق ہے کہ کلام اللہ مخلوق نہیں بلکہ اللہ کے ساتھ قائم ہے پھر اس میں انکا اختلاف ہے کہ آیا اللہ اپنی مشیت اور قدرت سے کلام کرتا ہے یا کہ بلا اس کے اس میں دو قول مشہور ہیں پہلا قول (یعنی مشیت اور قدرت سے کلام کرنے کا) تو تمام سلف اور جمہور کا اور دوسرا قول ابن کلاب اور اس کے تابعین کا ہے پھر ابن کلاب کے تابعین کا بھی اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا وقدیم جسے مشیت اور قدرت سے تعلق نہیں ہے معنی ہے جو قائم بذاتہ ہے یا کہ حروف اور اصوات ازلیہ ہیں اس میں بھی دو قول ہیں بحث اپنے موقع پر تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکی ہے اور جب یہ مسئلہ اس طرح ہے تو پس جو شخص یہ کہتا ہے کہ کلام کو اس کی مشیت سے تعلق نہیں ہے تو ممتنع ہے کہ کوئی اور شے جس کے ساتھ وہ متصف نہیں ہے اسکی ذات کے ساتھ قائم ہو اور صدق ان کے نزدیک یا تو علم ہی ہے اور یا کوئی ایسے معنی ہیں جو علم کو مستلزم ہوں اور یہ سب جانتے ہیں کہ علم اللہ کی ذات کے لوازم میں سے ہے تو اب اس کی نقیض کے ساتھ اس کا متصف ہونا ممتنع ہوتا ہے کیونکہ جو ذات قدیم واجب اور بنفسہا ہوتی ہے تو اسکے لازم کا عدم ممتنع ہوتا ہے جیسا کہ اس ذات عدم ممتنع ہوتا ہے کیونکہ وہ بنفسہا واجب اور قدیم ہے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ لازم کا نہ ہونا ملزوم کے نہ ہونے کو مقتضی ہوتا ہے. علاوہ اس کے اس وقت صدق اور کذب ایسے ہوں گے جیسے بینائی اور اندھا پن. سننا اور بہرا ہونا. کلام کرنا اور گونگا ہونا لہذا واجب ہے کہ وہ پاک پروردگار صدق ہی کے

ساتھ متصف ہو اور کذب کے ساتھ نہ ہو لیکن جن لوگوں کا قول یہ ہے کہ کلام کو مشیت اور قدرت سے تعلق ہے تو ان لوگوں میں اکثروں کا قول یہ ہے کہ اللہ تعالی یقیناً کسی حکمت ہی سے کلام اور فعل کرتا ہے (بلا حکمت کچھ نہیں کرتا) اور وہ پاک ذات قبیح فعل کے کرنے سے منزہ ہے اور اللہ تعالی کے قبیح افعال سے منزہ ہونے پر ان لوگوں کی ادلہ معتزلہ کی ادلہ سے بڑی اور قوی ہیں. کیونکہ جو دلیل اللہ کے اس قبیح فعل سے منزہ ہونے پر دلالت کرے گی جو اس سے منفصل ہو تو دلیل اسکے ایسے قبیح فعل سے منزہ ہونے پر بدرجہ اولی دلالت کرے گی جو اسکے ساتھ قائم ہو کیونکر قبائح میں سے جو اس کے ساتھ قائم ہے اس میں نقصان اس سے زیادہ ظاہر ہوتا جو اس سے منفصل ہو پس جب یہ ممتنع ہے تو وہ بدرجہ اولے ممتنع ہوگا.

چھٹا جواب: یہ ہے کہ تمام ادلہ عقلیہ اس پر دال ہیں کہ نقائص اور قبائح کے ساتھ اللہ کا متصف ہونا ممتنع ہے بلکہ وہ اُس وصف کے ساتھ متصف ہوتا ہے جو اُس کے ساتھ قائم ہو اور کلام متکلم کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ لہٰذا ممتنع ہے کہ وہ کذب کے ساتھ کلام کرے کیونکہ کلام اُس کے ساتھ قائم ہے پس ممتنع ہے کہ وہ قبیح اُس کے ساتھ قائم ہو جو اُس نے اختیار کیا ہے اور اللہ کو کذب سے منزہ کرنے میں یہ طریقہ خاص اہل اثبات ہی کا ہے باقی معتزلہ اس طرح نہیں کہہ سکتے کیونکہ اُن کے نزدیک اللہ کا کلام اللہ سے منفصل ہے پس جس وقت یہ اہلِ اثبات اُن سے یہ کہیں گے کہ دلیل تو فقط اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالی فی نفسہ قبائح کے ساتھ متصف ہونے اور اُن کے فعل سے منزہ ہے اور فعل وہ ہے جو فاعل کے ساتھ قائم ہو ورنہ جو شئے منفصل ہو وہ مفعول ہوتی ہے فعل نہیں ہوتا اور تم نے کوئی دلیل ایسی نہیں ذکر کی جو مفعولات میں اس اتصاف کے ممتنع ہونے پر دلالت کرے۔ حالانکہ محل نزاع بھی یہی ہے ان لوگوں کی حجت قدریہ پر حجت ظاہرہ ہوگی۔

ساتواں جواب: یہ ہے کہ وہ کلام اُس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اہل سنت (والجماعت) کے نزدیک غیر مخلوق ہے۔ کیونکہ کلام صفت کمال ہے۔ پس ضروری ہے کہ وہ اُس کے ساتھ متصف ہو برابر ہے کہ کوئی یہ کہے کہ کلام ایک معنی ہے جو نفس کے ساتھ قائم ہوتا ہے یا وہ حروف ہیں یا اصوات قدیمہ ہیں اور یا کوئی یہ کہے کہ اس کی مشیت اور قدرت سے اُسے تعلق ہے اور یا یہ کہے کہ اللہ پہلے متکلم

نہ تھا بعد میں اُس نے کلام کیا ہے یا یہ کہے کہ وہ اپنے اختیار سے ہمیشہ سے متکلم ہے پس ان سب اقوال پر کلام قائم بذاتہ ہے اور کذب یہ صفت نقص ہے۔ جیسا کہ بہرا پن اور گونگا پن ہوتا ہے اللہ تعالی اس سے منزہ ہے کہ اُس کے ساتھ ایسے نقائص کا قیام ہو باوجود یہ کہ اُس نے اپنی مخلوق کو اُن نقائص سے متصف پیدا کیا، اور اندھا، بہرا، گونگا ہونا بھی پیدا کیا ہے لیکن یہ اُس کے ساتھ قائم نہیں ہے پس اسی طرح کاذب میں اُس نے کذب پیدا کر دیا ہے۔ لیکن کذب اُس کے ساتھ قائم نہیں ہے۔

آٹھواں جواب: یہ ہے یہ کہا جائے کہ یہی اعتراض خود اُن لوگوں پر بھی وارد ہوتا ہے کیونکہ یہ اس بات کے قائل ہیں کہ دوسروں میں کلام اللہ ہی پیدا کرتا اور یہ کلام اُس کا ہوتا ہے باوجود یہ کہ دوسرے کے ساتھ قائم ہے اور جس کے ساتھ قائم ہے وہ محدث مخلوق حالانکہ وہ کلام جس کے ساتھ بندے گفتگو کرتے ہیں وہ اُن کے نزدیک اللہ کی مخلوق نہیں ہے اور نہ یہ اُس کا کلام ہے پس جس وقت یہ اور یہ دونوں کلام سچے ہوں تو اُنہیں یہ معرفت کرنی ضروری ہے کہ یہ اُس کا کلام ہے اور یہ اُس کا کلام نہیں ہے۔ باقی ان معترضین کا یہ کہنا ہو سکتا ہے کہ وہ کذاب کو بھیجتا ہو! اس کا جواب بھی چند طرح سے ہے۔

پہلا جواب: یہ ہے کہ اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ اللہ تعالی کذاب کو بھی بھیجتا ہے جیسا کہ شیاطین کے بھیجنے کا اس آیت میں ذکر ہے۔ **اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا.** (مریم:۸۳) (یعنی کیا تمہیں خبر نہیں کہ ہم کفار پر شیاطین کو بھیجتے ہیں یہ انہیں خوب بھڑ کاتے ہیں) اور جیسا کہ (یہی بیان) اس آیت میں ہے۔ **بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ.** لیکن یہ اسی وقت ہوتا ہے کہ وہاں کوئی قرینہ ایسا ہو جو ان کے کذب کو ظاہر کر دے جیسا کہ مسلمہ کذاب اور اسود عنسی کی بابت ہوا ہے۔ باقی فقط کذاب کے بھیج دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کاذب اور صادق میں تمیز نہ ہو سکے۔ جیسا کہ اللہ تعالی ظالم کو بھیجتا ہے۔ اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ظالم اور عادل میں تمیز ہونی ممتنع ہو جائے علی ہذا القیاس۔ وہ عاجز اندھے بہرے کو بھیجتا ہے لیکن بھیج دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان میں اور ان کے غیر میں کوئی تمیز نہ رہے اور ارسال کا لفظ ارسال ریاح اور ارسال شیاطین وغیرہ سب کو شامل ہے۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ یہ لوگ خود بھی اسکو جائز کہتے ہیں کہ اللہ تعالے کوئی ایسا آدمی پیدا کر دے

جسکی بابت یہ جانتا ہو کہ یہ کاذب ہے اور کذب پر اسے قدرت دیدینا بھی جائز ہے جیسا کہ اس نے مسلمہ کذاب اور اسود عنسی کو پیدا کیا تھا پس اگر مسلمہ کذاب کا اس لئے پیدا کرنا جائز تھا۔ باوجودیکہ اسمیں اور صادق میں اس نے تمیز بھی کردی تھی تو اسی طرح کذاب کا پیدا کرنا بھی ہے۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ اسی واسطے اللہ نے مدعی نبوت کو پیدا کیا ہے حالانکہ وہ کاذب ہے پھر اگر وہ یہ کہیں کہ اسپر صداقت کی نشانیوں کا ظاہر کرنا جائز ہے تو یہ ممنوع اور بالاتفاق باطل ہے اور اگر کہیں کہ یہ جائز نہیں تو بلا صداقت رکوئی دلیل ہوئے نبوت کا محض کرنا کچھ مضر نہیں ہے۔ کیونکہ آدمی اگر یہ دعوے کرے کہ میں طبیب ہوں یا کسی قسم کا کاریگر ہوں اور ایسی کوئی دلیل اس کے پاس نہیں ہے جو اس کی صداقت پر دلالت کرے تو اس کی طرف کوئی التفات نہ کرے گا لہذا بلا دلیل کوئی نبوت کا دعوی کیونکر کرسکتا ہے اور جس وقت کوئی یہ کہے کہ جب تم نے اللہ کے لئے یہ جائز رکھا وہ کذاب میں کذب پیدا کرسکتا ہے تو تم نے یہ جائز کردیا کہ اللہ تعالے اُس کذاب کے ہاتھوں پر صداقت کی نشانیاں ظاہر کرتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ممتنع ہے کیونکہ صدق کی دلیلیں ہی کو صدق ہی کو مستلزم ہوتی ہیں وجہ اس کی یہ کہ دلیل مدلول کو مستلزم ہوتی ہے لہٰذا کاذب کے ہاتھ پر صدق کی علامتیں ظاہر کرنا لذاتہ ممتنع ہے پس یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے اور اگر یہ کہیں کہ ان لوگوں نے جھوٹے کے ہاتھ سے خارق عدات (یعنی خلاف عادت) کا ہونا جائز رکھا ہے ہم کہتے ہیں ہاں ہم بھی ایسے شخص کے ہاتھ سے خارق کا ہونا جائز کہتے ہیں جو معبود ہونے کا دعوے کرے جیسے دجال کیونکہ معبود بننے کے دعوے میں اس کا جھوٹا پن ظاہر ہوجانے کے بعد یہ خارق عادت اس کے سچے ہونے پر دلالت نہیں کرسکتی اور ممتنع کذاب سے صدق کی دلیل ظاہر ہوجانا ہے اور اگر یہ کہیں کہ ان لوگوں نے مدعی نبوت سے باوجود اس کے جھوٹے ہونے کے خوارق (عادات) کے ظاہر ہونے کو جائز رکھا ہے ہم کہتے ہیں ہاں یہ ایسے طریق پر جائز ہے جس سے اُس کے صدق پر دلالت نہیں ہوسکتی جیسے جادوگروں اور کاہنوں سے بعض خوارق عادات ایسی ظاہر ہوتی ہیں کہ ان کے سچے نہ ہونے کا ان میں کوئی قرینہ ضرورت ہوتا ہے اور اُس کی بحث اپنے اپنے موقع پر مفصل بیان کی گئی ہے۔

چوتھا جواب: یہ ہے کہ نبوت کی دلیل اور اُس کی علامتیں اور جس سے نبی کی صداقت معلوم ہو وہ

خوارق ہی میں محصور نہیں ہیں۔ بلکہ صدق کی معرفت کے طریقے مختلف ہیں جیسے کذب کی معرفت کے طریقے مختلف ہیں اور اپنے موقع پر اس کا بیان ہو چکا ہے۔ واللہ اعلم۔

معاصی کی سزاؤں اور حدود کی بیکاری: پھر شیعی علماء فرماتے ہیں کہ اُن میں سے ایک یہ ہے کہ معاشی کی سزاؤں اور حدود کا معطل اور بے کار ہونا لازم آتا ہے۔ کیونکہ (معاشی مثلاً) زنا جب اللہ کے ارادے سے ہو۔ اعلیٰ ہذا القیاس۔ چوری جب اللہ ہی (کے حکم) سے صادر ہوئی اور اُس کا ارادہ ہی ان میں مؤثر ہے تو اب بادشاہ کو اُن پر مواخذہ (اور سزا دینا) جائز نہیں ہے کیونکہ وہ چور کو اللہ کی مراد سے روکتا ہے اور ایسے امر پر (یعنی چوری نہ کرنے پر) لگاتا ہے جو اللہ نے پسند نہیں کیا حالانکہ ہم میں سے اگر کوئی کسی کو اللہ کی مرضی سے روکے اور اُسکی خلاف مرضی پر لگائے تو ملامت کا مستحق ہوتا ہے. علاوہ ازیں یہ بھی لازم آتا ہے کہ اللہ نے دو نقیضوں کا ارادہ کیا ہو کیونکہ معصیت بھی اُس کا مقصود ہے اور معصیت سے روکنا بھی اُس کا مقصود ہے (اور یہی ضدین ہیں) اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے جو ہم نے بیان کیا ہے اُس سے اس کا جواب بھی نکلتا ہے علاوہ اس کے اور کئی طرح سے بھی اِس کا جواب دیا جاتا ہے۔

پہلا جواب: یہ ہے کہ ان معاصی میں سے جو کچھ اللہ نے مقدر کیا ہے وہ وہ ہے جو واقع ہو چکا ہے نہ وہ کہ جو ابھی تک ہوا نہیں اور جو ہو چکا ہے اُسے اب کوئی نہیں لوٹا سکتا چنانچہ حدود اور سزاؤں کے ذریعہ سے بھی اسی امر کو روکا جاتا ہے جو ابھی تک واقع نہیں ہوا مطلب یہ ہے کہ جو اللہ نے چاہا وہ ہو چکا جو نہیں چاہا نہیں ہوا تو اب اس معترض کا یہ کہنا کہ بادشاہ چور کو اللہ کی مراد سے روکتا یہ اُس کا جھوٹ ہے کیونکہ بادشاہ تو اسی فعل سے روک سکتا ہے جو ابھی تک واقع نہیں ہوا اور جو واقع نہیں ہوا اس کا اللہ نے ارادہ ہی نہیں کیا۔ اسی وجہ سے اگر کسی نے قسم کھا کر یہ کہا کہ انشاء اللہ تعالیٰ میں اس مال کو ضرور چراؤں گا اور نہ چرایا تو باتفاق تمام مسلمانوں کے یہ قسم والا حانث نہ ہوگا کیونکہ اللہ نے (گویا) اُس کے چرانے کو چاہا ہی نہیں۔ (جو اُس نے نہیں چرایا) لیکن قدریہ کے نزدیک چونکہ ارادہ کے معنی امر ہی کے ہیں اس لیے وہ کہتے ہیں کہ جب چوری کرنا اللہ کی مراد ہوئی تو بس یہی مامور بہ ہے حالانکہ تمام مسلمانوں کا اجماع ہے اور اُن کے دین سے بھی یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے چوری کا بھی امر نہیں کیا اور جس کا قول یہ ہے کہ جو کچھ واقع ہو چکا ہے اُس کے مقصود کے موافق ہے وہ بھی یہ کہتا

ہے کہ یہ مقصود ہے نہ یہ کہ مامور بہ ہے۔ غرض کہ اس سے مامور بہ سوائے کافر کے اور کوئی نہیں کہہ سکتا۔ لیکن یہ ان لوگوں کے مباحثہ میں کہا جاتا ہے۔ جو معاصی پر تقدیر سے حجت لاتے ہیں۔ کیونکہ اُن میں بعض کا یہ خیال ہے کہ معاصی میں سے جس معصیت کو انسان اپنے لئے مقدر سمجھ لے گا اُس کے خلاف نہیں کر سکتا۔ اور ان ہی میں بعض وہ لوگ ہیں جو اُس پر اللہ کے معاون ہونے کے قائل ہیں۔ اس خیال سے کہ اللہ نے اس فعل کا ارادہ کر لیا ہے۔ اگر چہ یہ فعل حرام اور معصیت ہی ہو پس یہ لوگ اللہ کی مراد سے نہیں رکتے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کی مراد سے روکنا کسی تقدیر پر نہیں ہو سکتا۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ تمام معاصی قبائح سے لوگوں کا رکنا اور ظلم اور ظالم کا دفع کرنا اور مظلوم کا حق ظالم سے لینا اور ایسے شخص کی حجت باطل کرنا جو تقدیر سے اس پر حجت کرے ایک ایسا امر ہے جو تمام لوگوں کی فطرت اور عقلوں میں بسا ہوا ہے۔ باوجود یہ کہ یہ سب تقدیر کے قائل ہیں اور جس وقت سب میں اتنی قدرت ہو کہ جو جس بُرائی اور خرابی کو چاہے کر لے اور تقدیر سے اس پر حجت کرے تو پھر اُن کی حالت کی صلاحیت ہونی اور ان کا دنیا میں رہنا کسی طرح ممکن نہیں ہے اور ہم یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ جو لوگ معاصی پر تقدیر سے حجت لاتے ہیں جس وقت وہ اپنے قول کو نظر انداز کر دیں تو وہ یہود اور نصاریٰ سے بھی پرلے درجہ کے کافر ہیں اور تقدیر کے جھٹلانے والوں سے بھی زیادہ بدتر ہیں۔ واللہ اعلم۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ جو امور بالاتفاق مقدورہ ہیں جس وقت اُن میں کوئی خرابی ہو تو ان کے واقع ہو جانے کے بعد بھی ان کا رد کرنا اور ازالہ کر دینا ہی بہتر ہے جیسا کہ مرض وغیرہ۔ کیونکہ اللہ کے بعض فعل بالاتفاق اللہ کی مراد اور اُس کے مقصود ہوتے ہیں۔ اور باوجود اس کے بھی انسان کے لیے بہتر یہ ہے کہ اسباب سے بچ کر ان کے موجود ہونے کی ضرور ہی روک دے اور ان کے موجود ہو جانے کے بعد بہتر یہ ہے کہ اُن کے ازالہ میں کوشش کرے حالانکہ اُس میں اللہ کی مراد کا ازالہ ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ چور کا ہاتھ کاٹنا اللہ کی مراد پوری ہونے کو روکتا ہے تو زوالِ مرض کیلئے دوا کا پینا بھی اللہ کی مراد پوری ہونے کو مانع ہوگا اور اسی طرح جو دیوار گری جاتی ہو اُس کا سیدھی کر دینا جیسا کہ خضر علیہ السلام نے ایک دیوار کو کر دیا تھا اور اسی طرح بھوک جو لگی ہوئی ہو اُسے کھانے سے رفع کرنا اور سردی کو گرمائی

سے دفع کرنا اور دھوپ کو سایہ سے روکنا بھی ایسا ہی ہے اور آنحضرت ﷺ سے کسی نے کہا تھا کہ یارسول اللہ یہ بتا دیجئے کہ بہت سی دواؤں وغیرہ سے ہم اپنا علاج کرتے ہیں تو صحت ہو جاتی ہے کیا یہ دوائیں وغیرہ کچھ تقدیر الٰہی کو رد کر دیتی ہیں فرمایا (نہیں بلکہ) یہ بھی تقدیر الٰہی سے ہیں (کہ اگر فلاں دوا استعمال کرو گے تو صحت ہو جائے گی) پس آنحضرت ﷺ نے یہ بیان کر دیا کہ تقدیر، تقدیر الٰہی سے رد ہو جاتی ہے۔ یہی مطلب اللہ کے اس قول کا ہے۔ لَہٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَمِنْ خَلْفِہٖ یَحْفَظُوْنَہٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ ۔

چوتھا جواب: یہ ہے اُس رافضی کا یہ کہنا (اور لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نقیضین کا ارادہ کرلے کیونکہ معصیت کرنا بھی اُس کا مقصود ہے اور اس سے روکنا اور زجر کرنا بھی اُس کا مقصود ہے) یہ کلام ساقط الاعتبار ہے کیونکہ نقیضین وہ ہوتی ہیں جو نہ جمع ہوسکیں اور نہ مرتفع ہوسکیں یا وہ ہیں جو فقط جمع نہ ہوسکیں اور یہی دو امر آپس میں متضاد کہلاتے ہیں۔ اور زجر ایسا فعل نہیں ہے جو واقع ہو اور کوئی اُس کا ارادہ کرسکے بلکہ وہ گزشتہ فعل پر دھمکانا اور سزا دینا اور آئندہ کرنے سے روکنا ہوتا ہے اور وہ زجر جو ارادہ سے ہو اگر اس سے مقصود حاصل ہو گیا ہو تو پھر مزجور عنہ حاصل نہیں ہوا تو یہ زجر ہی پوری نہ ہوئی بلکہ یہ مقصود اس زجر کا کرنا ہو گا جیسا کہ مرض اندیشہ ناک ہوا کرتا ہے۔ جو کبھی موت کا سبب ہو جاتا ہے اور باوجود اس کے حیات بھی مقصود ہوتی ہے اور سبب کا ارادہ کرنا مسبب کے ارادہ کو موجب نہیں ہوتا ہاں جس وقت کہ پورا سبب موجود اور جیسا کہ امر بالفعل اور اس کی ترغیب اس کے وقوع کا سبب ہو جاتی ہے پھر کبھی مسبب ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔ اگر وہ ہو گیا ہے تو سبب اور مسبب دونوں مراد ہو جاتے ہیں ورنہ وہی مراد ہوتا ہے جو کہ جو واقع ہو گیا ہے۔

پانچواں جواب: یہ ہے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ارادہ کی دو قسمیں ہیں ایک قسم تو بمعنی مشیت ہے اُس سے شے کے لیے جو پیدا ہو چکی ہے پس یہ ہر حادث کو شامل ہو گی نہ اُس کو کہ جو شئے ابھی حادث نہیں ہوئی اور ایک قسم بمعنی محبت ہے اُس چیز کے لیے جس کا امر ہو چکا ہے پس یہ ارادہ طاعات ہی کے متعلق ہوتا ہے اور جب یہ اس طرح ہے تو جو معاصی واقع ہو وہ پہلے معنی پر مراد ہو گا کیونکہ اللہ جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا ہے اور جو شے واقع ہو چکی ہے اُس کے ہونے ہی کو گویا

اللہ نے چاہا ہے اور معاصی سی زجر کرنا بمعنی ثانی مراد ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ نہی عن المنکر کو پسند فرماتا ہے اور اُس سے راضی ہوتا ہے اور اس کے کرنے والے کو ثواب عطا کرتا ہے بخلاف فعل منکر کے نہ اللہ اُس سے پسند کرتا ہے نہ اُس سے راضی ہے نہ اُس کے کرنے والے کو ثواب عطا کرتا ہے پھر زجر در حقیقت اُس فعل سے ہوتی ہے جو ابھی واقع نہیں ہوا اور سزا اُس پر ہوتی ہے جو واقع ہو چکا ہے پس جس وقت چوری قضا اور تقدیر الٰہی سے واقع ہوئی حالانکہ ان کی بابت اللہ نے سزاؤں کے دینے کا حکم فرمایا تو یہ سزا دینا ہی مامور بہ ہوگا یہی اس کو پسند اور محبوب ہوگا اور اگر واقع نہیں ہوئی تو جس قدر معصیت ہوگی اُس میں اللہ کا ارادہ نہ ہوگا اور نہ وہ شرعاً اُسے پسند ہوگی بعض راویوں نے ذکر کیا ہے کہ ایک آدمی نے چوری کی تھی پھر خود اُس نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ میں نے قضاء الٰہی سے چوری کی ہے (خود اپنی طرف سے نہیں کی) آپ نے اُس سے فرمایا بہتر ہے میں بھی قضاء الٰہی سے تیرا ہاتھ کاٹوں گا۔ اسی طرح اُس شخص کے حق میں بھی کہا جاتا ہے جو حدود اللہ سے تعدی کرے اور عقوبت شرعیہ پر بندوں کی اعانت کرے جیسا کہ کوئی مسلمانوں کے کفار سے جہاد کرنے پر اعانت کیا کرتا ہے باوجود یہ کہ یہ سب افعال قضا اور تقدیر الٰہی سے ہوتے ہیں لیکن جس کا اُس نے امر فرمایا ہے وہ اُسے پسند ہے اُس کے کرنے سے وہ راضی ہوتا ہے اور شرعاً اور دیناً اس کا ارادہ بھی کرتا ہے جیسا کہ اُس نے اپنی مشیت سے اُسے پیدا اور موجود کیا ہے۔ بخلاف اس امر کے جس سے اُس نے منع کر دیا ہو۔

معقول و منقول کی مخالفت: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ ان ہی امور میں سے ایک یہ ہے کہ مخالفت معقول اور منقول لازم آتی ہے لیکن معقول تو اس لئے کہ پہلے یہ علم ضروری بیان ہو چکا ہے (یعنی سب جانتے ہیں) کہ ہمارے افعال ضروری اختیاریہ کہ استناد ہماری طرف ہے اور اُن کا وقوع ہمارے ارادہ کے موافق ہوتا ہے۔ چنانچہ جس وقت ہم داہنی طرف حرکت کرنا چاہتے ہیں تو بائیں طرف حرکت نہیں ہوتی اور بالعکس بھی اور اس میں شک کرنا عین غلطی ہے اس کا جواب کئی طرح سے ہے۔

پہلا جواب: تو یہ کہ جمہور اہل سنت اس کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ انسان کے اختیاریہ افعال انسان کی طرف مستند اور منسوب ہوتے ہیں اور بے شک انسان ان کا فاعل اور ان کا محدث ہے۔ ہاں نزاع اس میں اُن لوگوں کا ہے جو کہتے ہیں کہ بندہ کے لیے کوئی فعل نہیں ہے اور نہ اُس کی قدرت کی ان

افعال میں کوئی تاثیر ہے اور نہ بندہ اُن کو حادث کرتا ہے اور اُن لوگوں کا اُن متکلمین میں سے ایک فرقہ ہے جو تقدیر کے قائل ہیں باقی تمام اہل سنت اسی کے قائل ہیں جیسا کہ نصوص بھی اس بارے میں آئی ہیں۔ اللہ اور اللہ کا رسول بندہ کی اس پر تعریف کرتے ہیں کہ وہ عمل اور فعل کرتا ہے۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ بلکہ اس کے منکرین بھی علم ضروری کے مخالف ہیں کیونکہ بندہ کا (ایک فعل کے کرنے میں) مرید (ارادہ کرنے والا) اور فاعل ہونا بعد اس کے کہ وہ فاعل نہ تھا ایک امر حادث ہے جو نہ ہونے کے بعد ہوا ہے پس یا تو اُس کے لیے کوئی محدث ہوگا یا نہ ہوگا کوئی محدث نہیں ہے تو حوادث کا حدوث بلا محدث کے ہونا لازم آئے گا اور اگر اُس کا کوئی محدث ہے تو یا تو وہ یہ بندہ ہی ہوگا اور یا اللہ تعالے اور یا کوئی ان دونوں کے سوا پس اگر بندہ ہے تو اُس کے اس فاعلیت کو حادث کرنے میں وہی بحث ہوگی جو اُسکے احداث کے حادث کرنے میں تھی۔ اور تسلسل لازم آئے گا۔ اور یہ یہاں بالاتفاق باطل ہے۔ اور وجہ تسلسل ہونے کے یہ ہے کہ بندہ بھی حادث ہے کیونکہ یہ خود نہ ہونے کے بعد پیدا ہوا ہے۔ لہٰذا ایسے حوادث کا قیام اُس کے ساتھ ہونا جن کی کوئی ابتدا ہی نہ ہو ممتنع ہے اور اگر محدث اللہ کے سوا ہوگا تو اُس میں بھی یہی بحث ہوگی جو بندے میں ہے۔ لہٰذا یہ امر متعین ہوگیا کہ بندہ کے مرید اور فاعل ہونے کے لیے اللہ ہی خالق ہے یہی مقصود ہے اور سب اہل سنت اس علم ضروری کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ بندہ فاعل ہے اور اللہ تعالی اُس کے فعل کا خالق ہے۔ بندہ مرید مختار ہے اور اللہ نے اُس کو مرید و مختار کیا ہے۔ اللہ نے فرمایا۔ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا وَمَا تَشَآؤُنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ. یعنی یہ قرآن شریف بے شک نصیحت ہے لہٰذا جو شخص چاہے اپنے اللہ کا راستہ لے لے اور نہیں چاہ سکتے تم مگر وہی کہ جو اللہ چاہے۔ یہاں اللہ نے بندہ کی مشیت کو ثابت کر کے یہ بتلا دیا کہ وہ بلا مشیت وہ خداوندی کے حاصل نہیں ہوسکتی اور حضرت (ابراہیم) خلیل علیہ السلام نے (جناب باری میں) دعا کی تھی کہ۔ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ. (یعنی یا الٰہی مجھے اور میری اولاد میں سے پابند نماز کردے) اور یہ بھی دعا کی۔ وَجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ. (یعنی لوگوں کے دلوں کو اُن کی طرف مائل کردے) اور انہوں نے اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً

مُسْلِمَۃً لک. اوراللہ نے فرمایا. وَجَعَلْنَا هُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا. اورایسی مثالیں قرآن شریف اور احادیث میں بکثرت ہیں پس ان لوگوں کی دلیل بندہ کی مشیت اوراُس کی مقتضی ہے کہ بندہ بااختیار فاعل ہے اور یہی دلیل اسکی بھی مقتضی ہے کہ یہ مشیت اوراخیار اللہ ہی کی مشیت سے حاصل ہوتے ہیں اور یہ دونوں امرحق ہیں پس جو یہ کہے کہ بندہ کے لیے نہ مشیت ہےاور نہ اختیار ہے یا یہ کہے کہ بندہ میں کسی طرح کی قدرت نہیں ہے یا یہ کہ اُس نے یہ فعل نہیں کیا یا اس فعل میں اُس کی قدرت کا کوئی اثر نہیں ہے اور نہ کوئی تصرف کرتا ہے تو اُس شخص نے ضرورۃ اولیٰ کا انکار کر دیا اور جس کا قول یہ ہے کہ بندہ کا ارادہ اور اُس کا فعل بلا ایسے سبب کے حادث ہوتا ہے جواُس کے حدوث کا مقتضی ہو یا یہ کہ بندہ نے اُس فعل کو حادث کیا اور حادث کرنے کے وقت اُس کا حال ویسا ہی تھا جیسا کہ حادث کرنے سے پہلے تھا۔ بلکہ دو زمانوں میں سے ایک کو احدث کے ساتھ بلا ایسے سبب کے خاص کیا جو اس خصوصیت کا مقتضی ہوتا تو گویا یہ شخص اس امر کا قائل ہے کہ حوادث کا حدوث بلا فاعل کے ہوتا ہے اور جب یہ لوگ کہیں گے کہ ارادہ کی کوئی علت نہیں ہوتی تو اِن کا یہ کلام ایسا ہوگا کہ اُس کی کوئی حقیقت نہیں ہے کیونکہ ارادہ امر حادث ہے لہٰذا اس کے لیے محدث ہونا ضروری ہے اور ان کا یہ قول ایسا ہے جیسا اُنہوں نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ارادہ کو حادث کرتا ہے لیکن نہ کسی محل میں اور نہ اس کا کوئی ایسا سبب ہوتا ہے جو اُس کے حدوث کا مقتضی ہو پس اس قول کی وجہ سے ان پر تین محال لازم آتے ہیں اول تو حوادث کا حدوث ہونا بلا ارادہ اللہ کے دوسرے حدوث حادث کا بلا سبب حادث کے تیسرے قیام صفت کا بنفسہا نہ کسی محل میں اور اگر تم چاہو یہ کہہ سکتے ہو کہ بندہ کا مرید ہونا امر ممکن ہے جس کے وجود کو عدم پر ترجیح نہیں ہوسکتی اور نہ ممکن کی دونوں طرفوں (عدم وجود) میں سے ایک کو بلا مرجح تام کے ترجیح ہوتی ہے اور یہ وہ حجت ہے جس سے امام رازی نے ان پر حجت کی ہے اور یہ فی نفسہ صحیح اور مسئلہ حدوث عالم کے مناقض ہے اور اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ان افعال کا محدث اللہ کیونکر ہوسکتا ہے۔ حالانکہ ان کا محدث بندہ ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کے انہیں حادث کرنے کے یہ معنی ہیں کہ اس نے ان کو پیدا کیا ہے یہ اُس سے منفصل ہو کہ بندہ کے ساتھ قائم ہیں پھر اُس نے اپنی اُس قدرت اور مشیت سے جو اُس نے خود پیدا کی ہے۔ بندہ کو ان کا فاعل کر دیا ہے اور بندہ کے

حادث کرنے کے یہ معنی ہیں کہ یہ فعل جو اُس کے ساتھ قائم ہے اُس کی اس قدرت اور مشیت سے حادث ہوا ہے جو اللہ نے اُس میں پیدا کر دی ہے اور ان دونوں احداثوں میں سے ایک دوسرے کو مستلزم ہے اور جہت اضافت کی دونوں میں مختلف ہے پس وہ فعل جو اللہ نے کیا ہے وہ اس سے مبائن اور مخلوق کے ساتھ قائم ہے اور جو فعل بندہ نے کیا ہے وہ اُس کے ساتھ قائم ہے اور بندہ فعل کا فاعل اپنی مشیت اور قدرت سے نہیں ہوسکتا جب تک اللہ اُس کو ایسا نہ کر دے پس وہی اُس کی قدرت اور مشیت کو اور اُس فعل کو جو اُس کی وجہ سے ہوتا ہے پیدا اور حادث کرتا ہے۔ اور جب اُس نے اُس کو فاعل کر دیا تو اب فعل کا ہونا ضروری ہے۔ پس اللہ کا فعل کیلئے بندہ کو پیدار کرنا اُس فعل کے وجود کو مستلزم ہے اور بندہ کا اُس کے لیے فاعل ہونا بعد اس کے کہ پہلے نہ تھا اُس فعل کے لیے اللہ کے خالق ہونے کو مستلزم ہے بلکہ تمام حوادث اپنے اپنے اسباب کے ساتھ اسی طرح ہیں اور اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ یہی مطلب اُس شخص کے قول کا ہے جو کہتا ہے کہ یہ اللہ اور بندہ دونوں کا فعل ہے. جواب اس کا یہ ہے جس نے یہ کہا ہے کہ اللہ کا فعل وہ ہے جو اُس سے منفصل ہو اُس نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ دونوں کا فعل ہے چنانچہ ابو اسحٰق اسفرائنی کا یہ قول ہے تو اُس کے کلام کی ایسی تفسیر ہونی چاہیے جو سمجھ میں آ جائے.

لیکن جمہور اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ یہ افعال اللہ کے مفعول ہیں اس کے فعل نہیں ہیں کیونکہ اسکا فعل وہ ہے جو اسکے ساتھ قائم ہو اور فعل اُن کے نزدیک مفعول کا غیر ہوتا ہے۔ اُن کا قول یہ ہے کہ اللہ کے مفعول ہیں اُس کے فعل نہیں ہیں اور بندہ کے لیے یہ فعل ہیں. جیسا کہ بندہ کی قدرت کی بابت بھی ان کا یہی قول ہے کہ یہ بندہ کے حق میں قدرت ہے اور اللہ کے لیے مقدور ہے نہ یہ کہ یہی اللہ کی نفس قدرت ہے اور یہی بندہ کے ارادہ کی کیفیت ہے کہ وہ بندہ کے لیے ارادہ ہے اور اللہ کے لیے مراد ہے اور اسی طرح بندہ کی تمام صفات کا حال ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اکثر حوادث کو اپنی طرف نسبت کیا ہے اور ان ہی کو اپنی بعض مخلوق کی طرف بھی نسبت کر دیا ہے۔ چنانچہ اللہ فرماتا ہے۔

"اللّٰهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى" (الزمر:۴۲) یعنی سب جانوں کو اللہ ہی موت دیتا ہے ان کی موت کے وقت اور جو نہیں مریں اُن کی نیند میں پھر جن پر موت کا حکم لگا چکا ہے۔ اُن کو

روک لیتا ہے اور دوسروں کو ایک معین معیاد تک چھوڑ دیتا ہے۔ اور فرمایا۔ وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّكُمْ بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ. (یعنی اللہ تعالے وہ ہے جو رات کو تمہیں مار دیتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ تم نے دن میں کیا ہے) حالانکہ یہ بھی فرمایا ہے۔ "قُلْ يَتَوَفَّكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ" (یعنی اے محمد تم کہدو کہ تمہیں وہ ملک الموت مارتا ہے جو تم پر مقرر کردیا گیا ہے) اور فرمایا. تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ. (یعنی ہمارے پیغمبر وفات پا گئے حالانکہ وہ کسی بات میں کمی نہ کرتے تھے) اور اسی طرح ہوا کے بارے میں فرمایا۔ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا. (یعنی برباد کر دیتی ہے وہ ہوا ہر شے کو اپنے رب کے حکم سے) اور فرمایا۔ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ. (یعنی اُکھاڑ مارا ہم نے اُس شے کو جو فرعون اور اُس کی قوم بناتے تھے اور جو کچھ وہ بلند کرتے تھے) اور فرمایا إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ. (یعنی یہ قرآن شریف ایسی ہدایت کرتا ہے جو سب سے سیدھی ہے) اور فرمایا. يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ (یعنی جو شخص اللہ کی رضامندی کی جستجو میں رہتا ہے تو اللہ تعالے اس قرآن کے ذریعہ سے اُس کو سلامتی کے راستے دکھلا دیتا ہے) اور فرمایا۔ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَذَا الْقُرْآنَ. (یعنی اب ہم یہ قرآن تم پر نازل کرکے ایک بہت اچھا قصہ بیان کرتے ہیں) اور دوسری جگہ فرمایا۔ إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ. (یعنی بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل کے سامنے اکثر اُن چیزوں کو بیان کرتا ہے جس میں اختلاف کرتے تھے اور فرمایا۔ وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ (یعنی اے نبی یہ لوگ تم سے عورتوں کے بارے میں فتوی طلب کرتے ہیں کہدو کہ اللہ تمہیں اُن کے بارے میں فتوی دیتا ہے اور وہ تمہیں کتاب (اللہ) میں پڑھ کر سنایا جاتا ہے) اور فرمایا۔ فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ. (یعنی جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو لہلہانے لگتی ہے اور بڑھ جاتی ہے اور ہر قسم کی عمدہ چیز اُگاتی ہے) یہاں اُگانے کو زمین کی طرف نسبت کیا ہے اور فرمایا۔ وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ. (یعنی اور زمین کو ہم نے بچھایا اور اُس میں ہم نے

(پہاڑوں کے) لنگر ڈالے ہیں اور اُس میں ہم نے ہر قسم کی عمدہ چیزیں اُگائی ہیں یہاں اُگانے کو خود اپنی طرف منسوب کیا ہے اور فرمایا۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ۔ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۔ (یعنی وہی ہے جس نے آسمان سے تمہارے لیے پانی برسایا اس میں کچھ (تمہارے) پینے کے کام آتا ہے اور اُس سے درخت (پیدا ہوتا ہے) جس میں تم (اپنے جانوروں کو) چراتے ہو تمہارے لیے اُس (پانی) سے کھیتی اور زیتون اور چھوہارے اور انگور اور تمام میوے (کے درخت) پیدا کرتا ہے) اور دوسری جگہ فرمایا۔ حَتّٰٓي اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۔ (یعنی یہاں تک کہ جب زمین نے (سبزی اُگا کر) اپنی آرائش کر لی اور (خوب) آراستہ ہوگئی اور وہاں کے رہنے والے یہ سمجھے کہ بے شک وہ اس پر قابو رکھتے ہیں) یہاں آرائش اور آراستہ کرنے کی نسبت زمین کی طرف ہے اور دوسری جگہ فرمایا۔ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَي الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا ۔ (یعنی جو کچھ زمین پر ہے اُسے زمین کے لیے ہم نے زینت کر دیا ہے) اور فرمایا۔ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاۗءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِۨ الْكَوَاكِبِ ۔ (یعنی ستاروں کی زینت کے ساتھ ہم نے آسمانِ دنیا کو مزین کر دیا ہے اور دوسری جگہ فرمایا۔ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاۗءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۔ (یعنی وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ زمین سے نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اُترتا ہے اور جو آسمان پر چڑھتا ہے اور فرمایا۔ يُنَزِّلُ الْمَلٰۗىِٕكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ ۔ (یعنی فرشتوں کو وحی کے ساتھ اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے نازل کرتا ہے) اور فرمایا۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ یعنی اس قرآن کو لیکر روح الامین نازل ہوتے ہیں) اور فرمایا۔ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ (یعنی اس قرآن کو ہم نے حق کے ساتھ نازل کیا ہے۔ اور یہ حق ہی کے ساتھ نازل ہوا ہے۔) اور فرمایا۔ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً اور اُتارا ہم نے آسمان سے پانی) اور فرمایا وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ۭ قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۔ (اور وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی وہ بولیں گی کہ ہمیں اُس اللہ نے گویا کر دیا جس نے ہر چیز کو گویائی دی ہے) اور

حضرت سلیمان علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا۔ یَا اَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ وَاُوْتِیْنَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ. (اے لوگو ہمیں چڑیوں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہمیں ہر چیز دی گئی ہے) اور فرمایا فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ. (پس قسم ہے آسمان اور زمین کے پروردگار کی کہ بے شک یہ بات ضرور یقینی ہے جیسے تمہارا بولنا (تمہارے نزدیک یقینی ہے) پس یہ بولتے ہیں اور اللہ انہیں بلاتا اور گویا کرتا ہے اور اس نے ہر چیز کو گویا کیا ہے جب (ان آیتوں سے ثابت ہوا کہ) اللہ تعالے نے جمادات میں ایسی قوتیں پیدا کی ہیں کہ وہ افعال کرتی ہیں اور اللہ تعالی نے افعال کو اُن کی طرف نسبت بھی کیا ہے اور اس سے یہ ممتنع نہیں کہ اللہ تعالے ان کے افعال کا خالق ہو تو ضروری ہے کہ فعل کی نسبت حیوان کی طرف ہونی بھی ممتنع نہ ہو اگر چہ اُس فعل کا خالق اللہ ہی ہے پس قدریہ کا بھی اس بارے میں نزاع نہیں ہے کہ جمادات میں جو قوی اور حرکات ہیں اُن کا خالق اللہ ہے. حالانکہ خود اللہ نے یہ بیان کر دیا ہے کہ زمین اُگاتی ہے اور ابر پانی اُٹھاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا. وَالحاملات وقرا. اور ہوا بادلوں کو لے جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے۔وَ هُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ. (الاعراف:۵۷) اور یہ بھی بیان کر دیا کہ ہوا ہر شے کو برباد کر دیتی ہے اور اپنے قول۔ اِنَّا لَمَّا طَغَی الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِی الْجَارِیَةِ. سے یہ بیان کردیا کہ پانی نے طغیانی کی تھی بلکہ اس سے بھی زیادہ اُن چیزوں کا سجدہ کرنا اور تسبیح پڑھنا بیان فرمایا ہے جیسے اس آیت میں ہے۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِیْرٌ حَقَّ عَلَیْهِ الْعَذَابُ. (ترجمہ اے مخص کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور آفتاب اور ماہتاب اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چار پائے اور بہت سے آدمی اور بہت سے وہ جن پر عذاب ثابت ہو چکا ہے) اور یہ تفصیل اس سے مانع ہے کہ مراد ان سے ان کا مخلوق ہو کر خالق پر دال ہوتا ہے یا یہ کہ مراد انکی شہادت زبان حال سے ہے کیونکہ یہ تمام لوگوں کے لیے عام ہے اور اللہ تعالے نے فرمایا یَا جِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ وَالطَّیْرَ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِیْدَ. اور فرمایا۔ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ یُسَبِّحْنَ

بِالْعَشِیِّ وَالْاِشْرَاقِ وَالطَّیْرَ مَحْشُوْرَۃً کُلٌّ لَّہٗ اَوَّابٌ. (یعنی بیشک ہم نے پہاڑوں کو ان کے تابع کر دیا تھا وہ اُن کے ساتھ صبح و شام تسبیح پڑھا کرتے تھے اور (اُن کے سامنے) پرند جمع کر دیئے گئے تھے۔ سب اُن کے فرمانبردار تھے) یہاں اللہ نے یہ بیان کر دیا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑ اور پرند بھی تسبیح پڑھا کرتے تھے اور فرمایا۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُسَبِّحُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَہٗ وَتَسْبِیْحَہٗ اور فرمایا وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَہُوْنَ تَسْبِیْحَہُمْ اور فرمایا وَلِلّٰہِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّکَرْھًا اور فرمایا ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُکُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِکَ فَہِیَ کَالْحِجَارَۃِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَۃً وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَۃِ لَمَا یَتَفَجَّرُ مِنْہُ الْاَنْھٰرُ وَاِنَّ مِنْہَا لَمَا یَشَّقَّقُ فَیَخْرُجُ مِنْہُ الْمَآءُ وَاِنَّ مِنْہَا لَمَا یَہْبِطُ مِنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ. اور اُن چیزوں کے سجدہ اور تسبیح کرنے کی بحث اور جگہ مذکور ہے اور یہاں مقصود یہ ہے کہ یہ سب بالاتفاق اللہ کی مخلوق ہیں باوجود یہ کہ ان چیزوں سے فعل کرانا قرآن شریف میں بیان کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ اللہ تعالےٰ کے ہر شے کے خالق ہونے کے منافی نہیں ہے شیعی علماء فرماتے ہیں کہ رہا منقول۔ سو قرآن ایسی مثالوں سے بھرا ہوا ہے جن میں انسان کے افعال کی اسناد انسان ہی کی طرف ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا۔ وَاِبْرَاھِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰی اور فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا. وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی. اور فرمایا۔ اُدْخُلُوا الْجَنَّۃَ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ. اَلْیَوْمَ تُجْزٰی کُلُّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ. اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ. لِتُجْزٰی کُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰی مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَۃِ فَلَہٗ عَشْرُ اَمْثَالِہَا وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَۃِ فَلَا یُجْزٰٓی اِلَّا مِثْلَہَا. لِیُوَفِّیَہُمْ اُجُوْرَہُمْ. لَہَا مَا کَسَبَتْ وَعَلَیْہَا مَا اکْتَسَبَتْ. فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِیْنَ ھَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَیْہِمْ طَیِّبٰتٍ. کُلُّ امْرِئٍ بِمَا کَسَبَ رَھِیْنٌ. مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِہٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْہَا. ذٰلِکَ بِمَا قَدَّمَتْ یَدٰکَ. وَمَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ الخ.

جواب: اس کا یہ ہے کہ یہ سب حق ہے اور تمام اہل سنت اِس کے قائل ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ بے شک بندہ اپنے فعل کا حقیقۃً فاعل ہے مجازاً نہیں ہے ہاں اس بارے میں متکلمین کے ایک فرقہ نے

اختلاف کیا ہے۔ جیسے اشعری وغیرہ حالانکہ قرآن شریف ایسی مثالوں سے بھرا ہوا ہے۔ جو اس پر دال ہیں کہ اللہ کی مشیت اور اُس کی قدرت اور خلق سے بندوں کے افعال حادث ہیں پس واجب ہے کہ قرآن شریف کے تمام امور پر ایمان لائے اور یہ جائز نہیں ہے کہ ہم بعض کتاب پر ایمان لائیں اور بعض کے منکر رہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَوْ شَاءَ اللّٰہُ مَا اقْتَتَلُوْا وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ اور فرمایا فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ یُّرِدْ اَنْ یُّضِلَّہٗ یَجْعَلْ صَدْرَہٗ ضَیِّقًا حَرَجًا اور فرمایا وَلَوْ شَاءَ رَبُّکَ مَا فَعَلُوْہُ فَذَرْھُمْ وَمَا یَفْتَرُوْنَ اور فرمایا وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَیْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِکَ غَدًا اِلَّآ اَنْ یَّشَاءَ اللّٰہُ۔ اور تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ اگر کوئی آدمی قسم کھا کر یہ کہے کہ میں انشاء اللہ تعالیٰ کل ظہر کی نماز پڑھوں گا۔ یا وہ دَین جو میرے ذمہ ہے ادا کروں گا حالانکہ قرض خواہ اس سے مطالبہ بھی کرے یا کوئی اس پر حلف کرے کہ میں وہ امانت دے دوں گا اور پھر اُس نے یہ افعال نہ کئے تو یہ شخص اپنی قسم میں حانث نہ ہوگا اور اگر مشیت بمعنی امر ہوتی تو یہ ضرور حانث ہو جاتا ہے۔ شیعی علماء کہتے ہیں اور اشاعرہ کا یہ مذہب ہے کہ اللہ تعالےٰ کو لوگ آنکھوں سے دیکھیں گے باوجود یہ کہ وہ جہات سے مجرد اور منزہ ہے اور خود اللہ فرماتا ہے۔ لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارُ۔ (یعنی آنکھیں اُس کا ادارک نہیں کر سکتیں اور وہ آنکھوں کا ادراک کرتا ہے۔ اور اشاعرہ نے اس بارے میں بداہت کا خلاف کیا ہے کیونکہ آنکھ سے اُسی چیز کا ادارک ہوتا ہے جو مقابل ہو یا حکم میں مقابل کے ہو اور اس میں یہ تمام عقلا کے مخالف ہیں اور یہ بھی اُن کا مذہب ہے یہ کہتے ہیں ایسا ہو سکتا ہے کہ زمین سے آسمان تک ایک پہاڑ ہو اور مختلف اُس کے رنگ ہوں اور وہ ہمیں نظر نہ آئے علیٰ ہذا القیاس۔ بڑی دہشت ناک آوازیں ہوں لیکن وہ ہمیں سنائی نہ دیتی ہوں اسی طرح بہت سے لشکر ہوں جو طرح طرح کے ہتھیاروں سے مسلح ہوں اور ہم سے اس قدر قریب ہوں کہ ان کے بدن ہمارے بدنوں سے لگتے ہوں لیکن ان کی صورتیں بھی نظر نہ آئیں نہ اُن کی حرکات ہمیں معلوم ہوں اور نہ اُن کی آوازیں ہمارے کانوں میں آئیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم سب سے چھوٹے جسم کو دیکھ لیں جیسے ذرہ اگرچہ وہ مشرق میں ہو اور ہم مغرب میں اور اگرچہ بہت سے چیزیں بھی ہمارے اُس کے درمیان حائل ہوں اور یہی دھوکہ ہے۔ اس کا جواب کئی طرح سے ہے۔

پہلا جواب: تو یہ ہے کہ آخرت میں اللہ کو آنکھوں سے دیکھنے کو ثابت کرنا تمام امت کے سلف اور اُن کے ائمہ اور چاروں مذاہب کے جمہور مسلمانوں وغیرہ کا یہ قول ہے اور محدثین کے نزدیک اس بارے میں آنحضرت ﷺ سے احادیث متواترہ وارد ہیں اور جو لوگ روایت کے قائل ہیں۔ وہ سب یہ کہتے ہیں کہ بے شک لوگ اللہ کو اپنی آنکھوں سے اپنے سامنے دیکھیں گے جیسا کہ یہی عقل سے بھی معلوم ہوتا ہے اور نبی ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ قیامت کے روز تم اللہ کو اس طرح دیکھو گے جس طرح سورج کو دیکھتے ہو کہ تمہیں اُس کے دیکھنے میں بالکل شک وشبہ نہیں رہتا اور ایک روایت میں یہ ہے حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ کیا تمہیں ایسے وقت سورج کو دیکھنے میں کچھ شک رہتا ہے جبکہ ابر وغیرہ بالکل نہ ہو صحابہ نے عرض کیا نہیں پھر آپ نے پوچھا کہ آیا چاند کے دیکھنے میں کچھ شک رہتا ہے جبکہ ابر نہ ہو عرض کیا نہیں فرمایا تو بس جس طرح تم چاند اور سورج کو دیکھتے ہو اسی طرح (قیامت کے دن) اپنے اللہ کو دیکھو گے اور جب یہ اس طرح ہے تو بس اُس کے بعض احکام میں بعض اہل سنت کے غلطی کر دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ تمام اہل سنت والجماعت کے مذہب میں قدح ہے کیونکہ اہل سنت والجماعت کے ہر فریق کی عصمت کے ہم مدعی نہیں ہیں۔ بلکہ ہمارا دعویٰ فقط اتنا ہے کہ تمام اہل سنت گمراہی پر متفق نہیں ہو سکتے اور یہ بھی دعویٰ ہے کہ جس مسئلہ کے اندر اہل سنت اور رافضہ کا اختلاف ہوگا۔ پس صواب (اور حق) اہل سنت ہی کے ساتھ ہوگا۔ اور رافضہ کی جب ہی کوئی بات ٹھیک ہوگی۔ جس وقت یہ بعض اہل سنت کے موافق ہوں گے ورنہ رافضہ کا جو قول کسی اہل سنت کے بھی موافق نہ ہوگا تو یہ ضرور اس میں خطا پر ہوں گے۔ جیسا کہ بارہ اماموں کی امامت اور اُن کی عصمت کا مسئلہ۔

دوسرا جواب: یہ ہے جن لوگوں کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالے کو بلا مقابلہ دیکھیں گے تو وہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالی عالم کے اُوپر نہیں ہے پس جب یہ روایت ہونے کو مانتے ہیں اور رویت کے منکر ہیں تو ان پر ان دونوں مسئلوں میں جمع کرنا ضروری ہے اور یہ قول کلابیہ اور اشعریہ میں سے ایک فرقہ کا ہے سب کا قول یہ نہیں ہے بلکہ اُن کے ائمہ کا بھی یہ قول نہیں ائمہ یہ کہتے ہیں۔ کہ بے شک اللہ تعالی بذاتہ عرش کے اوپر ہے اور اُن میں سے جس نے اس کا انکار کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ اس انکار اور اُس کے ملزومات کا انکار کرنے میں معتزلہ کے موافق ہو گئے ہیں۔ جب یہ لوگ

اُس دلیل کے صحیح ہونے میں معتزلہ کے موافق ہو گئے جس سے معتزلہ نے حدوثِ عالم پر استدلال کیا ہے اور وہ دلیل یہ ہے کہ جسم حرکت و سکون سے خالی نہیں ہوتا اور جو ان دونوں سے خالی نہیں ہوتا ہے وہ حادث ہوتا ہے۔ کیونکہ ایسے حوادث کا ہونا ممتنع ہے کہ جس کا اول نہ ہو تو یہ بھی اس کے قائل ہو گئے کہ ہر جسم کا حادث ہونا لازم ہے اور ممتنع ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم ہو کیونکہ وہ قدیم ہے اور ممتنع ہے کہ وہ کسی جہت میں ہو کیونکہ جہت میں فقط جسم ہی ہوتا ہے تو اب یہ بھی ممتنع ہوگا کہ وہ کسی دیکھنے والے کے سامنے اور مقابل ہو کیونکہ مقابلہ وہیں ہوتا ہے جہاں دو جسم ہوں اس میں شک نہیں کہ جمہور جو رویت کے مقر اور منکر ہیں. سب یہ کہتے ہیں کہ یہ قول بالکل غلط ہے اور اسی وجہ سے امام رازی نے یہ ذکر کیا ہے کہ تمام امت کے فرقے اس بارے میں مخالف ہیں۔ لیکن وہ اس سے یہ کہتے ہیں کہ ہم رویت کو ثابت مانتے ہیں اور جہت کی نفی کرتے ہیں جس سے یہ لازم آیا جو تم نے بیان کیا ہے پس اگر بلا جہت کے رویت ممکن ہو جائے تو ہمارا قول صحیح ہوگا اور اگر ممکن نہ ہو تو دونوں مسئلوں میں سے ایک میں ہمارا خطا پر ہونا لازم آئے گا تو رویت کی نفی میں اور یا اللہ کا اپنی مخلوق سے مبائن اور اُن سے اوپر ہونے کی نفی میں اور جب دونوں میں سے ایک میں خطا لازم آتی ہے تو رویت کی نفی میں خطا ہونی متعین نہ ہو بلکہ اُن لوگوں کا گمان ہے کہ مبانیت اور علو کی نفی میں خطا ہو اور یہاں ہمارا تمہارے موافق ہو جانا تمہارے لیے حجت نہیں ہو سکتا پس ہمارے قول میں تناقض ہونا تمہارے قول کے حق ہونے پر کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے اوپر نہیں ہے دلیل نہیں ہو سکتا ہے۔ بلکہ رویت نصوص مستفیضہ اور اجماع سلف سے ثابت ہے باوجود یہ کہ اس پر عقل بھی دلالت کرتی ہے۔ اور اس وقت پس لازم حق کا حق ہے اور جب ہم نے اس حق کو ثابت کر دیا اور اُس کے بعض لوازم کی نفی کر دی تو یہ تناقض حق اور اُس کے لوازم کی نفی کرنے سے کم ہے اور تم نے چونکہ رویت اور علو اور مبانیت سب کی نفی کر دی ہے تو تمہارا قول ہے ہمارے قول سے باعتبار عقل اور نقل ہر طرح ابعد ہے اور اگر ہمارے قول میں تناقض ہے تو تمہارے قول میں اس سے بھی زیادہ تناقض ہے باوجود یہ کہ تم نصوص قرآن اور حدیث اور سلف امت کے اجماع کے بھی مخالف ہو کہ اِن سے صفات (باری) اور رویت اور اللہ کا عرش پر ہونا متواتر ثابت ہے اور ان نفی کرنے والوں کے پاس کوئی سند نہیں ہے نہ قرآن نہ حدیث نہ اجماع بلکہ یہ رویت فاسدہ کے ساتھ

اس کا مقابلہ کرتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ سے تواتر اور آپ کے اتباع یعنی مہاجرین اور انصار سے ثابت ہے اور وہ تناقض یہ ہے کہ جو لوگ رویت کی نفی کرتے ہیں ان کا قول یہ ہے کہ اللہ بے شک موجود ہے لیکن نہ وہ عالم میں داخل ہے اور نہ عالم سے مبائن ہے نہ کسی شے کو اس سے قربت ہے نہ اُس کو کسی شے سے قربت ہے نہ اُس کو کوئی دیکھ سکتا ہے اور نہ اُس کے دیکھنے میں کسی قسم کا کوئی حجاب ہے نہ اُسکی طرف کوئی شے چڑھ سکتی ہے اور نہ اُس کی طرف سے کوئی شے نازل ہوتی ہے اور اسی طرح کے اور اقوال ہیں اور جس وقت کوئی ان سے کہے کہ یہ تو عقل کے خلاف ہے اور یہ صفت ایسے معدوم کی ہے جس کا ہونا بھی ممتنع ہو تو کہتے ہیں کہ یہ نفی (وہم اور خیال) سے ہوتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب عقل پر کوئی ایسی موجود شے پیش کی جائے جس کا جسم قائم بنفسہ نہ ہو اور رویت اسکی ممکن ہو تو عقل اسے تسلیم کر لیتی ہے پس اس وقت یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ مع اُس کے بلا مواجہ بھی دیکھی جائے گی۔ پس اگر کوئی کہے کہ یہ ممکن ہے تو ان کا قول باطل ہو جائے گا اور اگر کہے کہ عقل اسے مانع ہے تو جواب یہ ہے کہ عقل کا اُس چیز کو مانع ہونا جسے تم موجود واجب ٹھہراتے ہو بدرجہا اولیٰ ہے۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ کہا جائے کہ اہل حدیث اور اہل سنت اللہ کا علو اور مباینت اور رویت ثابت کرنے پر متفق ہیں۔ اور اس وقت پس جو شخص دونوں میں سے ایک کو ثابت مانے گا اور دوسرے کا منکر ہوگا تو یہ شرع اور عقل سے اُس سے زیادہ قریب ہوگا کہ جو دونوں کی نفی کرتا ہو لہٰذا وہ اشعریہ جو رویت کے ثبوت کے قائل ہیں اور جہت کے منکر ہیں وہ شرع اور عقل سے اِن معتزلہ اور شیعہ کی نسبت زیادہ قریب ہیں جو ان دونوں کی نفی کرتے ہیں باقی شرع سے قریب ہونا تو اس لئے ہے کہ آیتیں اور حدیثیں اور آثار صحابہ علو اور رویت پر دلالت کرنے میں اس قدر وارد ہیں جو شمار میں نہیں آ سکتے اور ان لوگوں کے پاس جو علو اور رویت کے منکر ہیں ادلہ شرعیہ میں سے کوئی ایسی دلیل نہیں ہے۔ جو ذکر کرنے کے قابل ہو۔ بلکہ وہ گمان کرتے ہیں کہ ہماری دلیل عقل ہے۔ سو اب ہم کہتے ہیں کہ اشعریہ متناقضین کا قول اُن لوگوں کے قول سے بہتر ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جب ہم عقل پر ایسی شے کا ہونا پیش کرتے ہیں کہ جس کی طرف نہ اشارہ ہو اور نہ اُس سے کوئی شے قریب ہو اور نہ اُس کی طرف کوئی شے چڑھتی ہو اور نہ اُس کی طرف سے کوئی اترتی ہو نہ وہ عالم میں داخل ہو نہ عالم سے خارج

ہو نہ اُس کی طرف ہاتھ اٹھتے ہوں وغیرہ وغیرہ تو فطرت اُس کی منکر ہے۔اور وہ تمام عقلا جن کی فطرت متغیر نہیں ہوتی سب اس کا انکار کرتے ہیں اور کبھی اقرار نہیں کرتے سوائے نفی کرنے والوں کے اقوال اور ان کی حجت کے ورنہ پس فطرت سلیمہ اس کے انکار پر خرق عادات کے انکار سے زیادہ متفق ہے کیونکہ عادات کا خلاف ہونا تمام عقلا کے ساتھ جائز ہے اور عقلاء فلاسفہ بھی اس میں ان کے موافق ہیں اب ہم کہتے ہیں کہ اگر نفی کرنے والوں کا قول حق اور قابل تسلیم ہو تو اللہ تعالیٰ کے عرش پر ہونے کو ثابت کرنا بلا اس کے کہ وہ کوئی جسم ہو عقل کے نزدیک زیادہ قابل تسلیم اور زیادہ تر قریب ہے اور جس وقت یہ ثابت ہو گیا کہ وہ عرش پر ہے تو ایسی شے کی رویت جو انسان سے فوق ہو اگرچہ وہ جسم نہ ہو عقل کے نزدیک نفی کرنے والوں کے قول سے زیادہ تر قریب اور قابل تسلیم ہے پس معلوم ہوا کہ باعتبار عقل کے نفاۃ کے اقوال سے ان لوگوں کے قول پر رویت ہونی زیادہ قریب ہے کیونکہ نفاۃ کا قول تو تمام عقلاء کی فطرت میں ممتنع ہے اس کا جواز کسی طرح ممکن نہیں باقی عادات کے خلاف ہونا جائز ہے۔

چوتھا جواب: یہ ہے کہ اشعریہ کا قول ہے کہ اللہ تعالے اس پر قادر ہے کہ وہ ہمارے سامنے ایسے اجسام اور اصوات پیدا کر دے کہ نہ ہم اُنہیں دیکھ سکیں اور نہ سن سکیں اور اس پر بھی کہ وہ ہمیں ایسی شے دکھلا دے جو ہم سے بعید ہو وہ یہ نہیں کہتے کہ یہ موجود اور واقع ہے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالے اس پر قادر ہے اور یہ نہیں ہے کہ جس پر وہ قادر ہو اُس کے موجود ہونے میں انہیں شک ہے بلکہ وہ یقیناً جانتے ہیں کہ یہ شئے اس وقت موجود نہیں ہے اور ایک شے کے وجود کو جائز سمجھنا اور چیز ہے اور اُس کے موجود ہونے میں شک ہونا اور چیز ہے اِس ناقل کی عبارت اس کو مقتضی ہے کہ اس شے کے موجود ہونے کو (جس پر اللہ کو قادر مانا ہے) اس وقت جائز کہتے ہیں حالانکہ یہ کوئی عاقل نہیں کہہ سکتا. ہاں یہ ان سے الزام کے طور پر کہا جا سکتا ہے .ان پر یہ اعتراض کیا گیا تھا کہ جب تم نے رویت کو بلا جہت جائز کہا تو تمہیں یہ بھی جائز کہنا چاہیے اس پر اُنہوں نے کہا کہ ہاں ہم اسے بھی جائز کہتے ہیں (اس معنی پر) جیسا کہ لوگ کہتے ہیں کہ دنیا میں اللہ کا دیدار ہونا جائز ہے یعنی اللہ اس پر قادر ہے کہ وہ اپنی پاک ذات کو ہمیں دکھادے اور باوجود یہ کہ وہ بھی جانتے ہیں ایسا کوئی بشر نہیں ہے جو اللہ کو دنیا میں دیکھ سکے سوائے اس کے کہ نبی ﷺ کے اللہ کو دیکھنے میں اختلاف ہوا ہے اور ان میں سے جس کو دنیا میں

دیدار الٰہی ہونے میں شک ہو تو اس کا باعث ان ادلہ سے جاہل رہنا ہے جو اس کی نفی کرتی ہیں۔ نبی ﷺ کے سوا اوروں کو دنیا میں ان ہی آنکھوں سے دیدار الٰہی نصیب ہونے کی بابت اشعری نے دو قول ذکر کئے ہیں لیکن جس پر تمام اہل سنت میں یہ ہے کہ دنیا میں اپنی آنکھوں سے خدا کو کوئی نہیں دیکھ سکتا امام احمد وغیرہ نے اس نفی پر تمام سلف کا اتفاق ذکر کیا ہے اور یہ بھی کہ ان کا کسی کے بارے میں اختلاف اور نزاع نہیں ہے سوائے خاص نبی ﷺ کے اور صحیح مسلم وغیرہ میں نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ حضور اپنے وقت وفات تک یہی فرماتے رہے کہ یاد رکھنا تم میں سے اللہ کو کسی نے نہیں دیکھا اور موسیٰ علیہ السلام نے دیدار ہونے کی درخواست کی تھی سو ان کو اللہ نے اِس سے منع کر دیا تھا سو اب اِن لوگوں میں موسے علیہ السلام سے کوئی افضل نہیں ہے۔

روز ازل میں امر و نہی: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ اشاعرہ کا یہ بھی مذہب ہے کہ ہم کو امر و نہی اللہ تعالے نے ازل میں فرمائے تھے اور اس وقت اُس کے پاس کوئی مخلوق نہ تھی جس سے وہ کہتا کہ یَاۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اور یَاۤ اَیُّهَاالنَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ. یَاۤ اَیُّهَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ. حالانکہ اگر کوئی شخص کسی خالی مکان میں بیٹھا ہوا اور اُس کے پاس کوئی غلام وغیرہ نہ ہو پھر وہ (خود بخود ہی) کہے کہ اے سالم کھڑا ہو اے غانم کھاؤ۔ اے نجاح آؤ۔ تو اس سے پوچھا جائے گا کہ تو کس کو پکارتا ہے۔ وہ کہے میں اپنے ان غلاموں کو پکارتاہ ہوں جنہیں اب سے بیس برس کے بعد میں خریدوں گا تو اُس پر اُسے سب اہل عقل بے وقوف اور احمق کہیں گے. پھر اِن لوگوں کو کہاں مناسب ہے کہ ازل میں اللہ تعالے کی طرف ایسی نسبت کریں اس کا جواب چند طرح سے ہے۔

پہلا جواب: تو یہ ہے کہ یہ قول کلابیہ اور ان لوگوں کا ہے جو قرآن شریف کو مخلوق کہتے ہیں جیسے کہ معتزلہ نہ کہ اُن لوگوں کا جو کلام الٰہی کو غیر مخلوق کہتے ہیں جیسے کرامیہ اور سالیہ اور سلف اور مذاہب اربعہ کے محدثین وغیرہ پس ایسے لوگوں کے ذکر کرنے سے اُس رافضی کا مقصود پورا نہیں ہو سکتا۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ کہا جائے کہ اکثر ائمہ شیعہ بھی قرآن کو غیر مخلوق کہتے ہیں اور یہی ائمہ اہل بیت سے ثابت ہے اور اس وقت کہ قول اُن ہی لوگوں کے اقوال میں سے ہوگا۔ پس اگر یہ حق نہ ہو تو ممکن ہے کہ اُن کے اور کسی قول سے جواب دیا جائے

تیسرا جواب: یہ ہے کہ ایسے معدوم سے خطاب ہونا جو ابھی موجود نہ ہو بشرطِ اس کے وجود کے عقل کے نزدیک اس متکلم سے قریب تر ہے کہ جس کے ساتھ کلام قائم نہ ہو اور اس سے بھی کہ اللہ تعالیٰ سے صفات کمال مسلوب ہوں وہ کلام نہ کرتا ہو اور جہاں کہیں وہ دوسرے میں کلام پیدا کرے گا تو یہ کلام اس مخلوق کے لیے نہیں ہوگا بلکہ اُس کے خالق ہی کے لیے ہو جائے گا۔ اور جب اُس نے کسی میں کوئی حرکت پیدا کی تو یہ حرکت اُس محل کے لیے ہوگی جس میں یہ حرکت پیدا کی گئی ہے نہ کہ اُس کے خالق کے لیے اور باقی اعراض کا بھی یہی حال ہے۔ پس جب اللہ تعالےٰ کسی جسم میں کوئی غرض پیدا کرے گا تو یہ اُس جسم ہی کے لیے صفت ہوگی نہ کہ اللہ تعالےٰ کے لیے لیکن ایسے شخص سے خطاب کرنا جسے دیکھا نہ ہو بشرط اُس کے وجود کے جائز ہے. چنانچہ موصی کبھی بہت سی اشیاء کی وصیت کرتا اور کہتا ہے کہ میں اپنے وصی کو یہ امر کرتا ہوں کہ میرے مرنے کے بعد ایسا ایسا عمل درآمد کرے۔ پھر جس وقت میرا فلانا بیٹا بالغ ہو جائے تو پھر وہی میرا وصی ہے اور میں اُس کو بھی ایسا ایسا کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ بلکہ کبھی موصی ایسا وقف کرتا ہے جو اُس کے بعد برسوں تک رہتا ہے لیکن اے سالم اور اے عالم کہنے والے نے اگر اِس پکارنے سے خطاب حاضر کا قصد کیا ہے جواب موجود نہیں ہے تو یہ بے شک غلطی ہے۔ اور اگر اُس کا مقصود ایسے شخص سے کرنا ہو جو عنقریب ہوگا تو یہ جائز ہے. مثلاً کوئی یہ کہے کہ مجھ سے ایک بہت سچے آدمی نے یہ کہا ہے کہ میری لونڈی کے لڑکا ہوگا اور اُس کا نام غانم رکھا جائے گا. سو جس وقت وہ پیدا ہو وہ آزاد ہے اور میں اُس کو اپنی اولاد پر وصی کرتا ہوں اور اے غانم میں تجھے یہ امر کرتا ہوں تو یہ ممتنع نہیں ہے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ یہاں خطاب حاضر فی العلم کے لیے ہے اگرچہ وہ آنکھوں کے سامنے نہیں ہے اور انسان ایسے شخص سے خطاب کیا کرتا ہے جو اُس نے اپنے دل میں مستحضر کر لیا ہو اور چند اشخاص کو یاد کر کے انہیں چند اشیاء کا امر کر دیتا ہے۔ پھر کہتا ہے کہ اے فلانے کیا میں نے تجھے ایسا ایسا نہیں کہا تھا۔ چنانچہ شیعہ اور سنی دونوں علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب آپ کربلا میں پہنچے تو آپ نے فرمایا. صبراً اباعبداللہ صبراً اباعبداللہ ..

اس سے وہ علم میں امام حسین کو خطاب کرتے تھے اور یہ امام حسین کے کربلا میں پہنچے سے پہلے کا قصہ ہے اور نبی ﷺ نے دجال اور اُس کے خروج کا ذکر کر کے یہ فرمایا کہ اے اللہ کے بندو

ثابت قدم رہنا حالانکہ وہ اللہ کے بندے اب تک بھی پیدا نہیں ہوئے۔علاوہ ازیں سب مسلمان اپنی نمازوں میں کہتے ہیں۔ السلام علیک ایها النبی ورحمة الله وبرکاته (یعنی اس میں بھی حاضر کو خطاب ہے) حالانکہ نبی اِن کے پاس نہیں ہیں۔لیکن وہ ان کے دلوں میں حاضر ہیں اور اللہ تعالے نے فرمایا۔ اِنَّمَا اَمْرُهٗ اِذَا اَرَادَ شَيْئاً اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنَ۔ (یعنی جس وقت اللہ تعالیٰ کچھ کرنا چاہتا ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اُس سے کہ دیتا ہے کہ ہو جا وہ ہو جاتا ہے اور اکثر علماء کے نزدیک یہ اُن لوگوں کو خطاب ہے جنہیں اللہ تعالے فی نفسہ جانتا ہے۔اگرچہ وہ ابھی تک موجود نہ ہوئے ہوں اور جس نے یہ کہا کہ اس سے مراد اسکی شرح تکوین ہے تو اس خطاب کے مفہوم کی مخالفت کی اور آیت کو اس پر حمل کرنا ایسے معنی میں خطاب کے استعمال کرنے کو مستدعی ہے اور یہ کہ یہ اس لغت کا طریق ہے جس پر قرآن شریف نازل ہوا ہے ورنہ کسی کو یہ مجاز نہیں ہے کہ اللہ اور اُس کے رسول کے خطاب کو اپنے من گھڑت معنی پر عمل کرلے بلکہ قرآن شریف لغت عرب اور لغت قریش پر نازل ہوا ہے اللہ ورسول کے خطاب میں عادت معروفہ معلوم ہے پس کسی کو اس سے نکلنا جائز نہیں ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہمارا مقصود ان لوگوں کی امداد کرنا نہیں ہے جو کہتے ہیں کہ قرآن قدیم ہے کیونکہ یہ قول اسلام میں سب سے پہلے ابو محمد عبداللہ بن سعید بن کلاب سے جاری ہوا ہے اور بعد میں بہت سے فرقے اُس کے تابع ہو گئے اور اُن کی دو جماعتیں ہو گئیں ایک جماعت تو یہ کہتی ہے کہ قدیم وہ معنی ہیں جو بالذات قائم ہیں اور دوسری جماعت کا قول یہ ہے کہ وہ حروف ہیں یا حروف اور اصوات دونوں ہیں۔امام مالک وامام شافعی اور امام احمد وغیرہ کے شاگردوں میں سے جو اہل سنت کہلاتے ہیں بہت سے فرقے اِن دونوں قولوں کی طرف گئے ہیں اور باقی ائمہ اس پر متفق ہیں کہ کلام الٰہی منزل غیر مخلوق ہے اور بہت سے علما نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ اللہ تعالے اپنی مشیت اور قدرت سے متکلم ہے اور اس کی یہی تصریح کی ہے کہ جب اُس نے چاہا اور جس طرح چاہا وہ ہمیشہ متکلم رہا ہے اور اِسکے سوا اور بھی بہت سے اقوال ان سے منقول ہیں۔

انبیاء کا غیر معصوم ہونا: شیعی علماء کہتے ہیں کہ سوائے امامیہ اور اسماعیلیہ کے اور سب کا یہ مذہب ہے کہ انبیاء اور ائمہ معصوم نہیں ہوتے پس اُنہوں نے ایسے آدمی کا مبعوث (اور پیغمبر) ہونا

جائز کر دیا کہ جس سے جھوٹ بولنا سہو وخطا ہونی اور چوری کرنا ممکن ہو سواب عام لوگ اُن پر کس طرح اعتماد کریں گے۔ اور کیونکر اُن کے مطیع ہوں گے۔ اور مع اس جواز کے کہ جو کچھ وہ امر کریں وہ خطا ہو۔ تو ان کا اتباع کرنا کیونکر واجب ہوگا اس کے علاوہ یہ لوگ ائمہ کو معین عدد میں محصور نہیں کرتے بلکہ جس نے کسی قریشی سے بیعت کر لی۔ اُسی کی امامت اُن کے نزدیک منعقد ہوگئی۔ اور تمام مخلوق پر اُس کی اطاعت کرنی واجب ہے چاہے وہ انتہا درجہ کے کفر وفسوق اور عصیان میں مبتلا ہو اِس کا جواب چند طرح سے ہے۔

پہلا جواب: تو یہ کہ شیعی علماء نے جو جمہور کی طرف سے یہ قول ذکر کیا ہے کہ وہ انبیاء کی عصمت کی نفی کرتے ہیں اور وہ اُن سے چوری کذب سرزد ہونا اور اُن کے امر میں غلطی ہونا جائز کہتے ہیں سو یہ جمہور پر بہتان ہے کیونکہ وہ اس پر متفق ہیں کہ تمام انبیاء تبلیغ رسالت میں بے شک معصوم ہیں اور باتفاق تمام مسلمانوں کے امور شرعیہ میں اُن سے خطا سرزد ہونی کبھی جائز نہیں ہے اور جو کچھ وہ اللہ عزوجل کی طرف سے امر ونہی کی تبلیغ کریں باتفاق تمام مسلمانوں کے اس میں ان کی اطاعت کرنی ضروری ہے اور جو کچھ وہ خبریں بیان کریں باجماع تمام مسلمانوں کے اُن میں اُن کی تصدیق کرنی واجب ہے جس چیز کا وہ امر کریں، جس چیز سے وہ منع کریں اُن میں ان کی اطاعت کرنی اُمت کے تمام فرقوں کے نزدیک ضروری ہے سوائے خوارج کے ایک فرقہ کے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ ان امور میں بے شک معصوم ہیں جن کی وہ اللہ کی طرف سے تبلیغ کریں نہ کہ اس میں جس کا وہ خود امر کریں یا جس سے وہ خود منع کریں مگر باتفاق اہل سنت والجماعت کے تمام مسلمانوں میں یہ لوگ گمراہ ہیں ہم یہ کئی بار ذکر کر چکے ہیں کہ جب مسلمانوں میں کوئی ایسا شخص ہو جس کا قول خطا ہو تو یہ تمام مسلمانوں میں قدح نہیں ہوگی اور اگر اس طرح ہوتا تو شیعوں کی خطا سے تمام مسلمانوں کے دین میں عیب شمار ہوتا۔ اکثر آدمی یا اُن میں سے زیادہ آدمی انبیاء پر کبیرہ گناہوں کو جائز نہیں سمجھتے اور وہ جمہور جو ان سے صغیرہ گناہ ہونے کی اور وہ لوگ جو اُن سے کبیرہ گناہ ہونے کو جائز کہتے ہیں سب کا بالا تفاق یہ قول ہے کہ انبیاء اپنے اُن گناہوں پر رہ نہیں سکتے بلکہ فوراً اُس سے رُک جاتے اور توبہ کر لیتے ہیں۔ چنانچہ پہلے بھی اس پر تنبیہ گزر چکی ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ مسلمانوں میں کوئی اسکا قائل نہیں ہے کہ پیغمبر کے امر

میں باوجودِ غلطی اور خطا ہونے کے بھی اس کی اطاعت کرنی واجب ہے بلکہ وہ سب اس پر متفق ہیں کہ وہ امر جس کی طاعت کرنی واجب ہے وہ صواب اور صحیح ہی ہوتا ہے۔ اس میں کبھی غلطی نہیں ہوتی۔ پس معترضین کا یہ کہنا کہ انبیاء کا اتباع کرنا کیونکر واجب ہے باوجود یہ کہ جو کچھ وہ امر کریں اس میں خطا ہونی جائز ہے ایسا لغو ہے کہ ائمہ میں سے کسی پر لازم نہیں آتا پھر ملاحظہ فرمایئے انبیاء سے اجتہاد میں غلطی ہو جانے پر بھی علماء کے دو قول مشہور ہیں اور یہ بھی اس پر متفق ہیں کہ وہ اس خطا پر رہ نہیں سکتے بلکہ منجانب اللہ فوراً مطلع ہو جاتے ہیں اور ان کی اطاعت فقط اُن اُمور میں کی جاتی ہے جن پر اُن کا عملدرآمد ہوتا رہتا ہے نہ اُس میں جسے اللہ تعالے بدل دے اور اس سے منع فرمادے اور اُس میں طاعت کرنے کا امر نہ فرمائے باقی رہی ائمہ کی عصمت سو اس کا کوئی قائل نہیں ہے سوائے امامیہ اور اسماعیلیہ کے ایک قول کے حالانکہ اُس قول کی کسی نے بھی موافقت نہیں کی سوائے ان ملاحدہ منافقین کے جن کے شیوخ کبار یہود اور نصاریٰ اور مشرکین سے بھی پرلے درجہ کے بدتر کافر ہیں ہمارے احباب کا ہمیشہ پہلے یہ قاعدہ رہا ہے کہ یہ مسلمانوں کی جماعت سے گزر کر یہود اور نصاریٰ اور مشرکین میں ملتے ہیں یعنی اقوال اور موالاۃ وغیرہ میں اُن ہی کے ساتھ ہو جاتے ہیں اور اس قوم سے زیادہ اور کون گمراہ ہو سکتا ہے کہ جو سابقین اولین مہاجرین اور انصار سے علیحدہ ہو کر منافقین اور کفار کا ساتھ دے۔ حالانکہ اللہ تعالے نے فرمایا ہے۔ **اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا قَوْماً غَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ۔ مَا ھُمْ مِّنْکُمْ وَلَا مِنْھُمْ وَیَحْلِفُوْنَ عَلَی الْکَذِبِ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمْ عَذَاباً شَدِیْدًا۔ اِنَّھُمْ سَآءَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۔ اِتَّخَذُوْٓا اَیْمَانَھُمْ جُنَّۃً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَلَھُمْ عَذَابٌ مُّھِیْنٌ۔ لَنْ تُغْنِیَ عَنْھُمْ اَمْوَالُھُمْ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰہِ شَیْئاً۔ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ۔ یَوْمَ یَبْعَثُھُمُ اللّٰہُ جَمِیْعاً فَیَحْلِفُوْنَ لَہٗ کَمَا یَحْلِفُوْنَ لَکُمْ وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّھُمْ عَلٰی شَیْءٍ اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ الْکٰذِبُوْنَ۔ اِسْتَحْوَذَ عَلَیْھِمُ الشَّیْطٰنُ فَاَنْسٰھُمْ ذِکْرَ اللّٰہِ۔ اُولٰٓئِکَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ۔ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗٓ اُولٰٓئِکَ فِی الْاَذَلِّیْنَ کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ۔ لَا تَجِدُ قَوْماً یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَوْ کَانُوْٓا اٰبَآءَھُمْ اَوْ**

اَبۡنَآءَ ھُمۡ اَوۡ اِخۡوَانَھُمۡ اَوۡ عَشِیۡرَتَھُمۡ. اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیۡ قُلُوۡبِھِمُ الۡاِیۡمَانَ وَاَیَّدَ ھُمۡ بِرُوۡحٍ مِّنۡہُ وَیُدۡخِلُھُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِھَا الۡاَنۡھٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡھَا رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡ ھُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ اُولٰٓئِکَ حِزۡبُ اللّٰہِ اَلَآ اِنَّ حِزۡبَ اللّٰہِ ھُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ. (المجادلہ:۱۴تا۲۲)

(ترجمہ) اے نبی کیا تم نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جنہوں نے ایسے لوگوں سے دوستی کی جن پر اللہ کا غضب ہے (اب) نہ وہ تم میں سے ہیں نہ اُن میں سے اور یہ لوگ جھوٹ بات پر حلف کرتے ہیں حالانکہ وہ اُس کے جھوٹ ہونے کو جانتے ہیں۔ اللہ نے اُن کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے بے شک بُرا ہے وہ کام جو یہ کرتے ہیں۔ اُنہوں نے اپنی قسموں کو اپنی سپر بنا رکھا ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر قسم کھا لیتے ہیں۔ پھر اُنہوں نے (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکا لہذا اُن کے لیے ذلت دینے والا عذاب ہے۔ اللہ کے عذاب سے نہ اُن کو اُن کے مال بچا سکتے ہیں اور نہ اُن کی اولاد یہی لوگ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ جس دن ان سب کو اللہ زندہ کر کے اُٹھائے گا پھر یہ اس کے سامنے قسم کھا کے جائیں گے جیسا کہ (اے مسلمانو) تمہارے سامنے قسم کھا جاتے ہیں اور (اس پر بھی) سمجھتے ہیں کہ وہ ہدایت پر ہیں آگاہ رہو بے شک یہی لوگ جھوٹے ہیں۔ شیطان اُن پر غالب آ گیا ہے پس اُس نے اللہ کی یاد اُن کی بھلا دی ہے یہی لوگ شیطان کے گروہ ہیں آگاہ رہو بے شک شیطان ہی کے گروہ والے زیانکار ہیں بے شک جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہی لوگ (سب سے) زیادہ ذلیلوں میں ہیں اللہ لکھ چکا ہے کہ بے شک یقیناً میں اور میرے پیغمبر غالب رہیں گے۔ بے شک اللہ زور آور غالب ہے۔ (اے نبی) تم اُن لوگوں کو جو اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں (کبھی ایسا) نہ پاؤ گے کہ وہ اُس شخص سے محبت کریں جو اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کرے۔ گو وہ اُن کے باپ یا اُن کے بیٹے یا اُن کے بھائی یا اُن کے عزیز (کیوں نہ) ہوں یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے اور ان کی اپنی روح (یعنی قرآن) سے مدد کی اور اُنہیں ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے اللہ اُن سے راضی ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں یہی اللہ کے گروہ ہیں۔ آگاہ رہو بے شک اللہ ہی کے گرہو (والے) کامیاب ہونے والے ہیں۔ یہ آیتیں منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ منافقین اور اہل تقیہ میں جتنا فرق ہے آپ اُسے اچھی

طرح سمجھ سکتے ہیں۔اس کے علاوہ کفار سے مسلمانوں کے خلاف بن جانا یہ اُن کا پُرانا طریقہ ہے۔نصیر الدین طوسی اور ہلاکو خاں کا معاملہ ابھی تک بھولا نہیں ہے۔ یہ ہمارے احباب اُن سے دوستی کرتے ہیں جن پر اللہ نے غضب کیا اب یہ نہ تم میں سے ہیں نہ اُن میں سے اور اسی لئے تمام مسلمانوں کے نزدیک ان کی قسم ہی دوسری ہے یہاں تک کہ شام کے قریب ایک پہاڑ پر جب مسلمانوں کی ایسے لوگوں سے جنگ ہوئی جو مسلمانوں کے خون کرتے اور اُن کے مال لوٹتے اور ڈاکے زنی کرتے تھے جب اُن سے مقابلہ ہوا تو کہنے لگے ہم تو مسلمان ہیں جواب دیا گیا تم مسلمان نہیں ہو تم کوئی اور قسم کے آدمی ہو اُس وقت انہیں بھی یقین آ گیا اور اقرار کر لیا کہ بے شک مسلمانوں سے ہماری علیحدہ ہی جنس ہے کیونکہ وہ اُن سے بالکل جدا تھے اللہ تعالے نے فرمایا ہے۔ **وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ**۔ (یعنی جھوٹ پر یہ جان بوجھ کر حلف کرتے ہیں) یہی حالت ہمارے احباب کی ہے اسی وجہ سے یہ اپنی قسموں کو سپر بنا کر (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ جب ترکوں نے مشرق کی طرف سے کفار کو نکالا اور چند شہروں خراسان، عراق، شام، جزیرہ، وغیرہ پر مسلمانوں سے جنگ ہوئی اور اُن کے بہت کچھ خون کئے تو یہ (کمبخت) مسلمانوں کے مقابلہ میں انہیں لوگوں کے معاون تھے۔علیٰ ہٰذا القیاس۔شام اور حلب وغیرہ کے شیعہ بھی مسلمانوں کے مقابلہ میں مخالفین کی امداد پر نہایت ہی سرگرم رہے ہیں۔اسی طرح ملک شام میں وہ نصاری جنہوں نے مسلمانوں سے جنگ کی تھی ہمارے احباب اُن کے اعلیٰ درجہ کے معاون تھے۔اسی طرح جس وقت عراق وغیرہ میں یہود کا غلبہ ہوا تو سب سے بڑے اُن کے معاون یہ ہی لوگ تھے۔خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے احباب مشرکین اور یہود ونصاری ہی کی معاونت کرتے رہے ہیں اور مسلمانوں کے مقابلہ میں اُن کے دشمن ہو کر دوسروں کی سدا امداد کی ہے پھر اس شیعی علماء کا عصمت ائمہ کا دعوی کرنا جس کی کوئی دلیل بیان نہیں کی۔ ہاں صرف یہ کہتے ہیں کہ ائمہ معصومین سے جہان کو اللہ تعالیٰ خالی نہیں رکھتا کیونکہ اس میں ایک بڑی مصلحت اور لطف ہے اور یہ بات معلوم اور متعین ہے کہ ایسے مفقود اور غائب سے جس کا انتظار ہی انتظار ہو کوئی مصلحت اور لطف حاصل نہیں ہو سکتا خواہ وہ مردہ ہو جیسا کہ جمہور کہتے ہیں یا زندہ ہو جیسا کہ یہ امامیہ کہتے ہیں اور یہی اُن کے پہلے، باپ دادوں نے کہا ہے ان سے کوئی صلاحت ایسی نہیں ہو سکتی جو امام معصوم ذی سلطان سے ہوا

کرتی ہے جیسا کہ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں نبی ﷺ مسلمانوں کے امام تھے مسلمانوں پر ان کی اطاعت واجب تھی ان کے باعث مسلمانوں کو سعادت نصیب ہوئی تھی ان کے بعد کوئی ایسا باحکومت نہیں ہوا جس کی عصمت کا دعویٰ کیا گیا ہو سوائے علی کے یہ سب جانتے ہیں کہ وہ مصلحت اور لطف جو خلفاء ثلثہ کے زمانہ میں مسلمانوں کو حاصل تھا اِس مصلحت اور لطف سے بدرجہا زیادہ اور بہتر تھا جو حضرت علی کی خلافت میں فتنہ وفساد پھیل کر ہوا بس جب سوائے حضرت علی کے اور کوئی ایسا نہیں ہوا جو امام ہونے کا دعویٰ کرتا اور معصوم ہوتا تو بیچارا علی کس گنتی میں ہے. کون نہیں جانتا کہ دنیا کے بارے میں وہ مصلحت اور بھلائی جو خلفاء ثلثہ کے زمانہ میں تھی حضرت علی کے زمانہ میں بہت ہی کم رہی. لہٰذا اب یقیناً معلوم ہوگیا کہ جس مصلحت وغیرہ کا ائمہ معصومین سے حاصل ہونے کا یہ لوگ دعوے کرتے ہیں بالکل غلط اور جھوٹ ہے پھر رجال غیب کی ایک کہانی ہے اور لطف یہ ہے کہ اِن کی قیام کی جگہ بھی یاروں نے مقرر کردی ہے مثلاً کوہِ لبنان کوہِ قاسلون، مفارۃ العدم کہتے ہیں کہ یہاں ان کی زیارت ہوتی ہے اور یہیں رجال غیب آ کے جمع ہوتے ہیں سمجھ لیجئے کہ جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہو بھلا اُس کی عقل سالم کس طرح رہ سکتی ہے ہاں وہ مشائخ جو رجال غیب کو اپنی طرف منسوب کرتے ہیں ان میں اتنی خرابی اور بُرائی نہیں جتنی ان لوگوں میں ہے جو امام معصوم کے مدعی ہیں بلکہ وہ خرابی اور برائی جو اُن لوگوں میں ہے سب سے زیادہ ہے کیونکہ یہ لوگ امام معصوم کا دعویٰ تو بے شک کرتے ہیں لیکن ایسا کوئی امام ہتھیار بندان میں کبھی نہیں ہوتا جس سے یہ امداد لیں بلکہ کوئی کافر یا فاسق یا منافق یا جاہل انہیں مل جاتا ہے جسے یہ امام بنا لیتے ہیں لہٰذا ان قسموں سے یہ علیحدہ نہیں ہو سکتے اب رہے اسماعیلیہ فرقے والے وہ اُن سے بھی بدتر ہیں کیونکہ امام معصوم کے مدعی وہ بھی ہیں اور انجام اُن کے دعوے کا صرف چند ملحدین منافقین فاسقین کی طرف نکلتا ہے اُن ہی میں بعض وہ لوگ ہیں جو درپردہ یہود اور نصاریٰ سے بھی بدتر ہیں پس جو لوگ معصوم کے مدعی ہیں وہ سلطان معصوم کے (درحقیقت مدعی نہیں ہیں بلکہ سلطان کافر یا ظالم کے مدعی ہیں) اور یہ امر مشہور ہے ہر ایک ایسا شخص اُسے پہچان سکتا ہے جسے اُن کے حال کی کچھ بھی اطلاع ہو حالانکہ اللہ تعالے نے فرمایا ہے کہ. يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ

الْاٰخِرِ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا (یعنی اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو اور ذی اختیار لوگوں کی جو تم میں سے ہوں پھر اگر کسی معاملہ میں تم باہم مختلف ہو جاؤ تو اگر تم اللہ اور قیامت پر (دل سے) ایمان رکھتے ہو تو اس (معاملہ) کو اللہ اور اُس کے رسول کے پاس لے جاؤ یہ (تمہارے حق میں) بہتر اور باعتبار انجام کے اچھا ہے) پس باہمی اختلاف ہوتے وقت مسلمانوں کو اللہ نے حکم دے دیا ہے کہ وہ اسے اللہ اور رسول کی جناب میں پیش کیا کریں اور اگر سوائے رسول اللہ ﷺ کے آدمیوں میں اور کوئی بھی معصوم ہوتا تو اختلافی معاملہ کو اس پر پیش کرنے کے لیے اللہ تعالے ضرور فرماتا۔ پس قرآن شریف سے معلوم ہو گیا کہ سوائے رسول اللہ ﷺ کے اور کوئی معصوم نہیں۔

ائمہ کسی معین عدد میں محصور نہیں ہیں: پھر شیعی علماء فرماتے ہیں کہ سنی ائمہ کو کسی معین عدد میں محصور نہیں کرتے سو یہ نہ کرنا حق ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ (یعنی اے ایمان والوں اللہ اور رسول اور ذی اختیار لوگوں کی اطاعت کرو) تو اس آیت میں اللہ نے کوئی عدد معین نہیں فرمایا۔ اسی طرح ان احادیث میں ہے جو آنحضرت ﷺ سے ثابت ہیں کہ آپ نے بھی بااختیار لوگوں کو کسی خاص عدد میں معین نہیں کیا چنانچہ صحیحین میں ابوذر سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میرے مکرم دوست نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ میں (اپنے حاکم کا) کہنا سن کر اس کی اطاعت کروں اگر چہ وہ کوئی غلام حبشی لنگڑا لولا کیوں نہ ہو اور صحیح مسلم میں ام الحصین سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ حجۃ الوداع میں منا یا عرفات کے موقع پر میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ اگر تم پر کوئی حبشی لنگڑا لولا حاکم بنا دیا جائے کہ وہ تمہیں کتاب اللہ کے موافق چلائے تو تم ضرور اس کا کہا ماننا اور اطاعت کرنا بخاری نے انس بن مالک سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم (حاکموں کا) کہا ماننا اور اُن کی اطاعت کرنا اگر چہ تمہارا حاکم کوئی حبشی غلام ہی ہو کہ اُس کا سر بھی (چھوٹا سا) منقی سا ہو۔ صحیحین میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک دو آدمی بھی باقی رہیں تو یہ امر (خلافت) قریش ہی میں رہے گا۔ صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس امر میں تمام لوگ قریش کے تابع رہیں گے اِن کے مسلمان ان کے

مسلمانوں کے تابع اور ان کے کافران کے کافروں کے تابع حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام لوگ بھلائی اور برائی میں قریش کے تابع ہیں بخاری میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ یہ امر قریش ہی میں رہے گا اور جو کوئی اُن سے دشمنی کرے گا اللہ تعالے اُسے انتہا درجہ ذلیل کرے گا لیکن جب ہی تک کہ یہ دین کو ٹھیک رکھیں گے۔

قریشی کی بیعت: پھر شیعی علماء یہ اعتراض کرتے ہیں کہ سنیوں کا یہ عقیدہ ہے جو شخص قریشی سے بیعت کرلے اُسی کی امامت منعقد ہو جاتی ہے اور تمام مخلوق پر اُس کی اطاعت ضروری ہوتی ہے اگر چہ اس میں انتہاء درجہ کا کفر اور فسق اور نفاق ہی پوشیدہ ہو۔

پہلا جواب: اول یہ کہ یہ قول اہلسنت والجماعت کا نہیں ہے اور نہ یہ اُن کا مذہب ہے کہ فقط ایک قریشی کے بیعت کرنے سے اس کی بیعت منعقد ہو جائے گی اور لوگوں پر اُس کی اطاعت واجب ہوگی اگر چہ بعض اہل کلام نے ایسا کہا ہے لیکن اہل سنت والجماعت کے ائمہ کا قول یہ نہیں ہے بلکہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا تھا کہ جو شخص بلا مشورہ مسلمانوں کے کسی سے بیعت کرے گا تو اُن کی بیعت نہ ہوگی۔اس حدیث کو بخاری نے نقل کیا ہے اور انشاء اللہ تعالی یہ حدیث پوری آگے آجائے گی۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ امام جو امر کرے ہر امر میں اسکی اطاعت کرنے کو یہ لوگ جائز ہی نہیں کہتے بلکہ اس کی اطاعت کو فقط اُنہیں امور میں واجب کہتے ہیں جہاں شریعت میں اُن کی اطاعت کرنی جائز ہو۔پس اللہ کی معصیت میں امام کی اطاعت کرنی جائز نہیں ہے۔اگر چہ وہ امام عادل ہی ہو پس جس وقت وہ طاعت الٰہی کا امر کرے گا تو لوگ اُس کی اطاعت کریں گے مثلاً لوگوں کو نماز پڑھنے زکوۃ وصدقہ دینے عدل اور حج کرنے اور راہ خدا میں جہاد کرنے کا وہ امر کرے پس در حقیقت اُن لوگوں نے اللہ ہی کی اطاعت کی ہے اور کافر اور فاسق جس وقت ایسا امر کرے جس میں طاعت الٰہی ہو تو اس فاسق کے امر کرنے کی وجہ سے اس کا وجوب ساقط نہیں ہوگا جیسے کوئی اگر حق بات کہے تو اُس کی تکذیب کرنی جائز نہیں ہے اور نہ محض اس وجہ سے کہ یہ فاسق کا قول ہے اُس حق کے اتباع کا وجوب ساقط ہوتا ہے پس اہل سنت باختیار لوگوں کی مطلقاً اطاعت نہیں کرتے بلکہ وہ رسول اللہ ﷺ

کی طاعت کے ضمن میں اُن کی اطاعت کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالے نے فرمایا۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ پس اللہ کی طاعت کا تو مطلقاً حکم ہے اور رسول کی طاعت کا اس لیے حکم ہے کہ آپ بھی اللہ کی طاعت کا حکم کرتے ہیں (خود اپنی طرف سے یا اپنی طاعت کے لیے نہیں فرماتے) لہذا جس نے رسول کی اطاعت کی اُس نے یقیناً اللہ ہی کی طاعت کی اولی الامر کی طاعت کو بھی اِس میں داخل رکھا ہے اِن کے لیے تیسری اطاعت کا ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ اولی الامر کی مطلقا طاعت نہیں کی جاتی بلکہ نیک ہی امور میں اطاعت کی جاتی ہے چنانچہ نبی ﷺ نے فرمایا۔ **انما الطاعة فی المعروف** اور فرمایا **لا طاعة فی المعصية والطاعة لمخلوق فی معصيه الخالق** (یعنی معصیت میں اطاعت نہ کرنی چاہیے اور مخلوق کو اس امر میں طاعت نہ کرنی چاہیے جس میں خالق کی نافرمانی ہو) پھر فرمایا۔ **من امر کم بمعصيه الله فلا تطيعوه** (یعنی جو شخص تمہیں اللہ کی معصیت کا امر کرے تو تم اسکی اطاعت نہ کرو) اور یہ لوگ جو حضرت علی کے شیعہ کی طرف منسوب ہیں اُن کا یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ کے غیر کی اطاعت کرنی بھی جو کچھ وہ امر کرے واجب ہے یہ اُن لوگوں کے قول سے بھی بدتر اور غلط قول ہے. جو حضرت عثمان کی طرف منسوب ہونے والے شیعہ باشندگان ملک شام کہتے ہیں کہ اولی الامر کی طاعت کرنی مطلقاً واجب ہے کیونکہ یہ لوگ ذی حکومت کی طاعت کرتے ہیں اور وہ موجود ہے اور امامیہ معصوم مفقود کی اطاعت کو واجب کہتے ہیں. علاوہ اِس کے یہ لوگ اپنے ائمہ کے لیے اس عصمت کا دعویٰ نہیں کرتے جس کے ہمارے احباب مدعی ہیں بلکہ یہ اُن کو مثل خلفاء راشدین کے سمجھتے ہیں یا یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالے ان کی حسنات کو قبول فرماتا ہے اور سیئات سے درگزر کرتا ہے یہ اُن لوگوں کے قول سے بہت کم ہے جو کہتے ہیں کہ ائمہ معصوم ہیں وہ کبھی خطا نہیں کرتے پس معلوم ہوا کہ حضرت عثمان کے شیعہ اگرچہ بعض امور میں حق اور عدل سے خارج ہیں لیکن امامیہ کا حق اور عدل سے خارج ہونا اُن سے زیادہ ہے پس ائمہ سنت جو قرآن اور حدیث کے موافق ہیں اُن کے قول کا مقابلہ کیونکر ہو سکتا ہے اور وہ قول یہ ہے کہ اولی الامر کی طاعت کرنے کا حکم فقط انہیں امور میں ہے جو طاعت الٰہی کے موافق وہ حکم کریں نہ کہ اس میں کہ وہ اللہ کی معصیت کا حکم کرنے لگیں۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ جو اولوالامر فاسق اور جاہل ہو اور اللہ کی اطاعت کا حکم کرے تو اُس کی اطاعت کی جائے گی یا نہیں اور اُس کا حکم جاری ہوگا یا نہیں علی ہذا القیاس۔ جس وقت وہ انصاف سے کسی شے کو تقسیم کرے تو اُس کی یہ تقسیم تسلیم کی جائے گی یا نہیں امام اکبر اور قاضی وغیرہ کے درمیان میں فرق ہے۔ غرضیکہ یہ تین قول ہیں اہل سنت کے نزدیک سب میں زیادہ ضعیف قول اس کے تمام امور اور اِس کے حکم اور اسکی تقسیم کو رد کردینا ہے اور محدثین اور ائمہ فقہا کے نزدیک اصح قول یہ کہ طاعت الہی میں مطلقاً اس کی اطاعت کی جائے اور تیسرا قول یہ ہے کہ امام اکبر اور قاضی وغیرہ میں فرق ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ جس وقت یہ فسق و فجور کرے تو بلا فتنہ وفساد پھیلے اس کو معزول کرنا ممکن نہیں ہے بخلاف حاکم وغیرہ کے کہ اُس کو بدون اِس کے بھی معزول کردینا ممکن ہے اور یہ فرق ضعیف ہے کیونکہ حاکم کو جب کسی صاحب شوکت نے حاکم کردیا تو اب بلا فتنہ پھیلے اُس کو معزول کردینا بھی ممکن نہیں اور جب اس کے رکھنے سے موقوف اور معزول کرنے میں زیادہ فساد کا خیال ہو تو ادنی درجہ کے فساد کو دفع کرنے کے لیے اعلی درجہ کے فساد کو اختیار کرنا جائز نہیں مشہور مذہب اہل سنت کا یہ ہے کہ ائمہ کا مقابلہ کرنا اور ان کے ساتھ تلوار سے لڑنا جائز نہیں ہے۔ اگرچہ وہ ظلم ہی کرتے ہوں. چنانچہ احادیث صحیحہ حضور انور ﷺ اس پر دال ہیں یہ بات مذہبی ہے کہ محض اُن کے ظلم سے اتنا فتنہ وفساد نہیں پھیلتا جتنا کہ ان سے خلاف کرنے میں فساد پھیلتا ہے اور جس فرقہ نے کسی ذی حشمت حاکم کبھی مقابلہ کیا ہے تو اُن کے مقابلہ کرنے میں اِس سے زیادہ فساد ہوا ہے جو ان کے مقابلہ نہ کرنے سے ہوتا علاوہ ازیں ہر ظالم اور ہر باغی خواہ وہ کیسے ہی ہوں اللہ تعالے نے بھی سب سے لڑنے کا حکم نہیں دیا اور نہ باغیوں سے ابتداءً لڑنے کا حکم کیا ہے بلکہ یہ فرمایا۔ **وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىْ حَتّٰى تَفِىْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ.** (یعنی اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں تو تم ان دونوں کے درمیان صلح کرادو. پھر اگر ان میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو جو زیادتی کرے اس سے تم (سب ملکر) لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم (یعنی صلح) کی طرف رجوع کرے پس اگر وہ (صلح کی طرف) رجوع کرے تو ان دونوں کے درمیان میں برابری

کی صلح کرادو) غرض کہ باغیوں سے لڑنے کا ابتداء حکم نہیں فرمایا تو اب اولوالامر سے ابتداء جنگ کا کیونکر حکم ہوسکتا ہے صحیح مسلم میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ **سیکون امراء فتعرفون وتنکرون فمن عرف بری ومن انکر سلم ولکن من رضی وتابع۔** یعنی عنقریب ایسے حاکم ہونگے کہ ان کے بعض امور کو تم معروف پاؤ گے اور بعض کو منکر جس نے معروف دیکھا وہ بھی برا ہوگا اور جس نے منکر کو سمجھا وہ بھی سلامت رہے گا۔ لیکن جس نے ان سے راضی ہو کر ان کی بیعت کر لی وہ تباہ ہوگا۔ صحابہ نے عرض کیا (یارسول اللہ کیا ہم ان سے جنگ نہ کریں فرمایا نہیں جب تک کہ وہ نماز پڑھے جائیں) تو رسول اللہ ﷺ نے باوجود یہ بیان کر دینے کے کہ وہ منکر کریں گے پھر بھی اُن کے ساتھ جنگ کرنے سے منع فرمادیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تلوار سے ان کا مقابلہ کرنا جائز نہیں ہے جیسا خوارج زیدیہ معتزلہ اور ایک گروہ فقہاء وغیرہ میں سے الوالامر سے مقابلہ کرنے کو جائز کہتے ہیں اور صحیحین میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا۔ **انکم سترون بعدی اثرۃ وامورا تنکرونھا قالو افمنا تامرنا یارسول اللہ قال تودون الحق الذی علیکم وتسالون الذی لکم۔** یعنی میرے بعد میں بہت سے حاکم ایسے ہوں گے جنہیں تم بُرا سمجھو گے۔ (یعنی در حقیقت وہ خلاف شریعت ہوں گے) صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ آپ ہمیں ان کے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں فرمایا تمہارے ذمہ جو کچھ انکا حق ہو اسے ادا ہی کرتے رہنا اور اپنے حق کی اللہ سے دعا کرتے رہنا) یہاں حضور انور ﷺ نے یہ بیان فرمادیا کہ بے شک امراء اور حاکم لوگ ظلم اور خلاف شریعت امور کریں گے اور باوجود اس کے ہمیں یہی ارشاد فرمایا کہ ہمارے ذمہ ان کا جو حق ہو اسے ادا ہی کرتے رہیں اور ہم اپنے حق کی اللہ سے دعا کرتے رہیں ہمیں ان کا حق ادا نہ کرنے کی اجازت نہیں دی صحیحین میں ابن عباس سے مروی ہے وہ حضور انور سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا۔ **من رائے من امیرہ شیئا ینکرہ فلیصبر علیہ فانہ من فارق الجماعہ شبرا فمات مات میتہ جاھلۃ۔** (یعنی جس نے اپنے حاکم سے کوئی خلاف شریعت امر دیکھا تو اُس پر اسے صبر کرنا چاہیے کیونکہ جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھر بھی علیحدہ ہو کر مر گیا تو گویا وہ جاہلیت کا مرنا مرا اور ایک روایت میں اس طرح ہے۔ من

خروج من سلطان شبر فمات مات میتۃ جاھلیۃ (یعنی جو بادشاہ کے حکم سے ایک بالشت بھر بھی علیحدہ ہو کر مرگیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا. یہ لفظ بخاری کے ہیں حضور انور ﷺ کا یہ قول پہلے گزر چکا ہے. جس وقت آپ نے یہ فرمایا کہ وہ امراء نہ میری ہدایت پر رہیں گے اور نہ میرے طریقہ پر چلیں گے تو اس پر حذیفہ نے پوچھا تھا یارسول اللہ اگر میں اس زمانہ میں ہوا تو کیا کروں حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے حاکم کا کہا ماننا اور اطاعت کرنا اگر چہ وہ (ناحق) تمہیں پٹوائے اور تمہارا مال چھین لے لیکن تم اُس کی اطاعت ہی کرنا باوجود اِس کے ظلم کرنے کے بھی اس کی اطاعت ہی کا حکم دیا گیا ہے. حضور انور ﷺ کا یہ قول بھی پہلے گزر چکا ہے کہ۔ **من ولی علیه وال فراہ یاتی شیئا من معصیة اللـه فلیکرہ مایاتی من معصیة الله ولا ینزعن یداعن طاعة** یعنی جو کسی پر کوئی حاکم کردیا جائے اور پھر یہ اُس سے ایسا امر دیکھے جس میں اللہ کی معصیت ہو تو اُسے چاہیے کہ اِس معصیت خداوندی کو بُرا سمجھے لیکن طاعت کرنے سے ہات نہ موڑے) پھر عبادہ کہتے ہیں ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس طرح بیعت کی تھی کہ ہم اپنی خوشی اور ناخوشی تنگی اور فراخی ہر حالت میں آپ کی اطاعت کریں گے اور یہ کہ اولوالامر کا ہم کبھی خلاف نہ کریں گے ہاں اگر ہم ان کا صریح کفر دیکھیں اور ہمارے پاس من جانب اللہ اِس کی کوئی دلیل ہو. اور ایک روایت میں یہ ہے کہ ہم جہاں کہیں ہوں حق کہیں یا حق پر قائم رہیں اور اللہ کے (احکام کے) بارے میں کسی کی ملامت وغیرہ کا اندیشہ نہ کریں۔

چوتھا جواب: ہم نے یہ مان لیا کہ ہر متولی میں عدل ہونا شرط ہے تو بس اب اُسی کی اطاعت کی جائے گی جو عادل ہو نہ کہ اُس کی جو ظالم ہو اور یہ سب جانتے ہیں کہ حاکموں میں عدل کا شرط ہونا اس درجہ کا نہیں ہے جیسا کہ گواہوں میں شرط ہے کیونکہ گواہ کبھی ایسے امر کی بھی گواہی دے دیتا ہے جس کی اُسے خبر نہ ہو پس اگر وہ عادل نہ ہوگا تو اُس کی گواہیوں میں اُس کا سچا ہونا معلوم نہ ہوگا بخلاف حاکم کے کہ وہ ایسے امر کا حکم کیا کرتا ہے جس میں اُس کی ذاتی رائے کو بڑا دخل ہے لہٰذا وہاں یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ آیا یہ اللہ کی طاعت ہے یا کہ معصیت اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا. یعنی اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کسی خبر کو لائے تو تم تحقیق کرلیا کرو) تو فاسق کے خبر لانے پر اللہ نے تحقیق کر لینے کا امر فرمایا ہے یہ سب جانتے ہیں کہ ظلم فعل طاعت سے نہیں روکتا اور نہ اس کا

امر کرنے سے روکتا ہے یہ امر ایسا ہے کہ امامیہ بھی اس پر متفق ہیں کیونکہ یہ لوگ بھی یہ نہیں کہتے کہ فسق کیا تو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے پس فسق اُن کے نزدیک کل حسنات کو برباد نہیں کرتا بخلاف ان لوگوں کے جو اس بارے میں اُن کے مخالف ہیں جیسے زیدیہ معتزلہ، خوارج جو کہتے ہیں وہی تمام حسنات کو برباد کردیتا ہے اور اگر تمام حسنات برباد ہو جائیں گی تو پھر ایمان بھی نہ رہے گا اور جب ایمان نہ رہا تو وہ شخص کافر مرتد ہو جائے گا اُس وقت اُس کا قتل کرنا واجب ہوگا حالانکہ نصوص قرآن حدیث اور اجماع اس پر دال ہیں کہ زانی، سارق، قاذف اپنی اپنی خطاؤں میں قتل نہ کئے جائیں بلکہ اُن پر سزا قائم کی جائے پس اس سے معلوم ہوا کہ وہ مرتد نہیں ہوتے اور اسی طرح اللہ کا یہ فرمانا۔ **وَإِنْ طَـائِفَتَـانِ مِنَ الْـمُـؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْ بَيْنَاهُمَا.** ایمان ہونے اور باوجود لڑائی اور سرکشی کرنے کے اخوت (اسلامی) رہنے پر دلالت کرتا ہے۔ صحیح حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ **من كانت عنده لا خيه مظلمة من عرض اوشئی فليتهالل منه اليوم قبل ان لا يكون درهم ولا دينار ان كان له عمل صالح اخذ منه بقدر مظلمة. وان لم يكن له حسنات اخذ من شيئات صاحبه فطرحٔ عليه ثم القی فی النار.** یعنی جس کے ذمہ کبھی اپنی (مسلمان) بھائی کا حق ہو تو اُسے چاہیے کہ جلد اُس سے سبکدوش ہو جائے۔ قبل اس کے کہ نہ اس کے پاس کوئی درہم رہے نہ دینار اور وہ دین قیامت کا ہے) اگر اُس کے پاس عمل صالح ہیں تو وہ اپنے حق کے موافق اس میں سے لے لے گا اور اگر اِس کے پاس (عمل صالح اور) حسنات بالکل نہیں ہیں تو اُس کی سیات اُس کے ذمہ لکھ کر اُسے دوزخ میں پھینک دیا جائے گا) اسی طرح ایک صحیح حدیث میں حضور انور سے ثابت ہے آپ۔ نے صحابہ سے پوچھا کہ تم اپنے گروہ میں مفلس کسے سمجھتے ہو عرض کیا حضور انور مفلس ہم میں وہ ہے کہ نہ اُس کے پاس درہم ہو اور نہ دینار۔ فرمایا (یہ مفلس نہیں) مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن پہاڑوں کے برابر حسنات لیکر آئے مگر (اُس کے ذمہ اوروں کے یہ حق ہوں کہ) کسی کو اُس نے بُرا کہا ہو کسی کا مال چھینا ہو کسی کی خونریزی کی ہو کسی کو تہمت لگائی ہو کسی کو مارا ہو پس اُس کی حسنات میں سے کچھ یہ لے لیں گے کچھ وہ لے لیں گے (سب اس طرح تقسیم ہو جائیں گے) اور جب اُس کے حسنات ختم ہو جائیں گے اور اُن کے حق اگر اب بھی پورے

نہ ہوئے ہوں تو انکی خطائیں اُس کے ذمہ لکھ کر پھر اُسے دوزخ میں پھینک دیا جائے گا یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے اللہ تعالی نے فرمایا ہے۔ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ (یعنی حسنات سیات کو کھو دیتی ہیں) اس سے معلوم ہوا کہ آدمی گناہ گاری کی حالت میں بھی حسنات کرتا ہے جن سے اُس کے گناہ مٹ جاتے ہیں ورنہ اگر سیئات تو بہ وغیرہ سے پہلی جاتی رہتیں ہیں تو پھر صفات ان کو نہ کھوتیں باقی یہ موقع اُس کی تفصیل بیان کرنے کا نہیں ہے مقصود یہاں یہ ہے کہ فسق کو اللہ تعالے نے خبر کے قبول کرنے سے مانع ٹھہرایا ہے۔ مگر فسق ہر نیکی کے کرنے سے مانع نہیں ہوگا حدیث اور اجماع سے بھی یہ ثابت ہو چکا ہے کہ گواہ فقط عادل ہیں لوگ بنائے جاتے ہیں پھر اس فقط ظاہری ہی عدالت کافی ہو جاتی ہے تو جس وقت اولوالامر ہونے میں عدالت کو شرط ٹھہرایا جائے گا تو وہاں ظاہری عدالت بدرجہ اولیٰ کافی ہوگی۔ پس معلوم ہوا کہ ولایت میں علم اور عدالت کی اتنی زیادہ شرط نہیں ہے جتنی شہادت میں ہے اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ امامیہ اور تمام علماء اس کو جائز سمجھتے ہیں کہ امام کے نائب غیر معصوم ہوں اور یہ کہ امام اُن کی عصمت سے آگاہ نہ ہو دلیل اس کی یہ ہے کہ حضور انور نے ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو حاکم (اور والی) کر دیا تھا۔ پھر اُس نے اُن لوگوں کی جنگ کی آپ کو خبر دی جن کی طرف حضور انور ﷺ اُسے بھیجتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ۔ (یعنی اے مسلمانو اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کسی خبر کو لائے تو (بے) تحقیق (اُس پر عمل نہ) کر لیا کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم پر جا پڑو پھر اپنے کئے پر پشیمان ہو دیکھو حضرت علی کے اکثر نائب یعنی خلیفہ آپ کی خیانت کرتے تھے اور بعض اُن میں آپ سے (ناراض ہو کر) بھاگ بھی گئے تھے آپ کا اپنے نائبوں کے ساتھ برتاؤ کرنا سب کو معلوم ہے اس سے معلوم ہے کہ امام کے معصوم ہونے میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ ظاہر کا اعتبار نہ کیا کرے اور ایسے مفاسد پیش نہیں آیا کریں اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ائمہ میں عصمت شرط ہونا نہ مقدور ہے نہ مامور ہے اور نہ دین و دنیا میں اُس سے کوئی منفعت حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ عابدوں میں اکثر لوگ شیخ میں یہ شرط لگاتے ہیں کہ وہ ایسے امور جانتا ہو جنہیں بشر میں کوئی بھی نہ جان سکے پس یہ لوگ شیخ کی طرف ایسی صفات کو منسوب کرتے ہیں

جو امامیہ کے نزدیک معصوم کی صفات کی قسم میں سے ہیں یہاں تک کہ انجام کار یہ لوگ کسی ظالم یا جاہل شیخ کے پیرو ہو جاتے ہیں اور وہ کسی ظالم جاہل حاکم کے مطیع بن جاتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص کو بھوک لگی اُس نے کہا میں شہر کا کھانا کبھی نہ کھاؤں گا۔ جب تک کہ میرے لیے اہل بہشت کے کھانے جیسا کھانا نہ آئے پھر وہ نکل کر جنگل چلا گیا اور سوائے چوپایوں کی گھاس کے اور وہاں اُسے کچھ نہ ملا لیکن وہ طعام جنت ہی پکارتا پھرے گیا یہاں تک کہ بھوک کے مارے اخیر اُسے گھاس ہی کھانی پڑی۔ بس یہی مثال اُن لوگوں کی ہوتی ہے جو زہد و روع میں زیادہ غلو کر کے یہاں تک بڑھتے ہیں کہ عدل شرعی کی حد سے نکل جاتے ہیں ان کا آخر بھی رغبت فاسدہ اور رجوع محارم پر ہی ہو جاتا ہے جیسا کہ اکثر دیکھا اور تجربہ کیا گیا ہے۔

اہل سنت اور اُن پر قیاس کا الزام: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ اہل سنت میں سے تمام لوگ قیاس کو مانتے اور رائے پر عمل کرتے ہیں۔ اِس کی وجہ سے اُنہوں نے دینِ الٰہی میں وہ امور داخل کر دیئے ہیں جو در حقیقت دین میں نہ تھے احکام شریعت کو بدل ڈالا ہے۔ چار مذہب گھڑ لیے ہیں جو نہ نبی ﷺ کے زمانہ میں تھے اور نہ صحابہ کے زمانہ میں اور اصحابہ کے اقوال کو مہمل سمجھ لیا باوجود اُنہوں نے قیاس کے کرنے پر نص (اور تشریح) کر دی تھی اور یہ فرما دیا تھا کہ سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا ہے۔ فقط شیعی علماء کا الزام ختم ہو گیا۔

پہلا جواب: اول یہ کہ ان تمام اہل سنت پر جو خلفاء ثلثہ کی امامت کے قائل ہیں یہ دعوی کرنا کہ وہ قیاس قائل ہیں بالکل جھوٹا دعوے ہے کیونکہ ان میں بہت سے فرقے ایسے نکلتے ہیں جو قیاس کے قائل نہیں جیسے معتزلہ اسی طرح بغداد اور اہل ظاہر مثل داؤد اور ابن حزم وغیرہ ان کے علاوہ ایک فرقہ محدثین اور صوفیہ کا بھی ہے جو قیاس کے قائل نہیں ہے علاوہ اس کے شیعہ میں بھی ایسے لوگ ہیں جو قیاس کے قائل ہیں جیسے کہ زیدیہ پس یہ نزاع شیعہ میں بھی ہو گیا جیسا کہ اہل سنت والجماعت میں ہے۔

دوسرا جواب: قیاس اگر چہ ضعیف ہے لیکن یہ ایسے شخص کی تقلید کرنے سے (بدرجہا) بہتر ہے جو علم مس ی مجتہدین کے مبلغ علم کو نہ پہنچا ہو کیونکہ جس میں کچھ بھی علم اور انصاف ہے وہ یہ ضرور جانتا ہے کہ امام ماالک، لیث بن سعد، اوزاعی، امام ابوحنیفہ، امام ثوری، ابن ابی لیلے اور امام شافعی، امام احمد،

امام اسحاق، ابی عبید، ابی ثور۔ جیسے لوگ علم اور فقہ دونوں میں عسکریین وغیرہ سے بہت زیادہ ہیں۔ اس کے علاوہ وہ یہ لوگ اُس سے بہت بہتر ہیں جس کا انتظار ہی انتظار ہے یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیا کہے گا اور ان حضرت میں سے اگر کسی کے پاس ایسی نص ہو جو حضور انور علیہ السلام سے منقول ہو تو اس میں شک نہیں کہ یہ نص جو حضور انور سے منقول ہے قیاس پر بے شک مقدم ہوگی اور اگر کسی کے پاس کوئی نص نہیں ہے اور نہ قیاس سے کہہ سکتا ہے تو وہ جاہل ہوتا اور وہ قیاس جو مفید ظن ہو اُس جہل سے بہتر ہے جس میں نہ علم ہو نہ ظن ہو۔

تیسرا جواب: جن لوگوں نے دین الٰہی میں وہ امور داخل کر دیے ہیں جو دین میں نہ تھے اور احکام شریعت کو بدل ڈالا ہے ایسے لوگ ہمارے مہربانوں میں سے زیادہ کسی فرقہ میں نہیں ہیں کیونکہ اُنہوں نے اللہ کے دین میں حضور انور پر اس قدر جھوٹ بولا ہے کہ اور کسی نے اتنا جھوٹ نہیں بولا اور صدق کا اس قدر رد کیا ہے کہ اور کسی نے اتنا رد نہیں کیا۔ پھر قرآن شریف کی اس قدر تحریف کی ہے کہ اور کسی نے اتنی تحریف نہیں کی جیسا کہ اس آیت کی بابت۔ اِنَّ مَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ. ترجمہ (اے مسلمانو! تمھارا دوست تو صرف اللہ ہے اور اُس کا (برگزیدہ) رسول اور وہ مسلمان جو (نہایت) خشوع کی حالت میں نماز پڑھا کرتے ہیں اور وہ زکوٰۃ دیا کرتے ہیں۔ شیعہ کہتے ہیں کہ یہ علی کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس وقت آپ نماز پڑھتے ہوئے انگوٹھی صدقہ کر دی تھی اور آیت مرج البحرین میں بحرین سے مراد علیؓ اور فاطمہ ہیں۔ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ سے مراد حسن اور حسین ہیں۔ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنَاهُ فِيْ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ. میں امام سے مراد علی بن ابی طالب ہیں اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرَاهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِيْنَ. میں آل عمران سے مراد ہے آل ابی طالب ہے اور ابو طالب کا نام عمران تھا۔ فَقَاتِلُوْا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ. میں ائمہ کفر سے مراد طلحہ اور زبیر ہیں۔ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ. میں شجرہ سے مقصود بنو امیہ ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً. سے مراد عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں (نعوذ باللہ) وَلَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ. میں شرک سے مراد ابو بکرؓ اور علیؓ کو ولایت میں برابر سمجھنا ہے غرض اس قسم کی اور بہت سی

مثالیں ان کی کتابوں میں موجود ہیں پھر ان ہی میں سے اسماعلیہ اور نصیریہ فرقہ کے لوگ ہیں جو واجبات اور محرمات کی تاویل کرنے میں گھسے ہوئے ہیں پس یہی لوگ ائمہ تاویل ہیں جنھوں نے تمام الفاظ اور کلموں کو اُن کے موقعوں سے بدل ڈالا ہے اور جو شخص ان میں تدبر اور غور کرے تو وہ ان میں سراسر کفر معانی کی تعریف اس قدر پائے گا کہ مسلمانوں کے کسی فرقہ میں بھی اس قدر نہیں ہے اور ان لوگوں نے یقیناً سب سے زیادہ وہ امور دین میں داخل کر دیے جو در حقیقت دین میں نہ تھے اور کتاب اللہ کی اس قدر تحریف کی ہے اور کوئی تحریف کرنے میں اُن کے قریب تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔

چوتھا جواب: یہ ہے کہ شیعی علماء کا یہ کہنا ہے کہ ان لوگوں نے چار مذہب ایسے گھڑ لیے ہیں کہ نہ وہ حضور انور ﷺ کے زمانہ میں تھے اور نہ صحابہ کے زمانہ میں اور صحابہ کے اقوال کو مہمل سمجھ لیا ہے تو اس سے یہ کہا جائے گا کہ جب صحابہ کی مخالفت اور اُن کے اقوال سے عدول کرنا امامیہ کے نزدیک بھی خلاف ہے تو صحابہ سے محبت کرنے اور دوستی رکھنے اور تمام قرون پر اُنہیں فضیلت دینے پر وہ بھی متفق نہ رہے نہ اس پر کہ انکا اجماع حجت ہے یا اُن کے اجماع سے علیحدہ قول کرنے کا کسی کو مجاز نہیں ہے بلکہ عام ائمہ مجتہدین اس امر کی تصریح کرتے ہیں کہ ہمارے لیے یہ ہرگز جائز نہیں ہے کہ ہم صحابہ کے اقوال سے علیحدہ ہوں پھر صحابہ کی مخالفت سے ایسا شخص انہیں کس طرح طعنہ دے سکتا ہے جو یہ کہتا ہو کہ صحابہ کا اجماع حجت نہیں ہوتا ادھر ان میں کفر وظلم ہونا بیان کرے پس اگر صحابہ کا اجماع حجت ہے تو وہ دونوں فریق پر حجت ہے اور اگر حجت نہیں تو ان پر اس سے حجت نہیں ہو سکتا اور اگر یہ کہے کہ اہل سنت اسے حجت ٹھہرا کر اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ تو اِس کا جواب یہ ہے کہ اہلسنت کی بابت ہرگز یہ خیال نہیں ہو سکتا کہ صحابہ کے اجماع کی مخالفت کرنے پر سب متفق ہیں اسمیں شک نہیں کہ امامیہ فرقہ کے لوگ باوجود صحابہ کے اجماع کی مخالفت کرنے کے عترۃ نبویہ کے اجماع کی مخالفت کرنے پر بھی سب متفق ہیں کیونکہ حضور انور ﷺ، ابوبکرؓ، عمرؓ عثمانؓ اور علیؓ کے زمانہ میں کوئی بنی ہاشم بارہ اماموں کی امامت کا قائل نہ تھا اور نہ حضور انور کے بعد کسی کے معصوم ہونے کا کوئی قائل ہوا اور نہ خلفاء ثلثہ کے کفر کا کوئی قائل ہوا بلکہ ان کی امامت میں کسی نے کچھ طعن تک بھی نہ کیا اور نہ کوئی ان کی صفات کا منکر ہوا نہ کسی نے تقدیر کی تکذیب کی ہاں اِس کے مقابلہ میں عترۃ نبویہ کی مخالفت پر امامیہ بیشک متفق ہیں۔ ساتھ ہی یہ اجماع صحابہ

کی مخالفت کرتے ہیں پس یہ اُن لوگوں کو کیونکر بُرا کہہ سکتی ہیں جو نہ اجماع صحابہ۔ کے مخالف ہیں اور نہ اجماع عترت کے مخالف ہیں۔

پانچواں جواب: یہ ہے کہ شیعی علماء کا یہ کہنا سنیوں نے چار مذہب ایسے ایجاد کر لئے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں نہیں تھے۔ تو اس سے مراد اگر یہ ہے کہ باوجود صحابہ کی مخالفت کے اُنہوں نے چار مذہب ایجاد کر کے سب نے اُن پر اتفاق کر لیا ہے تو یہ اُن پر اتہام اور بالکل جھوٹ ہے کیونکہ یہ سب ائمہ ایک ہی زمانہ میں نہیں ہوئے بلکہ امام ابو حنیفہ کا وصال ۱۵۰ھ میں ہوا ہے اور امام مالک کا وصال ۱۷۹ھ میں ہوا ہے اور امام شافعی کا وصال ۲۰۴ھ میں ہوا ہے اور امام احمد بن حنبل کا وصال ۲۴۱ھ میں ہوا ہے نہ ان لوگوں میں ایک نے دوسرے کی تقلید کی نہ کوئی ان میں سے لوگوں کو اپنے اتباع کا امر کرتا تھا بلکہ یہ سب ائمہ قرآن وحدیث کی پیروی کرنے کی دعوت دیتے تھے اور جس وقت کوئی اُن کے روبرو ایسی بات کہتا تھا جو قرآن اور حدیث کے مخالف ہوتی تو یہ فوراً اُس کی تردید کر دیتے تھے اس کے علاوہ اُنہوں نے کبھی نہیں کہا کہ ہماری تقلید کرو اور اگر تم یہ کہو کہ تمام لوگوں نے اُن ہی مذہب والوں کا اتباع کیا ہے تو یہ بھی مجموعی طور پر نہیں ہے بلکہ اتفاق ایسا ہوا ہے کہ کچھ لوگوں نے اُس امام کا اتباع کر لیا اور بعض نے دوسرے امام کا کر لیا جیسے حاجی لوگ ایسے آدمی کے متلاشی ہوتے ہیں جو اُنہیں راستہ بتلا دے۔ اسی طرح ان لوگوں نے بھی ایک عمدہ دلیل دیکھ کر اُس کا اتباع کر لیا بس یہی دوسرے لوگوں کا حال ہے اور جب یہ اس طرح ہے تو اس بارے میں تمام اہل سنت کا اجماع باطل پر نہ ہوا بلکہ ان میں سے ہر فرقہ دوسرے میں جو کچھ غلطی اور خطا دیکھتا ہے اُس کا برابر انکار کرتا ہے پس یہ اس پر متفق نہیں ہیں کہ ایک شخص معین پر یہ لازم ہو کہ ان میں ہر ایک کے قول کو وہ قبول کیا کرے بلکہ سوائے حضور انور ﷺ کے اور کسی معین شخص کی تقلید کرنے کے لیے جمہور علماء بھی عام آدمی کو امر نہیں کرتے اسی طرح اللہ تعالے نے بھی امت کے لیے ایک عصمت معین کی ہے اور اسی عصمت میں یہ بھی داخل ہے کہ چند علماء کر دیئے جس وقت کسی مسئلہ میں ایک سے غلطی ہو تو دوسرا درستی کرے تاکہ حق ضائع نہ ہو اور اسی واسطے جب بعض مسائل میں بعض کا قول خطا پر ہوتا ہے تو دوسرے کے قول وہ صحیح ہو جاتا ہے لہٰذا تمام اہل سنت کا اتفاق گمراہی پر ہرگز نہیں ہوتا باقی بعض علماء بعض مسائل میں خطا ہونی

سو یہ ہم پہلے کئی مرتبہ کہہ چکے ہیں کہ یہ کچھ مضر نہیں ہو سکتی جیسا کہ بعض مسلمانوں سے کچھ خطا ہو جائے لیکن شیعہ جس مسئلہ میں تمام اہل سنت کا خلاف کریں گے اس میں یہ بے شک خطا پر ہوں گے جیسا کہ یہود اور نصاریٰ مسلمانوں کا جس امر میں خلاف کرتے ہیں یقیناً خطا پر ہوتے ہیں۔

چھٹا جواب: یہ ہے شیعی علماء کا یہ کہنا ہے کہ چاروں مذہب نہ نبی ﷺ کے زمانہ میں تھے اور نہ صحابہ کے زمانہ میں تو اس سے اگر یہ مراد ہے کہ ان کے اقوال نبی ﷺ یا صحابہ سے منقول نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے نبی ﷺ یا صحابہ کے اقوال کو چھوڑ کر ان کے خلاف مسائل گھڑ لیے ہیں سو یہ اُن پر یقیناً تہمت اور جھوٹ ہے کیونکہ صحابہ کی مخالفت پر کبھی ان کا اتفاق نہیں ہوا بلکہ یہ اور تمام اہل سنت صحابہ کے اقوال میں ان کے پیرو اور تابع ہیں اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ صحابہ کے اقوال سے ناواقف ہونے کے باعث بعض اہل سنت صحابہ کے مخالف ہو گئے ہیں تو اُن کے مقابلہ میں دوسرے اہل سنت نے ان کی موافقت کی اور اُن کی مخالفت کی خطا کو ظاہر کر دیا ہے اور اگر اس سے مراد یہ ہے کہ نفس ان مذاہب والے اس زمانہ میں نہ تھے تو اُس سے کچھ خرابی لازم نہیں آتی کیونکہ یہ سب جانتے ہیں کہ ہر زمانہ پہلے زمانہ کے بعد میں ہوتا ہے۔

ساتواں جواب: یہ ہے شیعی علماء کا یہ کہنا اُنہوں نے صحابہ کے اقوال کو مہمل کر دیا ہے تو یہ بھی ان کا جھوٹ اور بہتان ہے بلکہ ان اہل مذاہب کی کتابیں صحابہ کے اقوال نقل کرنے اور ان کے ساتھ استدلال کرنے سے بھری ہوئی ہیں اگر چہ اُن میں سے ہر فرقہ کے پاس وہ اقوال ہیں جو دوسرے کے پاس نہیں ہیں پس اگر اِس سے انکی یہ مراد ہے کہ یہ لوگ ابوبکر و عمر وغیرہ کے مذہب کے قائل نہیں ہیں تو اِس کا سبب یہ ہے کہ ان لوگوں نے صحابہ کے آثار اور اُن سے مستنبطہ احکام کو جمع کیا ہے اور یہی آثار اور احکام ان کی طرف منسوب ہوئے ہیں جیسا کہ حدیث کی کتابیں اُن ہی لوگوں کی طرف منسوب ہیں جنھوں نے اُنہیں جمع کیا تھا جیسے امام بخاری امام مسلم ابوداؤد اور جیسے کہ قراءتیں انہیں لوگوں کی طرف منسوب ہوتی ہیں جنھوں نے اُن کو اختیار کیا ہے مثلاً نافع ابن کثیر اور اکثر اُن لوگوں کے اقوال متقدمین سے منقول ہیں بعض کے مذہب میں جو ایسے مسائل ہیں کہ وہ متقدمین سے منقول نہیں ہیں. تو اُن کو اُس اُنہیں کے اصول اور قواعد سے استنباط کیا ہے پھر ان کے بعد میں وہ لوگ پیدا ہوئے

جنھوں نے اُن کے قول پر خوب غور کیا اور جوان کے نزدیک خطا اور غلطی معلوم ہوئی اُس کو انہوں نے ظاہر کر دیا یہ سب کچھ دین محمدی کی حفاظت ہی کے لیے ہوا ہے یہاں تک کہ یہ لوگ اس درجہ کے ہو گئے جیسا کہ اللہ نے بھی اِس بارے میں ان کی تعریف کی یَـاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرْ (یعنی نیک امر کے کہتے ہیں اور خلاف سے روکتے ہیں پس جس وقت اُن میں کسی سے کوئی غلطی ہوئی خواہ خطا یا عمداً (بھولے سے یا جان کر) تو فوراً دوسرے نے اس کا انکار کر دیا ہے.

دیکھو علماء انبیاء سے بڑھ کر نہیں ہیں. اللہ تعالی نے فرمایا ہے۔ دَاوٗدَ سُلَيْمَانِ اِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمَ الْقَوْمِ وَكُنَّا لَحُكْمُ شَاهِدِيْنَ فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَكُلاًّ اٰتَيْنَا حُكْماً وَعِلْمَا (یعنی داؤد اور سلیمان کو (یاد کرو) جب وہ دونوں ایک زراعت کے بارے میں فیصلہ کر رہے تھے جس وقت اُس میں (گھس کر اس کو) لوگوں کی بکریاں چر گئی تھیں اور ہم اُن کے فیصلہ سے واقف ہیں پس ہم نے اس مقدمہ کے اصلی حکم کو سلیمان کو سمجھا دیا اور ہر ایک کو ہم نے حکمت اور علم عنیت کیا تھا، صحیحین میں فاروق اعظم سے روایت ہے کہ خندق کے سال حضور انور ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا تھا کہ ہر آدمی عصر کی نماز (قبیلہ) بنی قریظہ میں پہنچ کر پڑھے پھر (اتفاق سے) نماز کا وقت اُس سے پہلے راستہ ہی میں ہو گیا تو بعض صحابہ نے تو اُس وقت یہ کہا حضور ﷺ نے ہم سے نماز کا فوت کرانا نہیں چاہا اس خیال سے اُنھوں نے راستہ ہی میں پڑھ لی اور بعض صحابہ نے یہ کہا کہ نہیں ہم (حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق) بنی قریظہ ہی میں پہنچ کر نماز پڑھیں گے چنانچہ ان لوگوں نے سورج غروب ہو جانے کے بعد عصر کی نماز پڑھی لیکن دونوں فرقوں میں سے تنبیہ کسی کو بھی نہ کی گئی پس یہ امر اس پر یقیناً دلیل ہے کہ مجتہدین فقط رسول اللہ ﷺ کے کلام سمجھنے میں اختلاف کرتے ہیں اور ان کا یہی اختلاف ہے۔

آٹھواں جواب: یہ ہے کہ اہل سنت میں کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے کہ فقہاء اربعہ کا اجماع حجت معصومہ ہے نہ یہ کسی نے کہا کہ حق ان ہی میں منحصر ہے اور جو ان سے خارج ہو وہ باطل ہے بلکہ جب کوئی ایسا شخص جو اتباع ائمہ سے نہ ہو (اور اتباع ائمہ یہ ہیں جیسے سفیان ثوری، اوزعی، لیث بن سعد اور مجتہدین میں سے جو ان سے پہلے تھے اور جو اُن بعد میں ہوئے) اور وہ کوئی ایسا قول کہے جو ائمہ

اربعہ کے مخالف ہو تو اس اختلاف کو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی طرف رجوع کرینگے اور راجح قول وہی سمجھا جائیگا جس پر دلیل قائم ہو جائے۔

نواں جواب: شیعی علماء کی یہ گوہر افشانی کرنی کہ صحابہ نے قیاس کے ترک کرنے پر نص کردی ہے سوان سے کہا جائیگا کہ وہ جمہور جو قیاس کے قائل ہیں کہتے ہیں کہ صحابہ سے یہ ثابت ہے کہ اُنھوں نے بھی اپنی رائے اور اجتہاد سے کہا اور قیاس کیا ہے جیسا کہ اُن سے قیاس کی برائی بھی ثابت ہے اور یہ دونوں قول صحیح ہیں کیونکہ مذموم قیاس تو وہ ہے جو نص کے مقابلہ میں ہو جیسا کہ اُن لوگوں کا قیاس جو کہتے ہیں۔اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبَا. (یعنی خرید و فروخت کرنا بھی ربا ہی جیسا ہے) اور جیسا کہ ابلیس کا قیاس تھا کہ اُس نے حضرت آدم کو سجدہ کرنے میں قیاس کے ذریعہ سے امر الٰہی کا مقابلہ کیا اور جیسا کہ ان مشرکین کا قیاس ہے جو مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم اپنا مارا ہوا (یعنی ذبح کیا ہوا) جانور کھا لیتے ہو اور اللہ تعالی کا مارا ہوا نہیں کھاتے اللہ تعالی فرماتا ہے۔ وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰٓی اَوْلِیٰٓئِهِمْ لِیُجَادِلُوْکُمْ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّکُمْ لَمُشْرِکُوْنَ. (یعنی شیاطین تو بیشک اپنے دوستوں (یعنی کافروں کے دل میں وسوسہ ڈالا ہی کرتے ہیں تا کہ وہ تم سے (فضول) جھگڑے کیا کریں اور اگر ان کی اطاعت کر لو تو بے شک ہو جاؤ گے) غرض ایسا ہی حکم کی علت میں وہ قیاس ہوتا ہے جس میں فرع اصل کے مشارک نہ ہو غرض کہ قیاس اسی لئے مذموم ہوتا ہے کہ یا تو اُس کی شرط نہ ہو اور یا مناط (علت) حکم میں مساوات نہ ہو اور یا اُسکا کوئی مانع ہو اور مانع نص ہوتی ہے۔ جسکا قیاس پر مقدم کرنا واجب ہوتا ہے اگرچہ نفس الامر میں دونوں متلازم ہیں پس شرط تو فوت نہیں ہوئی لیکن مانع موجود ہے اور مانع نہیں ہوتا تو شرط مفقود ہوتی ہے ہاں وہ قیاس کہ وہاں مناط حکم میں اصل اور فرع دونوں برابر ہیں اور ایسا کوئی معارض (اور مانع) بھی نہ ہو جو اس سے راجح ہو تو بھی وہ قیاس ہے جو ممتنع نہیں اس میں شک نہیں کہ قیاس فاسد بھی ہوتا ہے اور اکثر فقہاء نے فاسد قیاس کئے ہیں کہ بعض ان میں نص سے باطل ہو جاتے ہیں اور بعض اُن میں ایسے ہیں جن کے بطلان پر تمام سلف کا اتفاق ہے لیکن اکثر قیاسوں کے بطلان سے یہ لازم نہیں آتا کہ سب ہی قیاس باطل ہوں۔ جیسا کہ اکثر احادیث میں جھوٹ ہونے سے ضروری نہیں ہو سکتا کہ تمام حدیثوں کو جھوٹی کہدیا جائے دیکھو

دارومدار قیاس کا اس پر ہوتا ہے کہ حکم کی علت اور مقتضا میں دونوں صورتیں برابر ہوں پس جس وقت اس طرح ہوگا تو یہ قیاس بے شک صحیح ہوگا لیکن بعض قیاس کرنے والوں سے کبھی وہم ہو جاتا ہے جو علت حکم کی نہیں ہوتی وہ اُسے علت حکم خیال کر لیتے ہیں۔اس لئے غلطی ہو جاتی ہے اسی وجہ سے قیاس کرنے والوں کے نزدیک عمدہ قیاس وہ ہے جو مشترک تاثیر کے بیان پر ہو۔جس کا نام وہ لوگ جواب سوال المطابقت رکھتے ہیں اور وہ یہ ہے کوئی کہے کہ ہم اسے تسلیم نہیں کرتے کہ اصل میں حکم کی علت وہ یہی وصف ہے جو اصل اور فرع میں مشترک ہے۔تا کہ اس فرع کو اس اصل کے ساتھ (حکم میں) ملا دیا جائے کیونکہ قیاس کی اتنی صحت ہی ثابت نہیں ہو سکتی جب تک کہ دونوں صورتیں اُس وصف مشترک میں شریک نہ ہوں کہ جو حکم کو مستلزم ہے یا تو نفس علت میں شریک ہوں۔اور یا علت کی دلیل میں سو کبھی تو کوئی جامع ظاہر کرنے کی وجہ سے اور کبھی کوئی فارق نہ ہونے کی وجہ سے پس جس وقت کسی کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ ان دونوں صورتوں میں کوئی نہیں ہے تو یہ معلوم ہونا ان دونوں کے حکم میں مساوات کے علم کے متعلق ضرور مؤثر ہوگا اگرچہ اُسے عین جامع معلوم نہ ہو۔

ایک اور حملہ: شیعی علماء یہ سخت حملہ کرتے ہیں کہ اسی سبب سے ان لوگوں کو بہت سے امور شنیعہ اختیار کرنے پڑے ہیں۔چنانچہ اُس بیٹی کو مباح کہتے ہیں جو زنا سے پیدا ہوا اور جو شخص اپنی ماں یا بہن یا بیٹی سے باوجود حرام سمجھنے کے نکاح کر لے تو اُس سے حد ساقط ہونے کے قائل ہیں اور ایسے عقد (اور رشتہ) کے واسطے سے جس کے نہ ہونے کو وہ خود بھی جانتا ہو نسبت ثابت ہونے کو کہتے ہیں اور جو شخص اپنے ذکر پر چیتھڑا لپیٹ کر اپنی ماں یا بیٹی سے زنا کر لے تو اُس سے اور لوطی سے حد کو ساقط کہتے ہیں حالانکہ یہ افعال زنا سے بھی بدتر اور قبیح تر ہیں پھر مشرقیہ عورت کا نسب مغربی مرد سے ثابت کرتے ہیں یعنی مثلاً ایک آدمی اپنی بیٹی کا نکاح جو مشرق میں تھی ایسے آدمی سے کر دیا کہ جو مغرب میں رہتا تھا مگر وہ مغرب سے مشرق میں نہیں آیا یہاں تک کہ چھ مہینے گزر گئے۔پھر اُس لڑکی کے مشرق ہی میں لڑکا ہو گیا تو اُس لڑکے کا باپ یہی آدمی ہوگا۔جس سے نکاح ہوا تھا حالانکہ اُسکا باپ مغرب ہی میں رہا باوجود یہ کہ بلا چند سال چلنے کے یہ اُس لڑکی کے پاس پہنچ بھی نہیں سکتا بلکہ اگر نکاح ہی کے وقت سے اِسے بادشاہ نے روک لیا اور پچاس برس تک بڑے سنگین پہرے میں اُسے قید رکھا اور اس مدت کے بعد یہ اپنی

سسرال گیا تو اُس نے دیکھا کہ اُس عورت کی اولاد اور اولاد کی اولاد اس کثرت سے ہے کہ اُن کے آپس میں کئی قبیلے اور خاندان ہو گئے ہیں اور وہ سب کے سب اسی آدمی کے کہلاتے ہیں جو اُس عورت یا اور کسی عورت کے پاس تک بھی نہیں گیا۔ علی ہذا القیاس۔ اُس نبیذ کو جو نشہ میں شرب کے مشارک ہو مباح اور اُس سے وضو کو جائز کہتے ہیں اسی طرح کتے کی کھال پر اور خشک ناپاکی پر نماز پڑھنا جائز بتاتے ہیں۔ حکایت ہے کہ ایک بادشاہ کے ہاں چند فقہاء خفیہ بیٹھے ہوئے تھے وہاں ایک دوسرے مذہب کے فقیہ نے حنفیہ کی نقل کی وہ ایک مغصوبہ مکان میں گیا اور نبیذ سے وضو کیا اور تکبیر کہہ کر بلانیت فارسی میں قرائت شروع کی اور فقط مدہامتان فارسی میں کہہ کے رکوع کیلئے سر جھکالیا اور ذرا سر جھکا کر پھر سجدہ میں چلا گیا اسی طرح سجدہ بھی بقدر تلوار لگنے کے کر کے فوراً سر اُٹھالیا اور کھڑے ہو کر دوسری رکعت بھی اسی طرح پڑھی اور سلام کی جگہ یعنی سلام پھیر کے عوض وضو توڑ کر بھاگ گیا بادشاہ دیکھ کر ناراض اور خفیف ہوا کیونکہ وہ اسی حنفی مذہب کا تھا اور سنئے سُنی قائل ہیں کہ اگر غاصب مغصوب شے کی صورت بدل دے تو وہ غاصب کے علاوہ اوروں کے حق میں مباح ہے. سُنی یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر کوئی چور کسی کے گھر میں گھسا اور وہاں چکی وغیرہ اور غلہ دیکھا اور اس غلہ کو اس چکی سے پیس دیا۔ تو اُس آٹے کا یہی مالک ہو جائے گا۔ پھر اگر مالک آ جائے اور اس آٹے کو اس سے چھیننے لگے تو مالک ظالم ہوگا اور یہ چور مظلوم اور اگر ان میں مار پیٹ تک نوبت پہنچے اُس وقت اگر یہ مالک مارا گیا تو اس کا خون بیکار رہے گا اور اگر چور مارا گیا تو یہ شہید ہوگا۔ سنیوں کا عقیدہ ہے کہ زانی گواہوں کو جھوٹا بتائے تو اُس پر حد واجب کرتے ہیں اور اگر وہ گواہوں کو سچا کہے تو اُس سے حد کو ساقط کر دیتے ہیں تو یہاں باجود اقرار اور بینہ ہونے کے حد کو ساقط کرنا ہے اور یہ حدود الٰہی کو ساقط کرنے کا ذریعہ ہے کیونکہ جب ایک شخص پر کسی نے زنا کی گواہی دی اور اس گواہی کی اُس نے بھی تصدیق کر لی تو اُس سے حد ساقط ہو جاتی ہے. پھر اور سنئے سنیوں کی کاروائی کتے خوری کو مباح کرنا اور غلاموں سے بدفعلی کرنا اور باقی کھیل جیسے شطرنج اور گاناو غیرہ اسقدر مسائل ہیں کہ بیان نہیں ہو سکتے شیعی علماء کے زہریلے طعنے یا اعتراض ختم ہو گئے۔

پہلا جواب: تو یہ ہے کہ اِن ہی مسائل میں وہ مسئلے بھی ہیں جو تمام اہل سنت پر بہتان اور جھوٹ ہیں اور اُن کے سوا ان میں کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس میں جمہور اہل سنت کا خلاف نہ ہو اگر چہ فقہا ان کے

قائل ہیں لیکن اگر اُن کا قول غلط ہوا تو پھر بھی صحیح ان کے سوا اہل سنت ہی میں ہے اور اگر اُن کا قول ٹھیک ہے تو پھر بھی اہل سنت صواب پر ہیں غرض کہ صواب اہل سنت سے دونوں طرح خارج نہیں۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ بہت سے مسائل شیعوں میں بھی ایسے ہیں جن کا دین اسلام میں سے کوئی مسلمان بھی آج تک قائل نہیں ہوا بعض ان میں ایسے ہیں کہ ان پر سب کا اتفاق ہے اور بعض ایسے ہیں جن کے بعض ہی قائل ہیں مثلاً جمعہ اور جماعت کو ترک کرنا پس یہ لوگ جمعہ اور جماعت کو ترک کر کے اُن مسجدوں کو ویران کر دیتے ہیں جن کے آباد رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ اور یہ کہ ان میں اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے اور ایسے مجلس خانے تعمیر کراتے ہیں جن کے بنانے کو اللہ نے اور اُس کے رسول ﷺ نے حرام فرما دیا ہے اور یہ لوگ اُن کو بمنزلہ بت خانوں کے کرتے ہیں اور بعض ان میں اس کی زیارت کرنے کو ثواب میں حج کے برابر سمجھتے ہیں چنانچہ شیخ مفید نے اس بارے میں ایک کتاب تصنیف کر کے مناسک حج المشاہد اُس کا نام رکھا ہے جس میں کذب اور شرک بھرا ہوا ہے ان ہی امور میں سے یہود کی طرح مغرب کی نماز کو مؤخر کر کے پڑھنا ہے۔ علی ہذا القیاس اہل کتاب کے ذبح کئے ہوئے جانوروں کو حرام سمجھنا اور مچھلی کی ایک قسم کو حرام سمجھنا اور بعض کے نزدیک اونٹ کے گوشت کو حرام سمجھنا اور موزہ در موزہ طلاق دینے میں بعض کے نزدیک گواہوں کا شرط ٹھہرانا اور مسلمانوں کی مزدوریوں میں سے پانچواں حصہ لینے کو واجب کہنا اور ساری میراث بیٹی کے لئے کر دینی اور عصبوں میں سے چچا وغیرہ کو محروم کرنا اور ہمیشہ دو نمازوں کو ملا کر پڑھنا اور روزے بلا چاند دیکھے محض دنوں کے شمار پر رکھنے کہ چاند دیکھنے سے پہلے ہی شروع کر دیتے ہیں اور پہلے ہی عید بھی کر لیتے ہیں غرض اسی قسم کے اور بھی بہت سے مسائل ہیں جو یقیناً مسلمانوں کے اُس دین کے بالکل خلاف ہیں جو اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو دے کر بھیجا تھا اور ان پر اپنی کتاب نازل فرمائی تھی اور اُن کے علاوہ اُن کی بہت سی بیہودہ باتیں ہیں اگر چہ اُن میں بعض متقدمین نے بھی ان کی موافقت کی ہے جیسا کہ متعہ کو حلال کرنا اور معلق بالشرط طلاق کو واقع نہ کہنا اگر چہ اُس نے شرط کے وقت طلاق دینے کا قصد کر لیا ہو اور یہ کہنا کہ کنایات سے طلاق نہیں ہوتی یا طلاق دینے میں گواہوں کا ہونا شرط ہے۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ جو فقہا ان مسائل کے قائل ہوئے ہیں اُن کے نزدیک ان کے ماخذ ہیں

اگر چہ وہ جمہور کے نزدیک غلط ہوں غرض کہ خود اہل سنت بھی اُن میں غلطی ثابت کرتے ہیں لہٰذا صواب (اور حق) بیان کرنا اُن سے خارج نہ ہوگا جیسا کہ صواب اُن سے خارج نہیں ہوتا پس جولڑکی زنا سے پیدا ہو تو جمہور فقہا جیسے امام ابو حنیفہ امام احمد امام مالک اظہر روایتیں میں اسے حرام کہتے ہیں اور ایک قول امام شافعی سے بھی اسی کے موافق منقول ہے اور امام احمد کا تو یہ گمان بھی نہیں ہے کہ ان مسائل میں نزاع ہو یہاں تک کہ اُنھوں نے ایسے شخص کے قتل کر دینے کا فتویٰ دیا ہے جو ایسا فعل کرے اور جو لوگ اِس کے قائل ہیں جیسے امام شافعی اور ابن ماجشون تو یہ بھی وراثت نہ ثابت ہونے کے باعث نسب کو منتفی سمجھتے ہیں۔ لہٰذا اب اس کے کل احکام منتفی ہو گئے رہا حرام ہونا وہ بھی احکام میں سے ہے۔ اور جن لوگوں نے اِس کا انکار کیا ہے اُن کا قول یہ ہے کہ نسبوں کے احکام مختلف ہوتے ہیں بعض نسب کے لئے وہ احکام ثابت ہو جاتے ہیں جو بعض کے لئے نہیں ہو سکتے پس باب تحریم اُس کو متناول ہوگا جسے لفظ شامل ہوا اگر چہ مجازاً ہی ہو یہاں تک کہ نواسی بھی حرام ہوگی بلکہ رضاع سے بھی وہ حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہو جاتے ہیں پس جولڑکی زنا سے ہوگی وبدرجہا اولی حرام ہوگی بخلاف وراثت کے کہ یہ خاص ان کے لئے ہوتی ہے جو میت کی اولاد میں سے اُسکی طرف منسوب ہو چنانچہ بیٹے کی اولاد کے لئے ورثہ ہوتا ہے اور بیٹی کی اولاد کے لئے نہیں ہوتا باقی ذوات محارم سے نکاح سو امام ابو حنیفہ نے اُس کو شبہ قرار دیا ہے اور حدِ شبہ سے جاتی رہتی ہے۔ وجہ شبہ کی یہ کہ بظاہر یہاں عقد ہو گیا ہے لیکن جمہور اس کو شبہ نہیں کہتے بلکہ ان کا قول یہ ہے کہ اس کی وجہ سے ڈبل سزا دینی چاہیے۔ اسی طرح لواطت میں اکثر سلف کا قول یہ ہے کہ اُس کے کرنے والے کو مطلقاً قتل کر دینا واجب ہے اگر چہ وہ محصن نہ ہو (یعنی عاقل بالغ نکاح صحیح سے صحبت نہ کئے ہوئے ہو) بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس پر صحابہ کا اجماع ہے اور یہی مذہب اہل مدینہ مثال امام مالک وغیرہ کا ہے صحیح روایت امام احمد کے مذہب کی بھی یہی ہے اور ایک قول امام شافعی کا بھی اُسی کے موافق ہے اسی قول پر مفعول بہ بشرطیکہ بالغ ہو مطلقاً قتل کر دیا جاتا ہے دوسرا قول اس کی بابت یہ ہے کہ اس کی حد بھی زنا کی سی ہے۔ یہی قول امام ابو یوسف امام محمد کا ہے۔ اور امام شافعی امام احمد سے بھی ایک قول اسی طرح کا مروی ہے۔ غرض جب یہ ثابت ہو گیا کہ فاعل (یعنی بدفعلی کرنے والا) مثل زانی کے ہے تو اس پر بعض

کا قول یہ ہے کہ مفعول بہ کو مطلقاً قتل کر دینا چاہیے اور بعض کہتے ہیں قتل نہ کیا جائے اور بعض فرق کرتے ہیں جیسا کہ فاعل میں رہا حد کا ساقط ہونا فقط امام ابوحنیفہ کے مفردات میں سے یعنی اُس کے وہی قائل ہیں پھر مشرقیہ لڑکی کا نکاح مغربی مرد سے کر کے پھر اُن میں نسب ثابت کرنا بھی امام ابوحنیفہ کے ہی مفردات سے ہے اور اصل اس بارے میں یہ ہے کہ ان کے نزدیک نسب سے مقصود مال ہوتا ہے پس وہ اُس کے مقصود کو قائم رکھتے مثلاً جب دو عورتوں نے اپنے آپ کو کسی بیٹیاں ہونے کا دعویٰ کیا تو امام صاحب ان دونوں کو اُس کے ساتھ ملا دیں گے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ یہ دونوں اسکی میراث کو تقسیم کر لیں گی۔ یہ مطلب نہیں کہ یہ دونوں اُس کے نطفہ سے پیدا ہوئی ہیں اسی طرح جب کسی نے اپنی بیوی کو اُس سے صحبت کرنے سے پہلے طلاق دیدی اور اسی حالت میں اُس کے ہاں لڑکا پیدا ہو گیا تو یہ اُسی مرد کا بیٹا کہلائے گا یعنی وہ عورت اور یہ لڑکا دونوں اُس کے وارث ہوں گے۔ یہ مطلب نہیں کہ یہ لڑکا اُسکے نطفہ سے پیدا ہوا ہے حقیقت امام موصوف کے مذہب کی یہ ہے کہ ان کے نزدیک نسب کے حکم میں حقیقی ولادت کا ہونا شرط نہیں ہے بلکہ ان کے نزدیک بچہ اُسی مرد کا کہلائے گا جس کے نکاح میں یہ عورت بچہ والی ہو۔ اگر چہ اُس سے وہ یقیناً حاملہ نہ ہوئی اور یہ ایسی ہی صورت ہے کہ ایک آدمی نے اپنی بیویوں میں بلا تعیین ایک کو طلاق دیدی اور دیتے ہی مر گیا اور کسی کو یہ معلوم نہ ہوا کہ اُن میں مطلقہ کونسی ہے تو امام ابوحنیفہ میراث کو دونوں پر تقسیم کرتے ہیں اور امام شافعی اس بارے میں توقف کرتے ہیں جب تک یہ امر ظاہر نہ ہو جائے یا یہ دونوں صلح نہ کر لیں وہ کچھ حکم نہیں لگاتے مگر جمہور علماء اِس کے مخالف ہیں وہ کہتے ہیں کہ جب ولادت نہ ہونا معلوم ہو گیا تو اب نسب ثابت کرنا بھی جائز نہیں ہے اور نہ نسب کے متعلق اور کوئی حکم ہو سکتا ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ ولادت ثابت نہ ہونے پر بھی بعض احکام ثابت ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ جب کسی نے اپنے ایسے غلام سے جو عمر میں اس سے بہت بڑا تھا یہ کہا کہ تو میرا بیٹا ہے تو یہ کہنا اُس کے آزاد ہونے کا اشارہ قرار دیا جائے گا نہ یہ کہ یہ اسکے نسب ثابت ہونے کا اقرار ہے۔ جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ یہ اقرار ہے۔ جس کا جھوٹ ہونا یقیناً معلوم ہے۔ لہٰذا اس کہنے سے کچھ ثابت نہ ہوگا۔ پس یہ بُرائی جو امام ابوحنیفہ پر آتی ہے اگر یہ حق ہے تو جمہور اہل سنت بھی اس میں اُن کے موافق ہیں اور اگر یہ باطل ہے تب بھی

اُنھیں یہ کچھ مضر نہیں کیونکہ یہ بُرائی اسی پر رہے گی جس کا گمان یہ ہو کہ امام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ یہ لڑکا اُسی مرد کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے جو اپنی بیوی سے کبھی ملا تک بھی نہیں۔ حالانکہ یہ بات کوئی انتہا درجہ کا کم عقل بھی نہیں کہہ سکتا چہ جائے کہ امام ابوحنیفہ جیسے لوگ ایسا کہیں لیکن ہاں وہ بدون دلالت کے نسب کے حکم کو ثابت مانتے ہیں اور یہ اصول فقط اُن ہی کا ہے ہاں جمہور اُن کے مخالف ہیں اور جس کا یہ قول ہے اُسے خطا پر کہتے ہیں۔ اُن ہی میں بعض علماء وہ ہیں جو نسب کو اُس وقت ثابت کرتے ہیں کہ جب مرد اُس عورت سے صحبت کرنے پر قادر ہو جائے جیسا کہ امام شافعی اور احمد کے شاگردوں کا قول ہے بعض ان میں یہ کہتے ہیں کہ جب تک یہ مرد اُس عورت سے دخول نہ کرلے نسب ثابت نہ ہوگا یہی دوسرا قول امام احمد اور امام مالک وغیرہ کا ہے۔ اسی طرح نبیذوں کے حلال ہونے میں اختلاف ہے پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ جمہور اہل سنت اُس کو حرام فرماتے بلکہ اُس کو یہاں تک بڑھاتے ہیں کہ جو کوئی تاویل کر کے پیتا ہو اس پر حد لگاتے ہیں اور ایسے شخص کے فاسق ہونے میں ان کے دو قول ہیں۔ ایک روایت میں امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ فاسق نہیں ہوتا امام محمد بن حسن اُسکی تحریم کے قائل ہیں امام ابوحنیفہ کے شاگردوں میں سے بھی اہل انصاف کے نزدیک یہی مذہب مختار ہے جیسے کہ ابواللیث سمرقندی وغیرہ باقی رہا نبیذ سے وضو کرنا سو جمہور علماء اِس کے منکر ہیں اور امام ابو حنیفہ سے بھی اِس بارے میں دو روایتیں ہیں اور اُنھوں نے اُس کو فقط ایک حدیث ہی کی وجہ سے اختیار کیا ہے جو اسی بارے میں ابن مسعود سے مروی ہے اور اس میں یہ لفظ ہیں کہ۔ **ثمرة طيبة وماء طهور** یعنی نبیذ میں پھل بھی عمدہ پڑا ہوا ہوتا ہے اور پانی بھی پاک ہوتا لیکن جمہور اس حدیث کو ضعیف کہتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر یہ صحیح بھی ہوا اور ضعیف نہ ہو تو آیت تحریم خمر سے منسوخ ہے باوجود یہ کہ وہ کبھی نبیذ نہیں بنتی بلکہ بلا تغیر محض شربت ہی رہتا ہے۔ یا تغیر آتا بھی ہے بہت کم جس کا اتنا اعتبار نہیں یا تغیر زیادہ بھی آتا ہے تو پھر بھی وہ پانی ہی کے حکم میں رہتا ہے۔ ان لوگوں کے قول کے مطابق جو باقلے اور چنے وغیرہ کے ملے ہوئے پانی سے وضو کرنا جائز کہتے ہیں، امام ابوحنیفہ امام احمد کا یہی مذہب ہے اور ان سے اور بھی بہت روایتیں ہیں اور حجت میں دوسرے قول سے یہی اقوی بھی ہے کیونکہ اللہ تعالی کے اِس قول میں۔ **فَإِنْ لَمْ تَجِدُوْا مَاءً**. ماءً. کا لفظ نکرہ نفی کے تحت میں

ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ نکرہ تحتِ نفی میں عام ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ اُس پانی کو بھی شامل ہوگا جس کا ان چیزوں کے ڈالنے سے رنگ بدل جائے گا۔ جیسا کہ یہ اُس پانی کو بھی شامل ہے جس میں اصل ہی سے تغیر آیا ہوا ہو۔ ایسی چیز سے تغیر آ گیا ہو جس سے بچنا ممکن نہ ہو۔ کیونکہ اس لفظ کا دونوں کو شامل ہونا برابر ہے جیسا کہ دریا کے پانی سے وضو جائز ہے۔ حالانکہ نبی ﷺ سے جب کسی نے یہ پوچھا کہ ہم دریا کے پانی سے وضو کرلیں یا نہیں کیونکہ ہم اکثر دریا (یعنی سمندر) کے سفر کرتے ہیں اور پانی ہمارے ساتھ بہت تھوڑا سا ہوتا ہے اگر اُس سے وضو کرلیں تو پھر پیاسے رہ جائیں تو اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نہیں دریا کا پانی بالکل پاک ہے اور اُس کا مرا ہوا جانور (یعنی مچھلی) حلال ہے. ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے پس دریا یعنی سمندر کا پانی باوجودیکہ انتہا درجہ کا کھاری اور کڑوا ہوتا ہے لیکن ہے پاک پس جو پانی پاک چیزوں کے ملنے سے متغیر ہو جائے وہ اُس سے بہت ہی بہتر ہوتا ہے ہاں یہ فرق ضرور ہے کہ وہ تغیر دریا کے پانی میں اصلی ہوتا ہے اور یہ عارضی مگر یہ فرق پانی کے نام میں کچھ فرق نہیں ڈالتا۔ جس نے اس کا اعتبار کیا ہے اُس نے قیاس کا مقتضی یہی ٹھہرایا ہے کہ دریا وغیرہ کے پانی سے وضو نہ کیا جائے لیکن مباح اس لئے کیا گیا ہے ایسے مغیرات سے بچنا ممکن نہیں ہے۔ بات یہ ہے احکام ثبوت قیاس کے موافق ہی ہوتا ہے۔ خلاف نہیں ہوتا۔ پس اگر یہ پانی اس لفظ میں داخل ہوگا تو یہ دوسرا پانی بھی داخل ہوگا۔ ورنہ نہیں۔ اور یہ سب دلالۃ لفظیہ ہے قیاسیہ نہیں ہے تاکہ اس میں مشقت اور عدم مشقت کا اعتبار کیا جائے اب رہی کتے کی کھال پر نماز پڑھنی سوا سے امام ابوحنیفہ اُس وقت جائز کہتے ہیں کہ جب کھال دباغت دی ہوئی ہو اور یہی قول علماء کے ایک گروہ کا ہے فقط امام ابوحنیفہ ہی کا یہ قول نہیں خود حضور انور ﷺ کا یہ ارشاد کہ **ایما اھاب دبغ فقد طھر** یعنی جس کھال کو دباغت دے دی جائے وہ پاک ہو جاتی ہے اس کے علاوہ یہ مسئلہ اجتہادی ہے یہ مسائل شناعات میں سے نہیں ہے. اگر کوئی شیعی علماء سے کہے کہ اس کے حرام ہونے پر ایک عمدہ دلیل لاؤ تو انھیں کوئی بھی دلیل نہیں ملے گی بلکہ اگر اُس سے یہ مطالبہ کیا جائے کہ تم کتے ہی کے حرام ہونے کی کوئی دلیل بیان کردو تاکہ اس سے امام مالک پر رد کیا جائے کیونکہ ایک روایت میں ان سے مروی ہے کہ وہ کتے کو مکروہ سمجھتے ہیں حرام نہیں کہتے تو شیعی علماء سے یہ رد بھی نہ ہوگا باوجود یہ کہ صحیح مذہب جس پر جمہور علماء ہیں یہ

ہے کہ کتے کی کھال بلکہ اور تمام درندوں کی کھالیں دباغت سے بھی پاک نہیں ہوتیں. چنانچہ نبی ﷺ سے متعدد طریقوں سے مروی ہے کہ حضور انور ﷺ نے درندوں کی کھالوں سے منع فرمادیا ہے باقی رہا حضور انور ﷺ کا یہ ارشاد ایما اھاب دبغ فقد طھر سوائمہ محدثین میں سے امام احمد وغیرہ نے اسے ضعیف کہا ہے اور مسلم نے اِسے نقل کیا ہے اسی طرح کتے کھرامہونے پر بھی شرعی بہت سی دلیلیں دلالت کرتی ہیں لیکن شیعی علماء انھیں نہیں جانتے ۔ باقی خشک ناپاکی اور پلیدی پر بلا کسی حائل شے کے نماز پڑھنا سو یہ نہ امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے اور نہ ائمہ اربعہ میں سے کسی کا ہاں اگر زمین پر کوئی نجاست لگ جائے اور پھر دھوپ یا ہوا سے خشک ہو کے اُس کا اثر جاتا رہے تو (اس صورت میں اکثر کا مذہب یہ ہے کہ زمین پاک ہو جاتا ہے اور نماز پڑھنی اس پر جائز ہے یہی مذہب امام ابوحنیفہ کا ہے امام مالک اور امام احمد کے مذہب کی بابت بھی ایک قول یہی ہے اور یہی پہلا قول امام شافعی کا ہے اور یہی قول بظاہر اُس کا بھی معلوم ہوتا ہے۔ جو زمین کے اس طرح پاک ہونے کا قائل نہیں ہے۔ باقی یہ نماز جو شیعی علماء نے بیان کی ہے کہ امام ابوحنیفہ اِسے جائز کہتے ہیں اور کسی بادشاہ کے روبرو اُسے کیا تو وہ بادشاہ اُس مذہب سے پھر گیا تو اہل سنت کے مذہب کے فاسد ہونے پر کسی طرح حجت نہیں ہوسکتی کیونکہ اہل سنت تو یہ کہتے ہیں کہ حق ہم سے نہیں نکل سکتا ہے یہ نہیں کہتے کہ ہم میں کسی سے کوئی خطایا غلطی نہیں ہوتی اب رہی یہ نماز اس کا تو جمہور اہل سنت بھی انکار کرتے ہیں جیسے امام مالک امام شافعی امام احمد اور وہ بادشاہ جس کا ذکر کیا گیا ہے وہ محمود بن سبکتگین تھا حضور انور ﷺ کی سنت کا پیرو اور منصف بادشاہ تھا۔ بدعت اور رفض سے اُسے کمال نفرت تھی پھر شیعی علماء کا یہ قول کہ سُنیوں نے مغصوب شے کو مباح کر دیا جس وقت کہ غاصب اُس شے کی صورت کو بدل دے اور کہتے ہیں اگر چور کسی کے گھر میں گھسا وہاں اس کو کچھ غلہ اور ایک چکی اور ایک بیل ملا اُس چور نے اُس کے غلہ کو اُس کی چکی کو بیل سے چلوا کر پیس دیا تو اُس آٹے کا یہی چور مالک ہو جائیگا۔ پھر اگر مالک آ کر اُس سے آٹے کو چھیننے لگے تو مالک ظالم ہوگا اور یہ چور مظلوم پھر اگر یہ دونوں لڑنے لگے اور مالک مارا گیا تو اُس کا خون بے کار ہے گا اور اگر چور مارا گیا تو یہ شہید ہوگا۔ فقط۔

جواب: اول تو یہ کہ اہل سنت کے جمہور علماء کا یہ قول نہیں ہے یہ فقط اُسی کا قول ہے جو اس بارے

میں جمہور کے بھی مخالف ہے اور جمہور اس کے قول کو ادلہ شرعیہ سے رد کرتے ہیں لیکن فقہا کا اُس غاصب کے بارے میں اختلاف ہے کہ جس وقت وہ مغصوب شے میں اس قدر تغیر کردے کہ اُس شے کا نام بھی نہ رہے جیسا کہ (غلہ کو) پیس دینا اُس کی بابت بعض کا قول یہ ہے کہ اُس شے کو بمنزلہ تلف کردینے کے ہے لہٰذا مالک کے لئے اب اُس سے قیمت لینی واجب ہے اور یہی قول امام ابوحنیفہ کا ہے بعض کا قول یہ ہے کہ نہیں بلکہ وہ شے مالک ہی کی ملک ہے اور جو اس میں زیادتی ہوگی وہ مالک کی ہے اور جو اُس میں نقصان ہوگا وہ غاصب کے ذمے ہے۔ یہی قول امام شافعی کا ہے بعض کا قول یہ ہے کہ یہ بھی ٹھیک نہیں ہے۔ بلکہ مالک کو اختیار ہوگا کہ چاہے اُسی چیز کو لے لے اور جو اُس میں نقصان ہوا ہے اُس کا غاصب سے مطالبہ رکھے اور یا یہ چیز تو غاصب ہی کو دیدے۔ اور اُس کا عوض اُس سے اور لے لے امام مالک کا مشہور مذہب یہی ہے اور جس وقت مالک اُس چیز کو لے گا۔ تو اس میں غاصب بھی اس وجہ سے شریک ہوجائے گا کہ اُس نے کچھ اس میں محنت کی ہے اور بعض کا قول یہ ہے کہ غاصب کو کچھ نہیں ملے گا اور یہی اقوال امام احمد وغیرہ کے مذہب میں ہے اب دیکھو وہ قول جس کا اُنھوں نے انکار کیا ہے۔ وہ جمہور اہل سنت کے قول خلاف ہے اِس کے علاوہ اس کے نقل کرنے میں بھی افترا بندی کی ہے کیونکہ اس کا یہ کہنا کہ اگر وہ دونوں لڑے تو مالک ظلم ہوگا یہ ٹھیک نہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر مالک متاول ہو سوائے اس قول کے اور کچھ اس کا عقیدہ ہی نہ ہو تو اُس وقت یہ ظالم نہ ہوگا اور نہ اس سے لڑنا جائز ہے بلکہ جس وقت اُن میں جھگڑا ہو تو کسی ایسے کے پاس اُنھیں لے جانا چاہئے جو ان میں فیصلہ کردے یہ اُس وقت ہے کہ جب دونوں میں سے ہر ایک کا یہ عقید ہو کہ یہ شے میری ملک ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ سب مسائل جن کا شیعی علماء نے انکار کیا ہے امام ابوحنیفہ کے مذہب کے ہیں سوائے اُس لڑکی کے مسئلہ کے جو زنا سے پیدا ہو یہ امام شافعی کے مذہب کا مسئلہ ہے اب شیعی علماء سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا شیعہ اس کے قائل ہیں کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب باقی کے تینوں مذہبوں سے زیادہ صحیح ہے۔ اور کہتے ہیں کہ جب انسان ان چاروں مذہبوں میں سے کسی سے فتویٰ لینے پر مجبور ہوتا ہے تو وہ حنیفہ ہی سے فتویٰ لیتا ہے۔ اور یہ لوگ امام محمد بن حسن کو امام ابو یوسف پر ترجیح دیتے ہیں غرضیکہ ان لوگوں کو چونکہ حدیث اور سنت سے نفرت ہے اس لئے یہ اُن لوگوں

سے نفرت کرتے ہیں جو حدیث اور سنت سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں پس جب یہ بات اس طرح ہے تو یہ سب خرابیاں امام ابوحنیفہ ہی کے مذہب میں رہیں پس اگر چاروں اماموں کے مذہب سے امام ابو حنیفہ ہی کا قول راجح ہے تو زیادہ تشنیع بھی اُن ہی پر ہوگی نہ کہ اور ائمہ پر ہمارے دوست اپنی زیادتی جہالت اور ظلم کی وجہ سے بغیر علم اور انصاف کے تعریف بھی کر دیتے ہیں اور بُرائی بھی کر دیتے ہیں پس اگر امام ابوحنیفہ ہی کا مذہب راجح ہے تو جو کچھ اُنھوں نے خاص خاص یہ ضعیف مسئلے ذکر کئے ہیں کہ ایسے اور کسی مذہب میں نہیں پائے جاتے تو یہ تناقض ہوا اور اگر وہ راجح نہیں ہے تو اور بقیہ مذہبوں پر اُسے ترجیح دینا باطل ہے غرضیکہ یہ ضرور ہے لازم آئیگا کہ شیعہ ہر طرح اور ہر صورت میں باطل پر ہیں یہ ہر موقع پر ایسی گفتگو کرتے ہیں جو ان کی اغراض کے مناسب ہوتی ہے۔ خواہ وہ حق ہو خواہ باطل. چنانچہ اس مقام میں بھی ان کا مقصود یہی تھا کہ اہل سنت کے ہر مذہب اور ہر فرقہ کی بڑائی ہو اسی لئے ایسے موقع پر وہ امور ذکر کرتے ہیں جو اُن کے خیالات میں مذموم ہوتے ہیں برابر ہے کہ نقل کرنے میں سچے ہوں یا جھوٹے ہوں اور برابر ہے کہ جو برائی اُنھوں نے ذکر کی ہے وہ حق ہو یا باطل ہو اگرچہ ان کے مذہب میں اور سب مذہبوں سے زیادہ اور بڑے بڑے عیب ہوں باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ جس وقت زانی گواہوں کی تکذیب کرے تو اُس پر حد واجب کرتے ہیں اور اگر ان کی تصدیق کرے تو حد کو ساقط کرتے ہیں باوجود یہ کہ اس صورت میں اقرار اور گواہ دونوں ہو جاتے ہیں اور یہ اُن کے ہاں حدود الٰہی کو ساقط کرنے کا ذریعہ ہے کیونکہ جس کے زنا پر گواہی ہوگئی اور اُس نے گواہوں کی تصدیق کر لی تو پھر بھی اُس سے حد ساقط ہو جاتی ہے. فقط۔

جواب: یہ بھی امام ابوحنیفہ ہی کے اقوال میں سے ہے اور جمہور علماء جیسے امام مالک امام شافعی امام احمد وغیرہ سب اِس کے مخالف مگر امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ جس وقت اُس نے خود اقرار کر لیا تو شہادت کا حکم جاتا رہا اور اقرار پر حکم اُسی وقت کیا جاتا ہے کہ جب چار مرتبہ اقرار کر لے جمہور یہ کہتے ہیں کہ اقرار کرنا گواہوں کی خبر کی اور تاکید کرتا ہے۔ اُسے باطل نہیں کرتا کیونکہ یہ اُن کے موافق ہے مخالف نہیں ہے۔ اگرچہ اس کی ضرورت نہیں ہے جیسے کہ چار گواہوں سے زیادہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے اور جیسا کہ کوئی چار مرتبہ سے زیادہ اقرار کرے تو وہ بھی فضول ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ جمہور اہل سنت کا یہ

قول ہے پس اگر یہ ٹھیک ہے تو اُنکا ہی قول ہے اور اگر وہ دوسرا قول ٹھیک ہے تو بھی وہ ان کا ہی قول ہے علاوہ ازیں بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ صاف ظاہر ہے کہ جمہور اہل سنت ان سب مسائل کا انکار کرتے ہیں اور جو اُن کا قائل ہوا ہے ایسی حجتوں اور دلیلوں سے اس کی تردید کرتے ہیں کہ شیعی علمائکو وہ معلوم بھی نہیں۔ پھر شیعی علماء کا یہ قول کہ کتّوں کے کھانے اور غلاموں سے بدفعلی کرنے کو مباح کرنا اور لہو ولعب جیسے شطرنج اور گانے وغیرہ کو مباح سمجھنا یہ اس قدر مسائل ہیں کہ اُن کے لئے ایک دفتر ہونا چاہیئے۔

جواب: ان مسائل کو تمام اہل سنت والجماعت کی طرف ؓ سے کہنا اور نقل کرنا بالکل جھوٹ ہے اسی طرح جمہور سے بھی نقل کرنا غلط ہے بلکہ ان میں بعض مسائل ایسے ہیں کہ خلفاء ثلثہ کی خلافت کا اقرار کرنے والوں میں سے بعض لوگ اُن کے قائل ہوئے ہیں اور بعض ان میں ایسے بھی ہیں کہ اُن میں سے اُنکا کوئی بھی قائل نہیں ہوا۔ اور یہ مسائل جن کے ان میں سے بعض لوگ قائل ہوئے ہیں جمہور اُن کا بھی انکار کرتے ہیں لہٰذا سب اہل سنت والجماعت گمراہی پر متفق نہ ہوئے اس کے علاوہ شیعوں میں بھی بہت سے امور ایسے ہیں جو قرآن وحدیث اور اجماع کے بالکل خلاف اور نہایت ہی بدتر ہیں پس اگر کوئی مسئلہ ہمارے مذہب میں ضعیف ہوگا تو اُن کے مذہب میں اس سے زیادہ ضعیف اور راضعف ہوگا۔ لہٰذا اس سے صاف ظاہر ہوگیا کہ ہر تقدیر پر اہل سنت والجماعت کا تمام فرقہ اُن سے بہتر ہے علاوہ اس کے حق کی تکذیب جہالت کی کثرت محالات کی تصدیق کم عقلی خواہش نفس کی پیروی مجہولات سے تعلق رکھنا وغیرہ اس قدر امور ہیں کہ اور کسی میں ان کے برابر نہیں پائے جاتے یہ حکایت کرنا کہ غلاموں سے بدفعلی کرنے کو مباح کہتے ہیں سو یہ اہل سنت پر بالکل بہتان ہے علماء سنت میں سے اس کا کوئی قائل نہیں ہوا اور میں خیال کرتا ہوں کہ اس سے مقصود امام مالک پر تشنیع کرنا ہے کیونکہ میں نے بعض جاہلوں کو دیکھا ہے کہ وہ اس مسئلہ کو امام موصوف کی طرف سے نقل کرتے ہیں اور اصل اس کی یہ ہے کہ عورتوں سے بدفعلی کرنے میں ان سے حکایت کی جاتی ہے اور جب اہل مدینہ کے ایک گروہ سے اس کی اباحت منقول ہوئی اور امام مالک سے بھی اس بارے میں دو روایتیں نقل کی گئیں تو اس سے جاہلوں کو وہم ہو گیا کہ غلاموں یعنی مملوکوں سے بدفعلی کرنی بھی ایسی ہی ہوگی حالانکہ یہ بہت بڑی غلطی ہے ایک معمولی شخص بھی یہ نہیں کہہ سکتا پھر امام مالک پر ایسا خیال کس طرح ہو

سکتا ہے۔ باوجودیکہ وہ ایسے جلیل القدر ایسے محتاط اور شریف المذہب ہیں اور حدود کے قائم کرنے اور منکرات سے روکنے میں اُنکا مذہب سب مذاہب سے زیادہ بلیغ تر ہے۔ اور اُن کے مذہب میں تو ایسے شخص کی بابت اختلاف بھی نہیں ہے کہ جو مملوکوں سے بدفعلی کرے اُسے کافر کہا جائے جیسا کہ یہی قول تمام ائمہ مسلمین کا ہے کیونکہ ان سب کا اس پر اتفاق ہے کہ اس فعل کا حلال سمجھنا بعینہ ایسا ہے کہ کوئی اپنی لونڈی سے وطی کرنے کو حلال سمجھے جو رضاعت سے اس کی بیٹی ہے یا رضاعی بہن ہے یا اُس کے بیٹے کی موطورہ یعنی صحبت کردہ ہے اُس کے باوا کی موطوہ ہے کہ ان عورتوں سے صحبت کرنا ہرگز جائز نہیں قطعی حرام ہے پس جیسا کہ اُس کی مملوکہ لونڈی جس وقت وہ رضاعت کی وجہ سے یا کسی اور رشتہ کی وجہ سے ایسی حرام ہو جاتی ہے کہ باتفاق تمام مسلمانوں کے وہ مباح نہیں ہوتی تو اس کا مملوک تو حرام ہونے میں اِس سے بھی زیادہ ہے کیونکہ یہ جنس تو مطلقاً حرام ہے نہ عقد نکاح سے مباح ہوتی ہے اور نہ ملک میں آنے سے بخلاف وطی عورتوں کے کہ وہ ان دو وسیلوں سے حلال ہو جاتی ہے اسی وجہ سے امام مالک اور اہل مدینہ کا یہ مذہب ہے کہ بدفعلی کرنے والا سنگساری کے عوض قتل کیا جائے خواہ وہ محصن ہو یا غیر محصن برابر ہے کہ اپنے مملوک سے بدفعلی کی ہو یا اور کسی کے مملوک سے پس ان کے نزدیک فاعل اور مفعول بہ دونوں قتل کر دیے جاتے ہیں۔ چنانچہ سنن میں حضور انور ﷺ سے مروی ہے آپ نے فرمایا۔ اقتلوا الفاعل و المفعول به یعنی فاعل اور مفعول بہ دونوں کو قتل کرو۔ یہ حدیث ابوداؤد وغیرہ نے نقل کی ہے اور یہی مذہب ایک صحیح روایت میں امام احمد کا منقول ہے اور یہی ایک قول امام شافعی کا ہے پس جس کا یہ مذہب ہو کہ یہ فعل زنا سے بھی زیادہ اشد ہے تو اُس کی طرف سے یہ حکایت کوئی کیونکر کر سکتا ہے کہ اُس کو اُس نے مباح کر دیا ہے اسی طرح امام مالک کے سوا اور علماء میں سے بھی کسی نے اُس کو مباح نہیں کہا بلکہ وہ سب اس کے حرام ہونے پر متفق ہیں ہاں ایسی بہت سی اشیاء ہیں کہ ان کے حرام ہونے پر سب علماء متفق ہیں اور اُن کے کرنے والے پر حد لگانے میں اختلاف کرتے ہیں۔ یعنی یہ کہ آیا حد ہی لگائی جائے یا حد سے کم کوئی اور سزا دی جائے جیسا کہ اگر کوئی اپنی لونڈی سے وطی کرلے جو رضاعت سے اس کی بیٹی ہو اس کی سزا میں اختلاف ہے۔

اب رہا یہ الزام کہ اہل سنت لہو و لعب جیسے شطرنج اور گانے کو مباح کہتے ہیں۔ اس کا جواب

یہ ہے کہ جمہور علماء کا مذہب تو یہی ہے کہ شطرنج قطعی حرام ہے خود علی بن ابی طالب سے مروی ہے کہ آپ اتفاق سے ایسے لوگوں کے پاس سے نکلے جو شطرنج کھیل رہے تھے۔ آپ نے انھیں دیکھ کر یہ فرمایا۔ ما ھذہ التماثیل التی انتم لھا عاکفون ۔ یعنی یہ کیا صورتیں ہیں جن کی پرستش تم کرتے ہو۔ علیٰ ہذا القیاس۔ بہت سے صحابہ ابو موسیٰ، ابن عباسؓ، ابنِ عمرؓ وغیرہ سے اس کا منع ہی ہونا منقول ہے اور اس بارے میں اختلاف ہے کہ شطرنج اور نرد دونوں میں سے کونسا کھیل زیادہ حرام ہے۔ سو امام مالک کا قول یہ ہے کہ شطرنج نرد سے زیادہ حرام ہے اور یہی ابن عمر سے منقول ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ اس میں غور و فکر کرنے کے باعث نماز اور ذکر الٰہی سے دل زیادہ غافل ہوتا ہے نرد میں اتنا نہیں ہوتا امام ابو حنیفہ اور امام احمد کا قول یہ ہے کہ نرد شطرنج سے زیادہ حرام ہے اب رہے امام شافعی اُنھوں نے بھی یہ نہیں فرمایا کہ شطرنج حلال ہے بلکہ یہ فرمایا کہ نرد حرام ہے اور شطرنج اس سے کم ہے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ حرام ہے غرضیکہ اُنھوں نے اسے حرام کہنے میں توقف کیا ہے پھر اُن کے شاگردوں کے اس بارے میں دو قول ہیں پس اگر حلال کہنا ہی راجح ہو تو بھی کوئی ہرج نہیں اور اگر حرام ہی کہنا راجح ہو تو بس یہی قول جمہور اہل سنت کا ہے غرض کہ دونوں تقدیر پر اُن سے حق دُور نہیں ہے۔

گانے کا مباح ہونا: پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ گانے کو مباح کہتے ہیں اُسکا جواب یہ ہے کہ یہ چاروں اماموں پر اتہام ہے کیونکہ وہ سب اس پر متفق ہیں کہ جو گانے بجانے کی چیزیں ہیں جیسے ستار وغیرہ یہ سب حرام ہیں اور اگر کوئی اُنھیں توڑ پھوڑ دے تو ان کے نزدیک اُسکے ذمہ ضمان یعنی اس کا تاوان نہیں ہے بلکہ اُنکے نزدیک ان چیزوں کا بنانا بھی حرام ہے اور آیا فقط لکڑی کا جس کا وہ باجا بنا ہوا ہے ضمان دینا ہوگا یا نہیں اس میں اُن کے دو قول ہیں جیسا کہ اگر کوئی شراب کے برتنوں کو توڑ دے تو اُن کے ایک قول میں اس پر ضمانت نہیں آئے گی چنانچہ یہی مذہب امام مالک کا ہے اور ایک مشہور تر روایت امام احمد سے بھی ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُس گوسالہ کو توڑ دیا تھا۔ جو سونے کا بنایا گیا تھا اور جیسا کہ صحیح حدیث میں مروی ہے کہ حضور انور ﷺ نے عبداللہ بن عمرو کو یہ حکم دیا تھا کہ اُن دونوں کپڑوں کو جو ایک قسم کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے جلا دیں۔ اور جیسا حضور انور ﷺ جنگِ خیبر میں اُن ہنڈیوں کو توڑ دیا تھا جن میں گدھوں کا گوشت پک رہا تھا۔ پر یہ بھی اجازت دیدی تھی

کہ خیر جو کچھ گوشت وغیرہ ان میں ہے وہی پھینک دیا جائے اور ہنڈیاں نہ توڑی جائیں اس سے معلوم ہوا کہ دونوں امر جائز ہیں اور جیسا کہ شراب کے حرام ہونے پر اُس کے برتنوں کو توڑنے اور اُس کی گولوں کو پھوڑنے کا حکم دے دیا تھا اور جیسا کہ فاروق اعظم اور حضرت علیؓ دونوں نے یہ حکم دے دیا تھا کہ جس مکان میں شراب کی خرید و فروخت ہو اُس مکان کو بھی پھونک دیا جائے۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی اور امام احمد کے شاگردوں میں سے جو اُسے جائز نہیں کہتے اُن کا قول یہ ہے کہ یہ عقوبات (یعنی سزائیں) مالیہ ہیں جو منسوخ ہو چکی ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ منسوخ اُن میں سے کوئی شے نہیں ہوئی کیونکہ منسوخ کوئی امر فقط اُس نص سے ہوا کرتا ہے جو پہلی نص کے بعد اور اُس کے معارض ہو مگر اس بارے میں کوئی نص وارد ہی نہیں ہوئی بلکہ عقوبات مالیہ مثل عقوبات مدنیہ کے ہیں کہ مشروع طریقہ پر مستعمل کی جاتی ہیں۔ بلکہ اُن کا استعمال کرنا اولیٰ ہے کیونکہ ابدان اور اعضا کا تلف مال کے تلف کرنے سے بڑھا ہوا ہے پس جب اول جب اول جنس مشروع ہے تو جنس ثانی بطریق اولی مشروع ہو گی۔ اب رہا اموال کا قصاص لینا۔ اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے یعنی جس وقت کسی نے کسی کا کپڑا جلا دیا تو اس کے عوض اُس کا ویسا ہی کپڑا یہ جلا سکتا ہے۔ یا نہیں۔ اور جیسا اُس کا مال اُس نے تلف کیا تھا۔ یہ بھی اُس کا مال تلف کر سکتا ہے یا نہیں۔ اس میں دو قول ہیں۔ یہی دو روایتیں امام احمد سے مروی ہیں پس جو یہ کہتا ہے کہ یہ جائز نہیں ہے اُس کی دلیل یہ ہے کہ یہ فساد ہے اور جو کہتا ہے کہ جائز ہے اُس کا قول یہ ہے کہ اگر یہی فساد کا خیال ہے تو جان اور ہاتھ پاؤں تلف کرنے میں اور بھی زیادہ فساد ہے حالانکہ انصاف کی رُو سے یہ جائز ہے اور قصاص اسی لئے ہے کہ اِس کے باعث لوگ ظلم کرنے سے رُک جاتے ہیں اور مظلوم کو ایک قسم کی خوشی ہو جاتی ہے۔

فرقہ ناجیہ کونسا ہے: شیعی علماء کہتے ہیں کہ دوسری وجہ مذہب امامیہ کا اتباع واجب ہونے کی یہ ہے جو ہمارے شیخ اعظم خواجہ نصر الملت والحق والدین محمد بن حسن طوسی نے فرمایا ہے۔ اِن سے کسی نے مذہب کی بابت سوال کیا تھا آپ نے فرمایا کہ ہم ان مذہبوں کو رسول اللہ کے اِس قول سے ملا کے دیکھ چکے ہیں آپ نے فرمایا تھا۔ **ستفترق امتی علی ثلث و سبعین فرقۃ منہا فرقۃ ناجیۃ والباقی فی النار.** (یعنی عنقریب میری امت کے تہتر فرقے ہو جائیں گے۔ جس میں

سے فقط ایک فرقہ ناجیہ (نجات پانے والا) ہوگا اور باقی سب دوزخی اور اس فرقہ ناجیہ اور دوزخی کو ایک دو سری صحیح متفق علیہ حدیث میں خود ہی معین فرمادیا ہے اور وہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے۔ مثل اهل بیتی کمثل سفینة نوح من رکبها نجاومن تخلف عنها غرق. یعنی میرے اہل بیت کی مثال نوح علیہ السلام کی کشتی جیسی ہے جو اُس میں بیٹھ گیا اُس کی نجات ہوگئی ہے اور جو اُس سے رہ گیا وہ غرق ہوگیا پس اِس سے سمجھ گئے کہ فرقہ ناجیہ یہ فرقہ امامیہ ہی ہے کیونکہ اس فرقہ کے لوگ تمام مذہب سے علیحدہ ہیں اور باقی تمام مذہب اصولِ عقائد میں مشترک ہیں اس کا جواب چند طرح سے ہے۔

پہلا جواب: تو یہ کہ شیعی علماء ایسے آدمی کو کافر کہتے ہیں جو یہ کہتا ہو کہ اللہ موجب بالذات ہے چنانچہ پہلے اُن کا قول ذکر ہو چکا ہے اُنھوں نے خود کہا تھا کہ اس سے یہ لازم آئے گا کہ اللہ موجب بذاتہ ہو مختار نہ ہو اور یہ کفر ہے حالانکہ یہ شخص جسے شیعی علماء نے اپنا شیخ امام اعظم ٹھہرایا ہے اور اُس کے قول سے حجت لاتے ہیں، وہی یہ کہتا ہے کہ اللہ موجب بالذات ہے اور عالم کو قدیم بھی کہتا ہے چنانچہ اُس کا یہ قول ہے اس کی کتاب شرح الاشارات سے پہلے منقول ہو چکا ہے پس اس کے قول پر یہ لازم آتا ہے کہ اُن کا یہ شیخ جس سے یہ حجت لاتے ہیں کافر ہو لہٰذا مسلمانوں کے دین میں کافر کا قول تسلیم نہیں کیا جاتا۔

دوسرا جواب: طوسی کو عام خاص سب جانتے ہیں کہ یہ ملاحدہ باطنیہ اسماعیلیہ کا الویت میں وزیر تھا اور جب ہلاکو کا یہ وزیر اعظم بن گیا تو اُس نے اُس بادشاہ کو بہکا کے اہل علم اور اہل دین سب کو قتل کر ڈالا ہاں فقط اُنھیں پیشہ وار اور تاجروں کو رہنے دیا جو اُسے دنیاوی نفع پہنچاتے تھے یہ وزیر صاحب مسلمانوں کے ایک وقف کے متولی بھی تھے مگر اس وقف کے روپے میں سے علماء مشرکین اور اُن کے شیوخ یعنی جادوگروں وغیرکو بے انتہا دیتے تھے پھر جب آپ نے رصد خانہ بنایا جو مراغہ میں صابئہ مشرکین کے رستہ پر واقع ہے تو مذہب اسلام کو بالکل خیر باد کہدیا اسلامی عقائد کا عام طور پر مضحکہ اُڑایا جاتا تھا اور مشرک نجومیوں کو ہزار ہا روپیہ دیا جاتا تھا یہ مشہور بات ہے کہ یہ طوسی اور اُس کے ہم مشرب واجبات اسلام اور محرمات اسلام کو جھوٹ سمجھتے تھے اور فرائض یعنی نماز وغیرہ کے کبھی پابند نہیں ہوتے تھے۔ اور فرائض یعنی نماز وغیرہ کے کبھی پابند نہیں ہوتے تھے نہ محارم الٰہی یعنی شراب اور فواحش وغیرہ منکرات سے بچتے تھے۔ یہاں تک کہ لوگ ذکر کرتے تھے کہ رمضان شریف کا بھی کبھی پاس نہیں

کیا گیا۔ فحش امور میں مستغرق رہنا یہ ان کا خاص اُصول تھا اُن کی امداد کا ہاتھ صرف اُن ہی مشرکوں تک پہنچتا تھا۔ جن کا دین یہود اور نصاریٰ کے دین سے بھی بدتر ہے اسی وجہ سے مغل وغیرہ ترکوں کے زمانہ میں جب اسلام کو غلبہ ہوا تو چونکہ یہ اسلام اور اہل اسلام کے دشمن تھے اس لئے سب کی نظروں سے گر گئے اور یہی وجہ تھی کہ یہ لوگ بادشاہ کے دربار میں سب سے ادنی درجہ کے شمار کئے جاتے تھے یہ لوگ اُس مجاہد شہید فی سبیل اللہ سے بھی دشمنی کرتے تھے. جس نے شاہ مغل غازان کو اسلام کی دعوت دی تھی اور یہ التزام کر لیا تھا کہ جس وقت یہ مسلمان ہو جائے گا تو اسکی مدد کرونگا اور اس نے جادوگر مشرکوں کو قتل کر ڈالا تھا۔ جو مسلمان نہیں ہوئے تھے اور ان کے بت خانوں کو توڑ پھوڑ کر اُن کے لشکروں کو بالکل برباد کر دیا تھا غرض مغلوں کا خدا بھلا کرے جن کی سلطنت میں اس ناپاک الحاد کو شکست خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس طوسی اور اس کے ساتھیوں کی کارگزاریاں مسلمانوں میں اس قدر مشہور اور معروف ہیں کہ مزید روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے ہاں بعض نے یہ ضرور کہا ہے کہ اخیر عمر میں یہ نماز کا پابند ہو گیا تھا اور تفسیر نبوی اور فقہ وغیرہ کا شغل رکھتا تھا۔ اگر یہ صحیح ہے اور اس نے درحقیقت اس سے توبہ کر لی تھی تو ہم اُس کی توبہ پر نکتہ چینی نہیں کرتے لیکن یہ ضرور کہیں گے کہ شیعی علماء نے جو طوسی کی طرف سے ذکر کیا ہے اگر یہ اس کی توبہ سے پہلے کا قول ہے تو اُس کا قول ہرگز مقبول نہیں اور اگر توبہ کے بعد کا یہ قول ہے تب بھی یہ خرابی ہے کہ اُس نے رفض سے توبہ نہیں کی تھی۔ بلکہ فقط الحاد سے توبہ کر لی تھی غرض کہ دونوں تقدیر پر اس کا قول تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ پس جو شخص ابوبکر وعمر اور عثمان وغیرہ سابقین اولین مہاجرین اور انصار کی شان میں گستاخی کرے اور اُن کی بعض غلطیوں پر جیسے شطرنج اور گانے کے مباح کرنے میں ان پر طعن کرے تو اُسے کیونکر لائق ہے کہ اپنے مذہب پر ایسے لوگوں کے قول سے حجت لائے جن کا اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان نہیں ہے اور نہ وہ اللہ اور اُسکے رسول ﷺ کی کی حرام کی ہوئی اشیاء کو حرام سمجھتے ہیں۔ جن کی حرمت پر اجماع ہو چکا ہے جیسے فواحش اور شراب خوری لیکن اُن کا یہ حال ہمیشہ سے رہا ہے کہ وہ اولیاء اللہ متقین سابقین اولین مہاجرین اور انصار سے دشمنی کرتے رہے۔ اور کفار اور منافقین ہی کا ساتھ دیتے رہے ہیں۔ پس اسلام کی طرف منسوب ہونے والے لوگوں میں سب سے بڑے منافق ملاحدہ اسماعیلیہ فرقے والے ہیں پس جو شخص اپنے قول کی

تائید میں اُن مذکورہ لوگوں کے اقوال سے حجت کرے باوجودیکہ ائمہ مسلمین کے اقوال پر اُنکی طعنہ زنی پہلے گزر چکی ہے تو اہلِ نفاق اور اہل ایمان کے دشمنوں کا سب سے زیادہ مددگار ہے۔ تعجب ہے کہ ہمارے شیعی علماء ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ اور تمام ائمہ مسلمین کے ذمہ ایسے ایسے بڑے الزام لگاتے ہیں جنھیں انھوں نے خود افترا کیا ہے اور اُن حضرات کو چھوڑ کے ایسے آدمی کی طرف آتے ہیں جو تمام مسلمانوں کے نزدیک اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کرنے میں مشہور ہے اور یہ حضرات اُس کی نسبت یہ کہتے ہیں کہ ہمارے شیخ امام اعظم نے اس طرح فرمایا ہے اور باوجود یہ کہ اُس کے اور اُس کے ساتھیوں کے کافر ہونے پر خود گواہی دے چکے ہیں مگر پھر بھی اُسے قدس اللہ روحہ کہے جاتے ہیں یہ بھی عجیب تماشہ ہے خیار مسلمین کا ایک فرقہ اس پر لعنت کرتا ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو اس آیت کے تحت میں داخل ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَ الطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَاۤءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا اُولٰۤئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ۔ یعنی کیا تم نے اُن لوگوں کی حالت پر نظر نہیں کی جنھیں کتاب (الٰہی) سے کچھ حصہ دیا گیا تھا (اور باوجود اِس کے وہ اللہ کو چھوڑ کر جبت اور طاغوت پر ایمان لاتے ہیں اور کافروں کو کہتے ہیں کہ یہ ایمان والوں سے زیادہ راہِ راست پر ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنھیں خدا نے لعنت کی اور جسے خدا لعنت کرے تو ہرگز (کسی کو) اُس کا مددگار نہ پاؤ گے۔ پس یہ لوگ بھی ایسے ہی ہیں کہ اُنھیں کتاب الٰہی کا کچھ حصہ دیا گیا ہے۔ چنانچہ یہ قرآن شریف کے بعض احکام کے مقربین اور اُن ہی میں ایک شاخ جبت اور طاغوت اور جادو پر بھی ایمان لانے کی ہے کیونکہ یہ لوگ اُس فلسفہ کی عظمت کرتے ہیں جس میں ایسے ہی امور مذکور ہوئے ہیں۔ قبروں پر مسجدیں بنانے کو جائز سمجھتے ہیں اور اُن کا سفر کرنے کو حج کے برابر ٹھہراتے ہیں۔ مجھ سے اکثر معتبر لوگوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس حج کو لوگ بیت العتیق یعنی بیت اللہ کے حج سے زیادہ سمجھتے ہیں غرض کہ یہ شرک کو اللہ کی عبادت سے زیادہ بہتر سمجھتے ہیں اور یہی طاغوت پر اعلیٰ درجہ کا ایمان لانا ہے کتنے غضب کا مقام ہے کہ یہی لوگ اُن ملاحدہ مشرکین کو مہاجرین اور انصار پر فضیلت دیتے ہیں۔ بس سمجھ لیجئے کہ وہ خود کتنے پانی میں ہیں اور اُن کا فضیلت دینا کیا وزن رکھتا ہے۔

تیسرا جواب: ہر شخص یہ جانتا ہے کہ اسماعیلیہ اور نصیریہ اُن فرقوں میں سے ہیں جو تشیع کو ظاہر کرتے ہیں حالانکہ یہ سب باطن میں کافر ہیں اور ہر مذہب سے خارج ہیں۔ دیکھو یہ نصیریہ ہی اُن امامیوں میں سے ہیں جو علی کے معبود ہونے کا دعوی کرتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو باتفاق تمام مسلمانوں کے یہود اور نصاری سے بھی بدتر ہیں۔ اب رہے اسماعیلیہ باطنیہ وہ ان سے بھی اول درجہ کے کافر ہیں کیونکہ اِن کے قول کی حقیقت تعطیل یعنی اللہ تعالی کو بیکار سمجھنا ہے پھر ناموس اکبر والے اور بلاغ اعظم ہیں وہ ان دہریہ لوگوں میں سے ہیں جو اس امر کے قائل ہیں کہ نہ عالم کا کوئی فاعل ہے نہ اُس کی کوئی علت ہے نہ اُس کا کوئی خالق ہے۔ اور کہتے ہیں کہ ہم میں اور فلاسفہ میں فقط واجب الوجود کا خلاف ہے کہ وہ واجب الوجود کو ثابت کرتے ہیں حالانکہ وہ ایسی شے ہے کہ اُس کی کوئی حقیقت نہیں ہے علاوہ ازیں یہ اللہ کے نام کا مضحکہ اُڑاتے ہیں اور انھیں اس نام سے یہاں تک چڑ ہے کہ اُسے اپنے پیروں کے تلووں پر لکھ کر اُسے ایڑیوں سے رگڑتے ہیں لیکن جو ان سے کم درجہ کے ہیں وہ بھی سابق اور تالی کے قائل ہیں جو فلاسفہ کے نزدیک عقل اور نفس سے تعبیر کرتے ہیں اُنہوں نے اپنے لئے صابئہ اور مجوس کے مذہب کو ملا کر اپنا ایک مذہب بنالیا ہے. جس کا ظاہر تشیع ہے اور یہ لوگ اپنے کو شیعہ کہتے ہیں اور اُس کے اظہار کی دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ شیعہ تمام فرقوں سے جلدی ہمارے اقوال کو تسلیم کر لیتے ہیں کیونکہ شریعت کی وہ اتنی پروانہیں کرتے اور مجہولات کی تصدیق کر لیتے ہیں اسی واسطے در پردہ اُن کے ائمہ فلاسفہ ہوتے ہیں جیسا کہ یہ نصیر الطوسری اور سنان بصری وغیرہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ اسلام میں تشیع کو یہ نصیریہ اسماعیلیہ ہی ظاہر کرتے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ شیعہ کے حق میں اسماعیلیہ کی یہ شہادت دینی کہ یہ حق پر ہیں باتفاق تمام عقلا کے بالکل جھوٹی اور مردود شہادت ہے۔

چوتھا جواب: یہ ہے اول تو یہ کہا جائے کہ ایسی حدیثوں سے تم لوگ حجت نہیں لا سکتے کیونکہ اس حدیث کو فقط اہل سنت نے اہل سنت ہی کی سندوں سے نقل کیا ہے ورنہ نفس حدیث صحیحین میں نہیں ہے بلکہ بعض اہل حدیث جیسے ابن حزم وغیرہ نے اس میں طعن بھی کیا ہے لیکن اہل سنن جیسے ابوداؤد ترمذی اور ابن ماجہ نے اسے نقل کیا ہے اور اہل اسانید مثلاً امام احمد وغیرہ بھی اس کو نقل کرتے ہیں پس تمہارے اصول پر اس کا ثبوت کہاں ہے تا کہ تم اُس کے ساتھ دوسروں کے مقابلہ میں حجت لا سکو اور اگر اُس کے

ثبوت کو مان بھی لیا جائے تو پھر بھی یہ اخبار احاد سے ہے. پس یہ اخبار احاد جن سے یہ خود فروع عملیہ میں بھی حجت نہیں کر سکتے تو اصول دین کی اصل میں اور سوائے ایک فرقہ کے اور تمام مسلمانوں کو گمراہ بنانے میں اس سے کیونکر حجت کرنی جائز ہو سکتی ہے اور یہ اعلیٰ درجہ کا تناقض اور جہالت ہے۔

پانچواں جواب: یہ ہے کہ اس حدیث کی دونوں سے تفسیر مروی ہے ایک تو یہ کسی نے حضور انور سے فرقہ ناجیہ کی بابت پوچھا تھا۔ آپ نے فرمایا وہ لوگ ہیں کہ جس طریقہ پر آج کل میں اور میرے صحابہ اس ہیں اس طریقہ پر ہوں اور دوسری روایت میں یہ ہے آپ نے فرمایا کہ وہ جماعت ہیں اور یہ دونوں تفسیریں امامیہ کے قول کے مناقض ہیں بلکہ اس سے تو اُن کا ہی فرقہ ناجیہ سے خارج ہونا پایا جاتا ہے کیونکہ یہ لوگ مسلمانوں کی جماعت سے خارج ہیں کیونکہ یہ لوگ ائمہ جماعت ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کو کافر یا فاسق بتاتے ہیں اور اسی طرح علماء جماعت اور عابدین جماعت کو بھی کافر یا فاسق کہتے ہیں جیسے امام مالک سفیان ثوری، اوزاعی لیث بن سعد، ابوحنیفہ شافعی، احمد، اسحٰق، ابی عبید، ابراہیم بن ادہم، فضیل بن عیاض، ابا سلیمان درانی معروف کرخی وغیرہ. حالانکہ ہمارے احباب سیر صحابہ اور حضور انور کے حالات زندگی سے بالکل ناواقف ہیں کیونکہ یہ واقفیت تو اُنہیں کو ہو سکتی ہے جنہیں احادیث اور منقولات کی خبر ہو قوی اور ضعیف حدیثوں کو پہچانتے ہوں. حالانکہ یہ لوگ احادیث سے بغض اور اہل حدیث سے دشمنی رکھنے کے باعث ساری دنیا سے زیادہ کورے ہیں. غرض جب ناجیہ کی یہ علامت ہوئی کہ حضور انور کے زمانہ میں جو صحابہ نے حضور انور کا اتباع کیا اس پر قدم بقدم چلیں تو یہ طریقہ سنت والجماعت کا ہے لہٰذا فرقہ ناجیہ بھی یہی سنت والجماعت کے لوگ ہوئے سنت تو وہ ہے جس پر حضور انور ﷺ کے زمانہ میں خود حضور انور اور آپ کے صحابہ رہے ہوں یعنی حضور انور نے صحابہ کو امر فرمایا ہو یا خود کیا ہو پھر جماعت والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے تفریق کردہ دین کو جمع کیا. جن لوگوں نے دین میں تفریق کی اور تفرقہ ڈالا حالانکہ وہ بہت سے فرقے ہیں۔ بس یہی لوگ فرقۂ ناجیہ سے خارج ہیں اللہ نے اپنے نبی کو اُن سے بیزار کر دیا ہے پس معلوم ہوا کہ یہ وصف اہل سنت والجماعت ہی کا ہے نہ کہ اور کسی گروہ کا حدیث میں بھی فرقہ ناجیہ کی یہی تعریف آئی ہے کہ اُس سنت کا اتباع کرتے ہوں. جس پر خود حضور انور ﷺ اور آپ کے صحابہ تھے اور جماعت مسلمین سے ملے

ہوئے ہوں. اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ حدیث میں آنحضرت نے فرمایا ہے کہ جس طریقہ پر آج کل میں اور میرے صحابہ ہیں وہی فرقہ ناجیہ میں سے ہیں تو پس جو لوگ حضور انور کے بعد اس طریقہ سے نکل گئے وہ فرقہ ناجیہ کے طریقہ پر نہ ہونے چاہیں جیسا کہ آپ کے بعد بہت سے لوگ مرتد ہو گئے تھے لہٰذا وہ ایسے نہ ہوں گے. ہم کہتے ہیں ہاں مرتد ہونے میں زیادہ تر مشہور وہی لوگ ہیں جو صدیق اکبر اور آپ کی اتباع کے مخالف ہوئے ہیں۔ جیسے مسلیمہ کذاب اور اُس کے ہم مشرب وغیرہ اور یہ وہی لوگ ہیں جن کا ہمارے احباب نے ساتھ دیا ہے ہمارے دوست کہتے ہیں کہ مسلیمہ کذاب وغیرہ حق پر تھے لہٰذا صدیق اکبر نے اُن سے ناحق جنگ کی اور سب سے زیادہ مرتد وہ لوگ تھے جن کو حضرت علی نے آگ میں جلا دیا کیونکہ یہ لوگ حضرت علی کی بابت معبود ہونے کے مدعی تھے اور ان ہی لوگوں کا فرقہ فرقہ سبائیہ ہے جو عبداللہ بن سبا کے متبع ہیں۔ جنہوں نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر پر سب وشتم کرنے کی بنا ڈالی تھی۔ پھر مسلمان کہلانے والوں میں سے جس نے سب سے پہلے نبوت کا دعویٰ کیا ہے وہ مختار بن ابی عبیدہ ہے جو امامیہ مذہب رکھتا تھا اس سے معلوم ہوا کہ جتنے مرتد اس گروہ میں ہوئے اور کسی گروہ میں نہیں ہوئے اور اسی وجہ سے ہم لوگ انہیں ردہ، غالیہ، نصیریہ اور ردہ اسماعیلیہ باطنیہ سے بُرا نہیں سمجھتے یاد رکھو مرتدین کے کسی فرقہ میں اتنا مرتد پن نہیں ہو سکتا جتنا صدیق اکبر کے مخالفوں میں تھا اس سے معلوم ہوا کہ جو مرتدین ہمیشہ اُلٹے پر پھر پھر کر مرتد ہوئے ہیں وہ ہمارے احباب ہی میں سے ہیں نہ کہ اہل سنت والجماعت میں سے یہ بات صاف ظاہر ہے اور ہر عاقل جو اسلام سے واقف ہوا۔ اسے جانتا ہے اسی وجہ سے اس میں کسی کو شک نہیں ہوتا کہ مرتدین کی وہ قسم جو شیعہ کی طرف منسوب ہے کفر اور فحش میں مرتدین کی اُس قسم سے کہیں زیادہ ہے جو اہل سنت والجماعت کی طرف منسوب ہے اور یہ بھی اُس وقت کہ اُن میں کوئی مرتد ہو۔

چھٹا جواب: یہ ہے کہ حجت جس سے طوسی اس امر پر دلیل لایا ہے کہ امامیہ ہی فرقہ ناجیہ ہے جیسی یہ اپنی دلالت میں باطل ہے ویسے ہی اُس کے بیان کرنے میں بھی غلطی اور جھوٹ ہے وجہ اس کی یہ ہے اس کا یہ کہنا کہ امامیہ فرقہ کے لوگ سب فرقوں سے علیحدہ ہیں اور تمام باقی مذاہب اصول عقائد میں شریک ہیں تو اس سے اگر اس کا یہ مقصود ہے کہ وہ اپنے خاص خاص مسئلوں میں تمام مذاہب سے علیحدہ

ہیں تو یہ حال تو سب ہی مذہبوں کا ہے۔ چنانچہ خوارج بھی اپنے خاص خاص مسئلوں میں سب سے علیحدہ ہیں۔ کہ گناہ ہو جانے پر انسان کو کافر کہتے ہیں۔ حضرت علی کی تکفیر کرتے ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جو امور اللہ کی طرف سے بیان نہ فرمائیں۔ اُن میں اُن کی اطاعت سے منع کرتے ہیں۔ حضور انور ﷺ کی تقسیم اور حکم میں ظلم اور زیادتی کو جائز سمجھتے ہیں اور اُس سنت متواتر کے اتباع کو ساقط کرتے ہیں جو اُن کے خیال میں ظاہر قرآن کے مخالف معلوم ہو جیسا کہ چور کا ہاتھ مونڈھے سے کاٹنا وغیرہ وغیرہ اشعری نے مقالات میں کہا ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالب کی تکفیر پر تمام خوارج کا اجماع ہے اور اس بارے میں اختلاف ہے کہ اُن کا کفر شرک ہے یا نہیں اس پر بھی اجماع ہے کہ کبیرہ گناہ کفر ہے لیکن نجد والے اس کے قائل نہیں ہیں اور اس پر بھی اجماع ہے کہ اصحاب کبائر کو دائمی عذاب ہوگا۔ اسی طرح معتزلہ بھی اپنے خاص مسئلوں میں تمام فرقوں سے علیحدہ ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اہل کبائر ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور یہ لوگ نہ مومن ہیں نہ کافر پس اسی قول کے باعث اُن کا نام معتزلہ رکھا گیا ہے۔ اِس کے علاوہ تمام فرقے جو اہل سنت والجماعت کی طرف منسوب ہیں ان میں ہر ایک فرقہ اپنے خاص خاص مسائل میں دوسرے سے علیحدہ ہے پس فرقہ کلابیہ اپنے اس کلام میں تمام سے علیحدہ ہے کہ جو کلام معنی واحد ہے یا معانی متعدہ ہیں وہ چار ہیں یا پانچ جو متکلم کی ذات کے ساتھ قائم ہوتے ہیں وہ امر اور نہی اور خبر ہیں اگر اُنہیں عربی زبان میں بولا گیا تو یہ قرآن ہے اور اگر عبرانی میں بولا گیا تو تورات ہے پس یہ قول ان کے سوا تمام فرقوں میں سے اور کسی کا بھی نہیں ہے اسی طرح کرامیہ بھی اپنے قول میں تمام فرقوں سے علیحدہ ہیں وہ کہتے ہیں کہ ایمان فقط زبان سے کلمہ کہنا ہے پس جس نے زبان سے اقرار کر لیا وہ مومن ہو گیا اور اگر اُس نے دل میں انکار کیا تو بھی وہ مومن ہے لیکن ہمیشہ دوزخ میں جلے گا پس یہ قول اُن کے سوا اور کسی کا نہیں ہے بلکہ اہل سنت کے فرقوں میں ہر فرقہ کا ایک قول ہے کہ بقیہ فرقے والے اُس میں اُن کے موافق نہیں ہیں۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد ہر ایک کے بکثرت ایسے مسائل ہیں کہ اُن میں ہر امام تینوں سے علیحدہ ہے اور اگر اُس کا یہ مقصود ہے کہ امامیہ فرقے کے لوگ اپنے تمام اقوال میں سب سے علیحدہ ہیں تو یہ کہنا ٹھیک نہیں ہے۔ کیونکہ یہ سب لوگ توحید بیان کرنے میں معتزلہ کے موافق

ہیں۔اوراُن کے قدماء میں اکثر تقدیر کے قائل ہیں حالانکہ اس کا انکار بھی ان میں انکار صفات سے بھی زیادہ مشہور اور رائج تھا اور گنہگاروں کے دوزخ سے نکلنے اور اہل کبائر کی خطائیں اللہ کے معاف کر دینے کی بابت اُن کے دو قول ہیں اور اُن کے متاخرین اس بارے میں فرقہ واقفیہ کے موافق ہیں جو کہتے ہیں ہمیں معلوم نہیں کہ اہل قبلہ یعنی جو قبلہ کو ماننے والے ہیں اُن میں سے کوئی دوزخ میں جائے گا یا نہیں اور یہ فرقہ اشعریہ کا ایک گروہ ہے اگر چہ وہ یہ بھی کہتے ہیں یقین ہے کہ اکثر اہل کبائر دوزخ میں جائیں گے یہی قول جمہور اہل سنت کا بھی ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ اُن کے بہت سے اقوال تو ایسے ہیں جو خاص اُن ہی کے ہیں اور بہت سے اقوال میں اور لوگ بھی اُن کے شریک ہیں جیسے معتزلہ وغیرہ اب رہے اہل حدیث اور اہل سنت والجماعت اُنہیں قرآن اور اُس حدیث پر عمل کرنے میں خصوصیت ہے جو اصول اور فروغ کی بابت حضور انور ﷺ سے ثابت ہے جس پر آپ کے بعد آپ کے صحابہ کاربند رہے ہیں بخلاف خوارج معتزلہ اور شیعوں کے اور ان لوگوں کے جو بعض اقوال میں اُن کے موافق ہیں کیونکہ یہ لوگ ان احادیث کی پیروی نہیں کرتے جن کو حضور انور سے ثقات نے نقل کیا ہے یعنی وہ حدیثیں جن کے ہونے کو محدثین جانتے ہیں۔پس معتزلہ کہتے ہیں کہ یہ اخبار احاد ہیں اور شیعہ صحابہ کی شان اور اُن کے احادیث نقل کرنے میں طعنے کرتے ہیں اور اصل میں اُن پر اُن کا طعن کرنا رسالت میں طعن کرنا ہے خوارج کہتے ہیں کہ عادل یا محمد یعنی یہ لوگ حضور انور ﷺ سے ظلم ہونے کو جائز کہتے ہیں. اسی واسطے حضور انور نے ایسے آدمی سے فرمایا تھا کہ تیرا ناس ہو اگر میں بھی انصاف نہ کروں گا تو اور کون کرے گا غرض یہ لوگ جہاں ہیں جہالت ہی کے باعث سنت والجماعت سے علیحدہ ہوتے ہیں لیکن اب رہے ہمارے احباب اُن کی بدعت کی اصل نفاق سے ہے اسی وجہ سے بعض اُن میں ایسے اجہل اور سرکش لوگ ہیں جو خوارج میں بھی نہیں ہیں برخلاف اس کے اہل سنت اور اہل حدیث کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ کا اُس کے فرشتوں کا اُس کے رسولوں کا اور جو احکام اللہ کی طرف سے آئیں اور جو روایتیں حضور انور ﷺ سے ثقہ راوی نقل کریں ان سب کا اقرار اور یقین ہو ان میں سے کسی شے کو رد نہ کریں اور یہ کہ اللہ ایک ہے اکیلا ہے بے پروا بے نیاز اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں نہ اُس نے کوئی جورو نہ بیٹا بنایا اور یہ کہ بے شک محمد اُس کے بندے اور اُس کے رسول ہیں. جنت، دوزخ،

قیامت کا آنا حق ہے. ان میں کسی قسم کا شک نہیں ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ قبروں سے سب کو اٹھائے گا اور بے شک اللہ عرش پر ہے جیسا کہ اس نے فرمایا کہ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى اور یہ کہ بلا کیفیت اُس کے دو ہاتھ ہیں جیسا کہ اس نے خود فرمایا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ اور فرمایا بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوْطَتَانِ. وغیرہ.

ساتواں جواب: یہ ہے کہ کہا جائے کہ اس امامیہ فرقہ کا تمام مذاہب سے علیحدہ ہونا اُن کے صحیح ہونا اُن کے صحیح ہونے سے باطل ہونے پر زیادہ دلالت کرتا ہے کیونکہ فقط ایک فرقہ کا تمام فرقوں سے علیحدہ ہونا اِس پر دلالت نہیں کرتا ہے کہ یہی ٹھیک ہو. علی ہذا القیاس ایک ول میں اُن کے شریک ہونے سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ باطل اور غلط ہے. اب اگر کوئی یہ کہے نبی ﷺ نے اپنی امت کے تہتر فرقے ٹھہرائے اور سوائے ایک فرقہ کے سب کو دوزخی قرار دیا اس سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ ایک فرقہ باقی کے بہتر فرقوں سے ضرور علیحدہ ہو. یہ مانا مگر پھر بھی حدیث میں تفریق موجود ہے یعنی ایک کو دوسرے فرقہ سے علیحدہ کر دیا ہے. اس کے علاوہ اس حدیث میں کوئی ایسا امر نہیں ہے جو ان بہتر فرقوں کے اصولِ عقائد میں مشترق ہونے پر دلالت کرے۔ بلکہ ظاہر حدیث میں تو فقط اتنا ہے۔ ان تہتر فرقوں میں ہر فرقہ دوسرے فرقہ سے علیحدہ ہوگا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ افتراق کی صورت بُرائی کی ہے نہ کہ تعریف کی کیونکہ جماعت بنانے اور آپس میں محبت رکھنے کا اللہ نے بھی امر فرمایا ہے اور تفریق واختلاف کی بُرائی کی ہے چنانچہ فرمایا۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (یعنی اور سب کے سب مل کے اللہ کے (دین) کی رسی مضبوطی سے پکڑو اور (آپس میں) متفرق نہ ہو) اور فرمایا۔ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ. يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ. فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ. یعنی تم اُن کی طرح نہ ہونا کہ جو اس کے بعد کہ اُن کے پاس کھلی کھلی نشانیاں آچکی تھیں متفرق ہو گئے اور آپس میں (دین کے بارے میں) اختلاف کرنے لگے اور یہ وہ لوگ ہیں کہ اُن کے لیے (سخت سے) سخت عذاب ہے (اور اُس دن کو یاد کرو) کہ کچھ (لوگوں کے) چہرے سفید ہوں گے اور کچھ (کے) چہرے سیاہ ہوں گے تو جن کے چہرے سیاہ ہوں گے (اُن سے کہا جائے گا) کیا تم اپنے ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے تھے (اچھا) تو

(اب) جو تم کفر کرتے تھے اُس کی سزا میں عذاب (کے مزے) چکھو۔ ابن عباس وغیرہ نے تبیض وجوہ سے مراد اہل سنت اور تسود وجوہ سے مراد اہل بدعت بتایا ہے اور اللہ نے فرمایا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ (یعنی بے شرک جن لوگوں نے اپنے دین میں فرقے بنائے ہیں اور (جدا جدا) گروہ بن گئے ہیں (اے نبی تم اِن کی کسی بات میں (شریک) نہیں ہو اور فرمایا۔ وَمَا اخْتَلَفَ فِیْهِ اِلَّا الَّذِیْنَ اُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ بَغْیًا بَیْنَهُمْ (یعنی اور (اس پر بھی ان کا اختلاف بند نہ ہوا) جن لوگوں کو کتاب الٰہی دی گئی تھی وہی لوگ اپنے پاس کھلے کھلے احکام آنے کے بعد آپس کی ضد سے اُن میں اختلاف کرنے لگے) اور فرمایا۔ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنَةُ. (یعنی) اور اہل کتاب (اُن کے نبی ہونے میں) مختلف نہیں ہوئے مگر اِس کے بعد کہ ان کے پاس دلیل آ گئی) غرض جب یہ اس طرح ہے تو جو فرقہ تمام فرقوں سے زیادہ جماعت سے علیحدہ ہو اور خود اس میں بھی اختلاف پڑا ہوا ہو۔ تو وہ سب سے زیادہ بُرائی کا مستحق ہے اور جس میں اختلاف کم ہوا اور جماعت سے مفارق بھی کم ہو تو وہ حق سے زیادہ قریب ہوگا چونکہ امامیہ فرقہ کے لوگ تمام فرقوں سے علیحدہ اور مفارق ہیں لہٰذا یہی حق سے بھی ابعد ہوں گے خاص کر وہ لوگ جن کے آپس میں تمام فرقوں سے زیادہ اختلاف ہو یہاں تک کہ بیان کیا جاتا ہے کہ اُن کے بہتر فرقے ہیں یہی طوسی سے اُس کے بعض شاگردوں نے نقل کیا ہے اور یہ خود بھی کہا کرتا تھا کہ شیعہ بہتر فرقے تک پہنچ جائیں گے حسن بن موسی نوبختی وغیرہ نے شیعہ کے فرقوں کی تعداد میں کتابیں تصنیف کی ہیں۔ برخلاف اہل جماعت کے اُن کے اصول دین میں سب فرقوں سے کم اختلاف ہے اور جو دو فرقے ایک دوسرے کی ضد (اور آپس میں مخالف) ہوں یہ دونوں سے اقرب ہوتے ہیں غرضیکہ یہ اصل اسلام میں وسط ہیں جیسا کہ اہل اسلام تمام اہل ملل میں وسط ہیں اور یہ لوگ اللہ کی صفات کے بارے میں بھی اہل تعطیل اور اہل تمثیل کے درمیان ہیں جیسا کہ حضور انور نے فرمایا۔ خیر الامور اوسطها ۔ یعنی بہترین امور اُن میں اوسط ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا اس وقت اہل سنت والجماعت سب فرقوں سے بہتر ہیں۔ علی ہذا القیاس تقدیر کے بارے میں اہل تکذیب اور اہل احتجاج دونوں کے درمیان ہیں اسی طرح اسماء اور احکام کے بارے میں وعیدیہ اور مرجیہ کے درمیان

ہیں پھر صحابہ کے بارے میں غلاۃ اور جفاۃ کے درمیان ہیں اس لیے نہ وہ شیعوں کی طرح علی کی تعریف وغیرہ میں غلو کرتے ہیں نہ خوارج کی طرح کافر کہتے ہیں علی ہذا القیاس نہ ابوبکرؓ، عثمانؓ، کو کافر کہتے ہیں جیسا کہ رافضی انہیں کافر کہتے ہیں نہ عثمان اور علی کو کافر کہتے ہیں جیسا کہ خوارج کہتے ہیں۔

آٹھویں جواب: خود شیعوں میں کوئی ایسا ایک قول نہیں ہے جس پر یہ سب متفق ہوں چنانچہ یہ قول جو شیعی علماء نے ذکر کیا ہے امامیہ کے اقوال میں سے ہے حالانکہ خود امامیہ میں بھی بعض فرقے ایسے ہیں کہ توحید اور عدل میں اُن کے مخالف ہیں جیسا کہ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے. مثلاً جمہور شیعہ بارہ امام کہنے میں امامیہ کے مخالف ہیں چنانچہ زیدیہ اور اسماعیلیہ وغیرہ بارہ اماموں کے انکار پر سب متفق ہیں. لوگوں کے اقوال نقل کرنے والوں نے کہا ہے کہ شیعہ تین قسم کے ہیں شیعہ اُنہیں اس لئے کہتے ہیں کہ اُنہوں نے حضرت علی کو بہت شائع کیا (یعنی شہرت دی) اور اُن کو نبی ﷺ کے تمام صحابہ سے مقدم رکھا پھر اُن میں سے بعض کا نام غالیہ ہے یہ اُن کا نام اس لیے رکھا گیا کہ اُنہوں نے علی کی ذات میں بہت غلو کیا ہے اور اُن کی شان میں بڑی بڑی باتیں کہتے ہیں جیسا کہ اُن کے معبود یا نبی ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں اُن لوگوں کی متعدد قسمیں ہیں نصیریہ فرقہ بھی ان ہی میں ہے دوسری قسم کے شیعہ رافضی ہیں اشعری نے کہا ہے کہ ان کے ایک فرقہ کا نام رافضی اِس لیے ہے کہ اُنہوں نے ابوبکر اور عمر کی امامت کو رفض یعنی ترک کر دیا تھا میں کہتا ہوں صحیح یہ ہے کہ اُن کا نام رافضی اس لیے ہوا کہ اُنہوں نے زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کو چھوڑ دیا تھا جس وقت ہشام بن عبدالملک کے زمانہ حکومت میں کوفہ میں لڑنے نکلے تھے اشعری وغیرہ نے بھی یہ ذکر کیا ہے وہ کہتے ہیں اُن لوگوں کا نام زیدیہ اس لئے پڑا کہ زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کے قول سے یہ لوگ تمسک پکڑتے تھے اور شہر کوفہ میں عبدالملک کے زمانہ میں لوگوں نے زید سے بیعت کر لی تھی اُس وقت کوفہ کا حاکم یوسف بن عمر ثقفی تھا. زید۔ نبی ﷺ کے تمام صحابہ کو حضرت علی بن ابی طالب پر فضیلت دیتے تھے اور صدیق اکبر اور فاروق اعظم کی بھی تعظیم کرتے تھے ائمہ جور و ظلم کا مقابلہ کرنے کو جائز سمجھتے تھے.

پھر جس وقت یہ کوفہ میں اپنے اُن ہمراہیوں کو لیکر جنہوں نے اُن سے بیعت کر لی تھی لڑنے کے لیے تیار ہوئے تو وہاں اُنہوں نے بعض آدمیوں سے سنا کہ وہ ابوبکر و عمر پر انگشت نمائی کرتے ہیں تو اُنہوں

نے فوراً اُن لوگوں کو منع کر دیا اس پر ان کے بعض مریدان سے علیحدہ ہو گئے. حالانکہ وہ بہت چھوٹی سی جماعت تھی آپ نے اُن سے فرمایا رفضتمونی. پھر آپ نے یوسف بن عمر کا مقابلہ کر کے اُسے مار ڈالا کہتے ہیں رافضیوں کا اس پر اجماع ہے کہ نبی ﷺ نے علی بن ابی طالب کو اپنا خلیفہ کرنے کے لیے اُن کا نام لیکر صاف طور سے فرمادیا اور اعلان کرادیا تھا پھر اس پر بھی اجماع ہے کہ نبی ﷺ کی وفات کے بعد علی کی اقتدا نہ کرنے کے باعث اکثر صحابہ گمراہ ہو گئے تھے اور یہ کہ امامت بلا نص اور توقیف کے نہیں ہوتی اور یہ کہ امامت قرابت ہے کہ بعیت کرنے کے وقت امام کو یہ کہنا جائز ہے کہ میں امام نہیں ہوں ان لوگوں کا بھی یہ خیال ہے کہ امام وہی ہو سکتا ہے جو سب لوگوں سے افضل ہو اور کہتے ہیں کہ علی ہر وقت اور ہر حالت میں مصیب ہوتے تھے اور یہ کہ امور دین کے بارے میں اُن سے کبھی کوئی خطا نہیں ہوئی مگر کاملیہ یعنی ابو کامل کے ساتھی علی کی اقتدا ترک کرنے پر لوگوں کو کافر کہتے ہیں بلکہ علی کو بھی خلافت کے طلب کرنے پر کافر کہتے ہیں ۔ائمہ جور کے ساتھ لڑنے سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ فقط اُس امام کے لیے جائز ہے جس کا امامت پر نص ہوا اور یہ لوگ سوائے کاملیہ کے چوبیس فرقے ہیں جن میں فرقہ اولی کا نام قطعیہ ہے کیونکہ اُنہوں نے موسی بن جعفر بن محمد کے مرنے پر امامت کو قطع کر دیا تھا ان کا اور شیعہ کے سب فرقوں کا یہ خیال ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت علی کی امامت کو صاف طور پر فرمادیا تھا اور علی نے امام حسن کی امامت کو، امام حسن نے امام حسین کی امامت کو امام حسین نے اپنے صاحبزادے علی کی کرامت کو علی بن حسین نے اپنے بیٹے ابی جعفر محمد کی امامت کو محمد نے اپنے بیٹے جعفر کی امامت کو جعفر نے اپنے بیٹے موسی کی امامت کو موسیٰ نے اپنے بیٹے علی کی امامت کو علی نے اپنے بیٹے محمد بن علی کی امامت کو محمد نے اپنے بیٹے علی کی امامت کو علی نے اپنے بیٹے حسن کی امامت کو حسن نے اپنے بیٹے محمد بن حسن کی امامت کو اور یہ اُن کے نزدیک غائب ہیں ان کی بابت دعوے کرتے ہیں کہ یہ ظاہر ہو کر تمام روئے زمین کو انصاف سے بھر دیں گے جیسا کہ اب ظلم سے بھری ہوئی ہے. پھر تیسرا فرقہ کیسانیہ ہے اور اُن لوگوں کے بارہ فرقے ہیں کیسانیہ اُنہیں اِس لیے کہتے ہیں کہ مختار جو امام حسین کا انتقام لینے کے لئے جنگ پر آمادہ ہوا تھا اور لوگوں کو محمد بن حنیفہ کی طرف بلاتا تھا اُسے لوگ کیسان کہتے تھے یہ مشہور تھا کہ یہ حضرت علی بن ابی طالب کا آزاد کردہ غلام ہے پس کیسانیہ

میں بعض وہ لوگ ہیں جو یہ دعوی کرتے ہیں کہ علی نے محمد بن حنفیہ کی امامت پر نص کر دی تھی بعض کا قول یہ ہے کہ محمد بن حنفیہ زندہ ہیں رضوی کے پہاڑوں میں رہتے ہیں ایک شیر ان کی دائیں طرف رہتا ہے اور ایک چیتا بائیں طرف یہ دونوں اُن کی حفاظت کرتے ہیں. صبح و شام اُن کے کھانے کے لیے آجاتا ہے اور اُن کے ظاہر ہونے تک اسی طرح آتا رہے گا وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ سبب جس کی وجہ سے اُنہوں نے اپنی اس حالت پر صبر کر رکھا ہے کہ وہ مخلوق سے غائب ہیں یہ ہے کہ اللہ تعالے کی اس میں کوئی تدبیر ہے جسے اُس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا کہتے ہیں۔ اِس مذہب کے قائلین میں بڑی تعداد شعراء کی ہے۔ بعض اُن ہی لوگوں میں وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ محمد بن حنفیہ مر چکے ہیں اور اُن کے بعد امام ان کا بیٹا ابو ہاشم عبداللہ ہے پھر اُن ہی میں بعض کا یہ قول ہے کہ ابو ہاشم عبداللہ نے اپنے بھائی حسن کو وصیت کر دی تھی اور حسنؑ نے اپنے بیٹے علی بن حسن کو مگر علی مر گئے ہیں اُنہوں نے کس کو خلیفہ نہیں کیا لہٰذا اب محمد بن حنیفہ کے واپس آنے کا انتظار ہے اور کہتے ہیں کہ وہ ضرور واپس آئیں گے اور روئے زمین کے مالک ہوں گے غرض یہ کہ آج تک اسی انتظاری کے جنگل میں پڑے ہوئے ہیں کوئی ایسا امام نہیں ملتا جو اُن کے خیال کے مطابق محمد بن حنیفہ کو اُن تک پہنچا دے بعض یہ کہتے ہیں کہ ابی ہاشم کے بعد محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس یا اُن کے باپ علی امام ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ ابو ہاشم ملک شام سے لوٹتے ہوئے سرات کے ملک میں انتقال کر گئے اور وہیں محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کو وصیت کر دی محمد بن علی نے اپنے بیٹے ابراہیم بن محمد کو وصیت کر دی پھر ابراہیم بن محمد نے ابوالعباس سفاح کو وصیت کر دی غرض کہ اسی طرح آپس میں وصیت ہوتے ہوئے ابو جعفر منصور تک خلافت آگئی علماء کہتے ہیں بعد میں اُنہوں نے اس قول سے رجوع کر لیا اور یہ کہا کہ نبی ﷺ نے عباس بن عبدالمطلب کو امام بنانے میں ولیعہد کر دیا تھا پھر عباس نے اپنے بیٹے عبداللہ کو پھر عبداللہ نے اپنے بیٹے علی بن عبداللہ کو پھر اسی طرح امامت کو چلا کر ابو جعفر منصور پر یہ سلسلہ ختم کر دیا یہ لوگ راوندیہ کہلاتے ہیں ابو مسلم کے بارے میں پھر اس فرقہ میں بھی دو فرقے ہو گئے ان میں سے ایک فرقہ تو رزامیہ کے نام سے پکارا جاتا ہے یہ لوگ اُس کے شاگرد اور چیلے ہیں جسے لوگ رزام کہتے تھے اُن کا قول یہ ہے کہ ابو مسلم قتل ہو چکے ہیں۔ دوسرا فرقہ یہ کہتا ہے کہ ابو مسلم ابھی مرے نہیں اور اُن سے اُن چیزوں کا حلال سمجھنا نقل کیا جاتا

ہے جن کو اُن کے سلف نے اور بزرگوں نے حلال نہیں کیا. کیسانیہ میں ایک فرقہ کا قول یہ ہے کہ ابو ہاشم نے عبداللہ بن عمرو بن حرب کو امام مقرر کر دیا تھا ابو ہاشم کی روح بھی اسی میں گھس گئی ہے. پھر انہوں نے عبداللہ بن عمرو کے جھوٹ پر توقف کیا اور امام کو ڈھونڈنے کیلئے مدینہ منورہ پہنچے وہاں یہ عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب سے ملے اُنہوں نے اُن سے کہا کہ تم مجھے امام بنالو چنانچہ اُنہوں نے اُن کو امام بنا کر اُن کے حق میں وصیت کا دعویٰ کر دیا اور اُن ہی میں بعض کا قول یہ ہے کہ ابو مسلم مرے نہیں وہ یقیناً آئیں گے اور بعض کہتے ہیں کہ یہی وہ مہدی ہیں جن کی بابت بشارت ہے اور اصبان کے پہاڑوں میں رہتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ ہاشم نے بیان بن سمعان کو وصیت کر دیا تھی بعض کا قول یہ ہے کہ علی بن حسین کو وصیت کی تھی غرض کہ یہ اُن لوگوں کے اقوال ہیں جو محمد بن حنفیہ سے ابو ہاشم تک نص پہنچنے کے قائل ہیں بعض رافضی کہتے ہیں یہ صورت نہیں ہے بلکہ نص تو حسین بن علی کے بعد اُن کے بیٹے علی بن حسین ہی کے لئے تھی پھر اُنہوں نے اپنے صاحبزادے ابو جعفر کو ولیعہد کر دیا ابو جعفر نے مغیرہ بن سعید کو وصیت کر دی پس یہ لوگ امام کے آنے تک مغیرہ کو اپنا امام سمجھتے ہیں اور مہدی اُن کے خیال میں وہی محمد بن عبداللہ بن حسن بن علی بن ابی طالب ہیں جنہیں وہ زندہ سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ حاجر کے کنارے پر رہتے ہیں اور اپنے ظاہر ہونے کے وقت تک ہمیشہ وہیں رہیں گے رافضیوں میں بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ ابو جعفر محمد بن علی کے بعد امام محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسین ہی ہیں جو ابو جعفر منصور کے زمانہ خلافت میں مدینہ منورہ میں ظاہر ہوئے تھے اُن کا قصہ مشہور ہے اور اُن کا خیال یہ ہے کہ یہی مہدی ہیں مگر مغیرہ بن سعید کی امامت کا یہ لوگ انکار کرتے ہیں.
بعض رافضی یہ کہتے ہیں کہ ابو جعفر نے ابو منصور کو وصیت کر دی تھی پھر ان ہی میں بعض یہ کہتے ہیں کہ ابو منصور نے اپنے بیٹے حسن بن حسین بن ابی منصور کو وصیت کر دی تھی بعض کہتے ہیں کہ محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسین کو وصیت کر دی تھی اور کہتے ہیں کہ ابو جعفر نے ابو منصور کو وصیت کی بنی ہاشم کو نہ کی یہ بعینہ ایسی صورت ہے کہ موسیٰ نے یوشع بن نون کو وصیت کی تھی نہ اپنے صاحبزادے کو نہ ہارون کے صاحبزادے کو ہاں ابو منصور کے بعد پھر یہ امر اولادِ علی کی طرف لوٹ آیا جیسا کہ یوشع بن نون کے بعد ہارون علیہ السلام کے صاحبزادے کی طرف سے چلا گیا تھا بعض ان میں وہ لوگ بھی ہیں

جو کہتے ہیں کہ ابو جعفر نے اپنے بیٹے جعفر بن محمد کو ولیعہد کر دیا تھا اور جعفر زندہ ہیں مرے نہیں جب تک اُن کی خلافت وغیرہ ظاہر ہو وہ مریں گے بھی نہیں۔ وہی مہدی کے نام سے اُٹھیں گے بعض رافضیوں کا قول یہ ہے کہ جعفر بن محمد تو مر چکے ہیں ان کے بعد اُن کے بیٹے اسماعیل امام ہیں یہ اس کا انکار کرتے ہیں کہ اسماعیل اپنے باپ کی زندگی ہی میں مر جائیں بلکہ کہتے ہیں کہ وہ کبھی نہیں مر سکتے جب تک کہ وہ روئے زمین کے مالک نہ ہو جائیں کیونکہ اُن کے باپ اُن سے کہہ گئے ہیں کہ میرے بعد تم میرے وصی اور امام ہو رافضیوں کی ایک قسم قرامطہ ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کی خلافت نص کے ذریعہ سے ابو جعفر تک پہنچ گئی تھی جیسا کہ اثنی عشریہ کہتے ہیں اُن کا یہ بھی قول ہے کہ ابو جعفر نے اپنے پوتے محمد بن اسماعیل کو ولی عہد کر دیا تھا پھر کہتے ہیں کہ محمد بن اسماعیل آج تک زندہ ہیں مرے نہیں اور نہ بلا روئے زمین کے مالک ہوئے وہ مریں گے اور یہی وہ مہدی ہیں جن کی بابت پہلے ہی بشارت ہو چکی ہے. اس بارے میں اُنہوں نے ایسی چند حدیثوں سے حجت کی ہے جنہیں اپنے بزرگوں سے نقل کیا ہے ان میں یہ بیان ہے کہ ساتواں امام زندہ ہے انہیں رافضیوں کو لوگ سبیعہ کہتے ہیں جیسا کہ وہ اثنی عشریہ کہلاتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں کہ ۳۰۰ھ سے قبل یعنی غرب اور قاہرہ میں ان کا ظہور ہونے سے پہلے جو شروع میں اُن کے اقوال تھے مصنفوں نے اُن کو ذکر کیا ہے مگر ۳۰۰ھ میں ان کا حال نہایت ہی حال پریشان رہا۔ بعد اسکے الحاد اور دہریہ پن ان میں اس قدر بڑھ گیا کہ اتنا غلاۃ وغیرہ کسی فرقہ میں بھی نہیں ہوا۔ ان ہی کے بقیہ یہ ملحد لوگ تھے جو خراسان اور شام وغیرہ میں ہوئے ہیں اسی طرح یہ طوسی اور اُس کے معاونین بھی تھے ایسے ہی سنان وغیرہ ہوئے جو لوگ اُن میں فہمیدہ ہیں وہ ان کے جھوٹ اور جہل کو بخوبی سمجھتے ہیں لیکن چونکہ ان کی خدمت کرنے سے اُنہیں ریاست اور مال ملتے ہیں اور وہ خواہشیں پوری ہوتی ہیں جو بغیر اس کے نہیں ہوسکتیں. اس لیے وہ ان کی معاونت کرتے ہیں جیسا کہ اُن کے امثال اہل کذب اور اہل ظلم کی معاونت کرتے ہیں تا کہ اُن کی اغراض پوری ہوں. شیعوں میں بعض کا قول یہ ہے کہ خلافت محمد بن اسماعیل ہی کی اولاد میں ہے بعض یہ کہتے ہیں کہ محمد بن جعفر بن محمد کی اولاد میں ہے نہ اُن کے بیٹے اسماعیل میں اور نہ موسیٰ بن جعفر میں بعض کا قول یہ ہے کہ خلافت اُن کے بیٹے عبداللہ بن جعفر کی اولاد میں ہے اور یہ اُن کی اولاد میں سب سے بڑے بیٹے تھے یہی وہ

شیعہ ہیں جنہیں لوگ لطمیہ کہتے ہیں۔ان لوگوں کی بہت بڑی جماعت ہے. بعض شیعہ وہ ہیں جو موسی بن جعفر کی امامت کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ موسیٰ زندہ ہیں مرے نہیں ہیں اور جب تک مشرق ومغرب کے مالک نہ ہو جائیں نہیں مرنے کے یہی وہ قسم ہے جو واقفیہ کے نام سے مشہور ہے کیونکہ یہ لوگ موسی بن جعفر پر توقف کرتے ہیں اُنہیں حد سے نہیں بڑھاتے انہیں لوگ ممطورہ بھی کہتے ہیں اس نام کی وجہ یہ ہے کہ یونس بن عبدالرحمٰن کا اُن سے مناظرہ ہوا تھا اُس وقت اُس نے کہا کہ تم تو کلاب ممطورہ سے بھی زیادہ غلو کرنے والے ہو۔بس اُسی وقت سے ان کا یہ لقب پڑ گیا ان ہی میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو موسی بن جعفر کے بارے میں توقف کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نہیں جانتے کہ موسیٰ مر گئے یا نہیں مرے پھر ان ہی میں بعض لوگوں کا قول یہ ہے کہ موسی بن جعفر نے اپنے بیٹے احمد کو ولیعہد کر دیا تھا بعض شیعہ کہتے ہیں کہ محمد بن حسن کے بعد جن کا اثنی عشریہ کے نزدیک انتظار ہے ایک اور امام ہے۔وہی زندہ ہے جو ظاہر ہو کر ساری دنیا کو انصاف دنیا کو انصاف سے بھر دے گا اور ظلم کی جہاں سے بیخ کنی کر دے گا غرض یہ کل بیان اُن شیعوں کے اختلاف کا ایک ٹکڑا اور ایک حصہ ہے جو نص کے قائل ہیں. پس جب ساری امت کے تمام فرقوں سے زیادہ ان میں تباین اور اختلاف ہے تو اس فرقہ کا ناجیہ ہونا یقیناً ممتنع ہے کیونکہ ناجیہ میں کم سے کم یہ بات ضروری ہے کہ اُس فرقہ کے لوگ اپنے دین کے اصول میں سب متفق ہوں جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا اپنے دین کے اصول پر اتفاق ہے.دیکھو امامیہ اثناعشریہ کہتے ہیں کہ دین کے چار اصول ہیں. توحید، عدل، نبوت، امامت، مگر تماشہ یہ ہے کہ توحید، عدل اور امامت میں ایک دوسرے کے مخالف ہیں. ہاں نبوت کی بابت یہ ہے کہ جیسے اور تمام امت اس کی مقر رہے یہ بھی اُس کے مقر ہیں۔ہاں امامت میں اُن کا اختلاف تمام امت کے اختلاف سے بڑھا ہوا ہے.اب اگر اثناعشریہ یہ کہیں کہ ہم ان سب فرقوں سے زیادہ ہیں تو حق ہمارے ساتھ ہے نہ کہ اُن کے ساتھ اس کا جواب یہ ہے کہ اہل سنت تم سے بھی زیادہ ہیں.لہذا حق اُن ہی کے ساتھ ہوگا نہ کہ تمہارے ساتھ کیونکہ تمہاری انتہاء یہ ہے کہ امامیہ کے سب فرقے تمہارے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے تم مسلمانوں کے مقابلہ میں حالانکہ اسلام اللہ کا وہ دین ہے جس پر اہل حق کا اجماع ہے.

مذہب امامیہ کا وجوب: شیعی علماء فرماتے ہیں مذہب امامیہ کا اتباع واجب ہونے کی تیسری دلیل یہ ہے کہ امامیہ فرقہ کے لوگ اپنی نجات ہونے کا یقین رکھتے ہیں اور یہ بھی اُنہیں یقین ہے کہ ہمارے علاوہ دوسروں کی نجات ناممکن ہے. مگر اہل سنت کا معاملہ اس سے غیر ہے انہیں نہ اپنی نجات کا یقین ہے نہ دوسروں کی. پس ان ہی امامیہ کے اتباع اولے ہوئے مثلاً ہم فرض کرتے ہیں کہ دو آدمی بغداد سے کوفہ کا ارادہ کر کے چلے پھر ان دونوں کو دو رستے ملے یہ دونوں اُن میں سے ایک ایک رستہ کو چلے گئے پھر ایک تیسرا آدمی کوفہ کا رستہ تلاش کرتا ہوا آیا اُس نے دونوں میں ایک سے پوچھا تم کہاں جاتے ہو جواب دیا کوفہ کو اس نے پوچھا کیا تمہارا یہ رستہ تمیں کوفہ پہنچادے گا اور کیا یہ رستہ پر امن ہے یا کچھ اُس میں اندیشہ ہے اور آیا تمہارے اِس ساتھی کا رستہ اُسے کوفہ پہنچادے گا اور اُس کا رستہ بھی پر امن ہے یا اس میں بھی کچھ اندیشہ اُس نے کہا مجھے اس کی کچھ خبر نہیں پھر اُس نے اس کے ساتھی سے یہی باتیں پوچھیں اُس نے کہا میں یقیناً جانتا ہوں کہ میرا رستہ مجھے کوفہ پہنچادے گا اور یہ میرا راستہ بے شک امن کا ہے اور یہ بھی جانتا ہوں کہ میرے ساتھی کا رستہ اُسے کوفہ نہیں پہنچائے گا اور نہ وہ رستہ امن کا ہے تو اب اگر یہ تیسرا آدمی اُس پہلے آدمی کے پیچھے پیچھے جائے تو تمام عقلا اُسے بے وقوف اور احمق شمار کریں گے اور اگر اس دوسرے کے پیچھے جائے تو اُسے عقل مند کہیں گے. اِس کا جواب ہی چند طرح سے ہے.

پہلا جواب: تو یہ ہے کہ اگر ائمہ دین کے اتباع یہ دعوے کریں کہ ائمہ کی مطلقاً طاعت کرنی چاہیے اور یہ کہ اسی طاعت سے نجات ہونی ضروری ہے تو خلفاء بنی امیہ کے وہ اتباع جو اپنے ائمہ کی طاعت کو مطلقاً ضروری کرتے اور یہ کہتے تھے کہ اِس سے ضروری نجات ہوئی وہ حق پر ہوں علاوہ ازیں علی وغیرہ کو سب وشتم کرنے میں اور شیعہ میں سے جو اُن کا مخالف ہو اُس سے جنگ کرنے میں وہ حق پر ہوں کیونکہ وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ ائمہ کی طاعت کرنی تمام امور میں واجب ہے اور اُن کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ امام سے اللہ تعالے کسی گناہ پر مواخذ نہیں کرتا اور یہ کہ جن امور میں لوگ امام کی اطاعت کریں گے ان کی بابت اُن کے ذمہ کوئی گناہ نہ ہوگا دیکھو یہ لوگ حجت میں تم شیعوں سے اولی ہیں. کیونکہ یہ اُن ائمہ مطیع تھے جن کو اللہ نے مقرر کیا تھا اور سلطنت دیکر اُن کی تائید اور مدد کی تھی اور جب

قدریہ کا مذہب صاف ہے کہ اللہ تعالےٰ وہی افعال کرتا ہے جن میں بندوں کی اعلیٰ درجہ کی صلاحیت ہو تو بس اُن لوگوں کا حاکم اور بادشاہ ہونا بھی بندوں کے حق میں مصلحت ہی ہوگا یہ بھی سب جانتے ہیں کہ وہ لطف اور مصلحت جو ان کے طفیل سے ہوگی وہ اس لطف و مصلحت سے بدرجہا بڑھی ہوئی ہوگی جو کسی امام معدوم یا عاجز کے طفیل سے ہو اس وجہ سے جو دین و دنیا کی بہتری خلفاء بنی امیہ کے اتباع کو نصیب ہوئی وہ امام منتظر کے اتباع سے بہت زیادہ ہے کیونکہ ان لوگوں کو تو اب تک کوئی امام ہی نہیں ملا کہ وہ اُنہیں معروف شے کا امر فرماتا اور شئے منکر یعنی خلافت سے روکتا نہ اُس نے اُن کی دینی یا دنیوی بھلائی میں کہیں کچھ اعانت کی بخلاف اُن لوگوں کے وہ اپنے ائمہ کے وسیلے سے دین و دنیا کے منافع بکثرت اٹھا رہے ہیں ایسے منافع جو شیعوں نے اپنے ائمہ سے آج تک نہیں اُٹھائے۔ بس اس سے معلوم ہوا کہ اگر اُن لوگوں کی حجت جو علی کے شیعہ کہلاتے ہیں صحیح ہو تو اُن لوگوں کی حجت جو عثمان کے شیعہ کہلاتے ہیں بدرجہ اولیٰ صحیح ہوگی اور اگر یہ باطل ہے تو وہ اس سے بھی زیادہ باطل ہوگی۔ لہذا لہذا جب یہ شیعہ مع تمام اہل سنت کے اس امر پر متفق ہیں کہ جس وقت یہ لوگ اُن ائمہ کی مطلق طاعت کا دعوی کریں تو پھر ان لوگوں کا اپنی نجات پر یقین کر لینا محض غلطی اور گمراہی ہے تو بس اُن لوگوں کی خطا اور گمراہی اِن سے بہت ہی بڑھی ہوئی ہوگی جو ایسے لوگوں کی طاعت کا یقین رکھتے ہیں کہ وہ امام معصوم کے نائب ہیں۔ حالانکہ معصوم کا کوئی نشان تک نہیں کیونکہ ہمارے احباب کے ایسے امام معصوم بالکل عنقا ہیں جن سے یہ منہ بہ منہ باتیں کر سکیں۔ سوائے اِن کے اِن شیوخ کے جو انہیں بہکا کر اُن کے مال کھاتے ہیں اور اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ مثل جو شیعی علماء نے بیان کی ہے اُس وقت مطابق ہو سکتی ہے کہ پہلے حسب ذیل دو مقدمے ثابت ہو جائیں۔ ایک مقدمہ تو یہ ہے کہ ہمارا ایک امام معصوم ہے۔ دوسرا مقدمہ یہ کہ وہ امام ایسے ایسے امر کرتا ہے حالانکہ یہ دونوں مقدمے ابھی نامعلوم بلکہ باطل ہیں۔ پہلے مقدمہ کو تو چھوڑو بلکہ دوسرے کو بھی کیونکہ وہ ائمہ جن کی بابت یہ عصمت کا دعوے کرتے ہیں بہت برس ہوئے کہ وہ مر چکے ہیں جن کا انتظار ہے ان کو بھی غائب ہوئے ایک ہزار برس سے زیادہ ہو گئے ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ ایسے معدوم ہوئے ہیں کہ بس قیامت میں کروٹ بدلیں تو بدلیں۔ ہاں جن کی

اطاعت کی جاتی ہے وہ چند کتابیں ہیں جن کی نسبت شیوخ شیعہ نے یہ مشہور کر دیا ہے کہ ان میں جتنے اقوال ہیں وہ سب معصوموں سے منقول ہیں حالانکہ ان بیچاروں کو اس کی خبر بھی نہیں اس کے علاوہ نقل کرنے والے معصوم نہیں ہیں کہ اُن کی بات کا اعتبار کیا جائے اور اُن کی نجات کا یقین کیا جائے پس اس صورت سے شیعہ ان ہی ائمہ کا اتباع کرتے ہیں کہ نہ اُن کی نجات کا یقین ہے اور نہ اُن کی سعادت مندی پر اطمینان ہے لہذا نہ وہ اپنی نجات کا یقین کر سکتے ہیں اور نہ اپنے اُن ائمہ کی نجات پر اطمینان کر سکتے ہیں جن سے یہ امر و نہی بیان کرتے ہیں. توحید کی حقیقت تو یہ ہے کہ اکیلے اللہ کی ہم عبادت کریں اُسی کو پکاریں اُسی سے ڈریں اُسی پر توکل کریں اور اُسی کا دین دین سمجھیں نہ کسی امام کا اور یہ کہ فرشتوں پیغمبروں کو اپنا مشکل کشا نہ بنائیں نہ ائمہ شیوخ علماء اور بادشاہوں پر اپنے مذہب کا دارومدار سمجھیں۔ سوائے اُس ذات باری تعالٰی کے مخلوق کی مطلقاً طاعت کبھی نہیں کی جائے گی اور جس وقت امام اور شیخ کو ایسا سمجھ لیا جائے کہ وہ معبود ہے اور باوجود غائب ہونے کے اور بعد مرنے کے بھی پکارا جاتا ہے اس سے فریادرسی کی جاتی ہے حاجتیں مانگی جاتی ہیں حالانکہ طاعت اُسی کی ہو سکتی ہے جو حاضر ہو جو چاہے امر کرے جس سے چاہے نہی کر دے اس پر بھی مردہ پرستی پر جو لوگ مٹے ہوئے ہیں وہ اس اسلام کی حقیقت سے خارج ہوں گے جس کی اصل اس کلمہ شہادت ہے. **لا الـه الا الـلـه محمد رسـول الـلـه** اب اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ شیعہ کا طریقہ ٹھیک ہے کیونکہ اس میں نجات کا قطعی یقین ہے. جب نجات کا دارومدار یقین ہی پر ہوا تو مشائخ کا طریقہ بھی ٹھیک ہوگا کیونکہ اس میں بھی نجات کا قطعی یقین ہوتا ہے پھر اُس شخص کے طریقہ کو لو جس کا پورا اعتقاد اور یقین ہے کہ یزید ان انبیاء میں سے ایک نبی تھا جو شراب پیتے تھے اور شراب حلال ہے انبیاء نے اُسے پیا ہے یزید بھی اُن ہی میں سے ہے اور جب یزید نبی ہو گیا تو جو نبی سے لڑتا ہے وہ کافر ہوتا ہے تو اس اعتقاد سے حسین وغیرہ کا کافر ہونا لازم آئے گا اور یہ بھی لازم آئے گا کہ ان لوگوں کا مذہب ٹھیک ہو جو کہتے ہیں کہ ہم وہ رزق نہیں چاہتے ہیں جو شیخ ہمیں نہ دے علی ہذا القیاس اُن لوگوں کا بھی مذہب ٹھیک ہو جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالی زمین پر اُترتا ہے اور ہر سجدہ پر وہ اپنا قدم رکھتا ہے اسی طرح اُن کا کہنا بھی ٹھیک ہو جو کہتے ہیں کہ ہمارے شیخ نے ہم سے نماز کو ساقط کر دیا ہے اِس قسم کی گمراہیاں جو اکثر عام لوگوں میں ہوتی ہیں اتباع

مشائخ کی وجہ سے ہیں کیونکہ اِن میں اکثر لوگ اپنی نجات کا یقین رکھتے ہیں اور اپنے مشائخ کی سعادت مندی پر اثنی عشریہ کے اُس یقین سے بھی زیادہ بڑھے ہوئے جو وہ اپنے ائمہ اور اتباع ائمہ کے بارے میں رکھتے ہیں پس اگر ایسے شخص کا اتباع جو نجات کا یقین رکھتا واجب ہو جیسا کہ شیعی علماء فرماتے ہیں تو اُن لوگوں کا اتباع بھی واجب ہوگا اور منجملہ اُن لوگوں کے اتباع کے شیعہ پر قدح کرنا اور اُن کے مذہت کو باطل سمجھنا بھی ہے پس جازم (یعنی نجات کے یقین کرنے والوں) کے اتباع سے شیعہ کے مذہب کا باطل ہونا لازم آئے گا اور اگر جازم کا طریقہ مطلقاً صحیح نہ ہو تو اُسکی حجت باطل ہو جائے گی۔ اسی طرح اور مذہب والوں سے بھی کہا جائے گا کہ اگر اہل جزم کا اتباع اُن لوگوں کے اتباع سے بہتر ہے جو اللہ اور اُس کے رسول کی طاعت کا امر کرتے ہیں اور سوائے اللہ اور رسول اللہ کے اور کسی شخص کی طاعت کو واجب نہیں کہتے نہ اور کسی کے سعادت کے ضامن ہوتے ہیں سوائے اس کے جو اللہ اور اُس کے رسول اللہ کی اطاعت کرے اور اس کے بھی قائل ہیں کہ سوائے رسول کے اور ہر شخص کے قول میں صدق و کذب کا احتمال ہے لہٰذا مطلقاً کسی کی اطاعت نہ کرنی چاہیے اگر ان لوگوں کے اتباع میں نقص اور خطا ہے اور اہل جزم کا اتباع مطلقاً صواب ہے تو جیسے ائمہ معصومین کے شیعہ کا اتباع کرنا واجب ہے۔ اسی طرح مشائخ محفوظین کے شیعہ کا بھی حالانکہ یہ شیعہ اُن شیعہ پر قدح کرتے ہیں اور وہ شیعہ اُن شیعہ پر۔ پس اس سے لازم آیا کہ دونوں فریق باطل بھی ہوں اور حق بھی ہوں اور یہ جمع بین النقیضین ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب اصل ہی غلط ہے اور وہ اصل یہ ہے کہ نجات کے یقین رکھنے والوں کا بلاعلم اور بلادلیل کے اتباع کرنا تو پھر اُس کی فروعات کیونکر صحیح ہو سکتی ہیں یعنی جب کسی نے شیخ جازم بالنجات کا بلا حجت اور بلادلیل اتباع کر لیا یا کسی امامی جازم بالنجاۃ کا بلادلیل اور بلا حجت اُن امور میں اتباع کر لیا جن میں اُس کا اتباع واجب تھا تو اُن کے اقوال میں تناقض لازم آئے گا بخلاف اُن اقوال کے جن کا مرجع کوئی صحیح اصل ہو کیونکہ اُن میں تناقض نہیں ہوتا۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ یہ مثل جو شیعی علماء نے بیان کی ہے اور جسے اصل ٹھیرا کر اُس پر ٹھیرا کر اُس پر قیاس کر لیا ہے یہ ٹھیک نہیں ہے کیونکہ وہ آدمی جس سے ایک نے تو یہ کہا کہ میرا رستہ امن کا ہے یہ مجھے کوفہ پہنچا دے گا عقل باور نہیں کرتی کہ یہ شخص محض پہلے آدمی کے کہنے ہی سے اُس کی تصدیق

کرے بلکہ عقلا کے نزدیک یہ ہوسکتا ہے وہ اِسے دھوکا دینے کے لیے جھوٹ بولتا ہو۔تاکہ اپنے ساتھ لیجا کر کہیں رستہ میں مار ڈالے اور اُس کا سب مال چھین لے اور یہ بھی ہوسکتا ہے ہے کہ یہ جاہل ہو رستہ کے خوف وخطر کی اِسے کچھ خبر نہ ہو باقی یہ دوسرا شخص جو سائل کی کسی بات کا ضامن نہیں ہوا بلکہ اُس نے اُسی کے دیکھنے پر چھوڑ دیا کیونکہ عقل مندی تو یہی ہے کہ آدمی خود دیکھے کہ دونوں راستوں میں چلنے کے لیے بہتر کونسا ہے اور جو شخص یہ کہے میرا رستہ امن کا اور منزل مقصود پر پہنچا دینے والا ہے اس کی تصدیق کرنی ایسے آدمی سے چاہیے جو اس بارے میں توقف کرتا ہو اسی طرح سب جاہل اور مفتری مسائل مشتبہ میں یہ دعوے کرتے ہیں کہ اُن میں ہمارا ہی قول ٹھیک ہے اور اُن مسائل کے حق ہونے کا ہمیں یقین ہے لہٰذا ہمارے اتباع اُن لوگوں سے بہتر ہیں جو غور کرتے اور استدلال لاتے ہیں علی ہٰذا القیاس وہ جھوٹے شیوخ جو اپنے مریدوں کے لیے بہشت کے ضامن ہوجاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمہیں آخرت میں اس قدر اجر عظیم ملے گا اور یہ کہ جو اُن سے محبت رکھے وہی بہشت میں جائے گا اور جو اُنہیں مال دے دے تو وہ اُسے ایسا سرٹیفیکٹ عطا کردیں گے جو اُسے اللہ کا مقرب بنادے تو اُن کا اتباع اُن اہل علم اور اہل صدق اور اہل عدل سے بہتر ہو جو اُس کے لئے کسی شے کے ضامن نہیں ہوتے سوائے اُس کے کہ جسکی اللہ نے اور اُس کے رسول نے اپنے مطیع بندوں کے لیے ضمانت کی ہے۔ علاوہ اس کے مناسب یہ ہے کہ ائمہ اسماعیلیہ یعنی معز اور حاکم وغیرہ کا اتباع ائمہ اثنا عشریہ کے اتباع سے بہتر ہو کیونکہ وہ لوگ تو علم الغیب اور باطن شریعت کے کشف اور علو درجہ کے اس سے بھی زیادہ مدعی ہیں کہ جو اثنا عشریہ دعوے کرتے ہیں اور باوجود اس کے کہ وہ محرمات کو حلال سمجھتے ہیں اور واجبات کو ترک کرتے ہیں مگر تو بھی اپنے مریدوں کے لیے ضامن ہوتے ہیں اور اُن سے کہتے ہیں کہ ہم نے تمہارے لیے نماز روزہ۔ حج، زکوۃ سب ساقط کردیا اور ہم اپنے تعلق کے باعث تمہارے لیے جنت کے ضامن ہیں اور ہمیں اُس کا یقین ہے حالانکہ اثنا عشریہ کا مقولہ یہ ہے کہ ہم بہشت کے مستحق نہیں ہوتے جب تک کہ واجبات کو ادا نہ کریں اور محرمات کو ترک نہ کریں۔ پس اگر جازم کا اتباع محض اُس کے جزم کی وجہ سے اولےٰ ہو تو اُن لوگوں کا اتباع اُن سے بہتر ہوگا جو کہتے ہیں۔جس وقت تم نے گناہ کیا تو احتمال ہے کہ تمہیں اُس کی سزا دیجائے اور یہ بھی امید ہے کہ تمہاری خطا معاف

ہو جائے کیونکہ یہ لوگ خوف و امید میں ہی پھنسے رہے ہیں اس قسم کی نظیریں بہت سی ہیں۔ غرض اس سے معلوم ہو گیا کہ جزم پر محض پیش قدمی کر لینا اُس اُس شخص کے علم اور سچے ہونے پر دلالت نہیں کرتا اور یہ کہ جب تک دلیل معلوم نہ ہو توقف کر لینا اور رُکا رہنا ہی عقلا کی عادت ہے۔

چوتھا جواب: شیعی علماء کا یہ کہنا کہ ہم لوگ اپنی نجات کے جازم ہیں اور اہل سنت نہیں ہیں تو اس سے اگر اُن کی یہ مراد ہے کہ جو کوئی اُن جیسا اعتقاد رکھے گا وہی بہشت میں جائے گا اگر چہ واجبات کو ترک کرتا ہے اور محرمات کا مرتکب ہو تو یہ قول امامیہ کا نہیں ہے اور نہ کوئی عاقل ایسا کہہ سکتا ہے اور اگر یہ مقصود ہے کہ حب علی ایسی حسنہ چیز ہے کہ اُس کے ہوتے کوئی گناہ مضر نہیں ہو سکتا تو اس بنا پر نمازوں کا ترک کرنا اور بڑے بڑے گناہوں کا مرتکب ہونا بھی مضر نہیں ہوگا علیٰ ہذا القیاس جس میں حب علی ہو اُسے بنی ہاشم کی خونریزی کر کے اپنی اغراض پوری کرنے میں بھی کچھ حرج نہ ہوگا اور اگر کہو کہ صادق محبت (شریعت کی) موافقت کو مستلزم ہوتی ہے تو پھر وہی بات لازم آئے گی کہ واجبات کا ادا کرنا اور محرمات کو ترک کر دینا ضروری ہے اور اگر اس کا مقصود یہ ہو کہ امامیہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ جس کا اعتقاد صحیح ہو پھر واجبات کو وہ ادا کرے اور محرمات کو ترک کرے تو یہ بہشت میں جائے گا تو بس یہی اعتقاد اہل سنت کا بھی ہے کیونکہ ایسے شخص کی نجات کا وہ بھی یقین رکھتے ہیں کہ جو اللہ سے ڈرے چنانچہ قرآن مجید میں بھی اسکا موئد ہے ہاں کسی خاص آدمی کے حق میں اُس کے متقین ہونے پر (علم اور یقین نہ ہونے کے باعث وہ توقف کرتے ہیں) اور جس وقت یہ یقین ہو جائے کہ یہ شخص تقویٰ پر مرا ہے تو اُس وقت اس کا بھی ضرور یقین ہوگا کہ یہ اہل جنت سے ہے اسی وجہ سے جس کے حق میں حضور انور ﷺ نے فرمادیا کہ یہ جنتی ہے تو اُس کے جنتی ہونے کا سب اہل سنت اقرار کرتے ہیں اور مرنے کے بعد جس کی لوگوں میں تعریف ہوتی ہو تو اُس کی بابت بھی اہل سنت کا یہی قول ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ امامیہ میں تعریف کے قابل کوئی جزم نہیں ہے جو اہل سنت والجماعت میں نہ ہو اور خاص اُن ہی میں ہو اور اگر وہ یہ کہیں کہ جسے ہم ایسا دیکھیں کہ وہ ہمارے نزدیک واجبات کا پابند اور محرمات کا تارک ہے تو ہم اُس پر یقین کر لیتے ہیں کہ یہ شخص بے شک اہل جنت سے ہے بلا اِس کے کہ کوئی معصوم اپنے باطن سے یہ بات ہمیں بتائے تو اُس کا جواب یہ ہے کہ اس مسئلہ کو امامت کے

ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اگر اُس کی کوئی دلیل صحیح ہو تو یہ طریق اہل سنت ہی کا ہے اور وہی اس طریق کے لائق بھی ہیں اور اگر اُس کی کوئی دلیل صحیح نہ ہو تو یہ قول بلا دلیل ہوگا اور کوئی اس میں فضیلت نہ ہوگی خلاصہ یہ ہے کہ یہ لوگ جس صحیح دلیل کے مدعی ہوتے ہیں اہل سنت اس کے ان سے زیادہ مستحق ہیں اور جس جہالت کا یہ دعوے کرتے ہیں وہ نقص ہوتا ہے اہل سنت اس سے بہت بعید ہیں اب رہا ایک خاص معین آدمی کو بہشتی کہنا سو کبھی تو اُس کا سبب معصوم کا بیان کرنا ہوتا ہے اور کبھی اُن مسلمان کی شہادت کا متفق ہو جانا باعث ہو جاتا ہے جو روئے زمین پر اللہ کے گواہ ہیں. چنانچہ صحیح بخاری میں حضور انور سے مروی ہے کہ آپ ایک جنازہ پر سے گزرے تو لوگ اُس مُردے کی خوبیاں بیان کر رہے تھے حضور انور ﷺ نے اُن لوگوں کے اقوال سن کر فرمایا وجبت وجبت (یعنی اسے بہشت ملنی ضروری ہوگئی) اس کے بعد آپ ایک اور جنازہ پر سے گزرے تو لوگ اُس کی بُرائیاں کر رہے تھے. تب بھی آپ نے یہی فرمایا وجبت وجبت اس پر صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ آپ کے وجبت وجبت فرمانے کا کیا مطلب ہے فرمایا جس جنازہ کی تم لوگ خوبیان بیان کرے رہے تھے اس کے بارے میں نے کہا تھا کہ **وجبت لھا الجنۃ** (اسے جنت ملنی ضروری ہوگئی) اور جس جنازہ کی تم بڑائیاں کر رہے تھے اُس کی بابت نے کہا تھا کہ **وجبت لھا النار** (اسے دوزخ ملنی ضرور ہوگئی) کیونکہ تم لوگ روئے زمین پر اللہ کے گواہ ہو لہذا جیسا تمہاری زبانوں سے نکلتا ہے ویسا ہی ہوتا ہے.

مسند میں حضور انور ﷺ سے مروی ہے فرمایا **یوشک ان تعلموا اھل جنۃ من اھل النار قالو ابم یا رسول اللہ قال بالثناء الحسن و الثناء السیء** (یعنی اب عنقریب دوزخیوں میں سے بہشتی لوگ تمہیں معلوم ہو جائیں گے صحابہ نے عرض کیا رسول اللہ کس طرح آپ نے فرمایا کی خوبیاں اور بُرائیاں معلوم ہونے سے کبھی اُس کا سبب مومن کے خوابوں کا موافق ہونا بھی ہوتا ہے کیونکہ حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ **لم یبق بعدی من النبوۃ الا الرؤیا الصالحۃ یراھا العبد الصالح اوتری لہ** (یعنی میرے بعد نبوت تو بالکل نہیں رہی ہاں عمدہ خوابیں کہ نیک بندے اُنہیں دیکھیں گے یا کوئی کسی کے لیے دیکھ لے گا) **پھر کسی نے حضور انور سے اس آیت کا مطلب پوچھا** لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ (یعنی اُن کے لیے زندگانی میں (بھی) بشارت ہے اور

آخرت میں بھی) حضور انور نے فرمایا کہ اس بشارت سے مراد، رویائے صالحہ (اچھی خواب) ہیں جسے نیک آدمی خود دیکھئے یا کوئی اور دیکھے. اسکی تفسیر حضور انور ﷺ نے مسلمانوں کی تعریف کرنے کے ساتھ بھی فرمائی ہے کسی نے حضور انور سے پوچھا تھا یارسول اللہ آدمی عمل تو اپنے لیے کرتا ہے اور لوگ اُس پر اُس کی تعریف کرتے ہیں فرمایا یہ مومن کی بشارت ہے جو دنیا مل گئی. اور خواب بھی اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اور کبھی حدیث نفس (یعنی محض خیالات کو خواب) ہوتے ہیں اور کبھی شیطان کی طرف سے بھی ہوتے ہیں پس جس وقت کسی امر پر بہت سے مسلمانوں کی خوابوں کا اتفاق ہوگا. تو وہ امر بیشک حق ہوگا کیونکہ ایک آدمی سے کبھی غلطی ہوجاتی ہے یا کبھی وہ جھوٹ بول دیتا ہے اور کبھی خواب میں خطا ہوجاتی ہے اور کبھی وہ جان کر بھی جھوٹ بول دیتا ہے پس جس وقت کسی امر پر سب جمع ہوجائیں گے تو سب اہل سنت گمراہی اور جھوٹ پر نہیں جمع ہوسکتے لہذا، وہ امر حق ہوگا اور جس وقت بہت سے خوابوں میں تواتر ہوگا تو وہ بھی یقین کا فائدہ دیں گے پس اسی طرح رویا بھی ہے حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے متواتر خواب دکھائی دیئے ہیں کہ شب قدر رمضان شریف کے اخیر ہفتہ میں ہوگی. لہذا تم میں سے جوکوئی تلاش کرنی چاہے تو اُسے اخیر ہی ہفتہ میں تلاش کرنی چاہیے. اور یہ تمام اسباب اہل سنت والجماعت کے نزدیک اُن سے اتم واکمل ہیں جو اسباب شیعہ کے نزدیک ہیں. پس سعادات کے جاننے اور اُس کے حاصل کرنے کا طریقہ شیعہ کے پاس کوئی نہیں ہے بلکہ اہل سنت کے پاس یہ طریقہ نہایت ہی عمدہ اور کامل ہے.

پانچواں جواب: یہ ہے کہ اہل سنت اپنے ائمہ کی نجات ہونے کا اس سے زیادہ یقین رکھتے ہیں جتنا کہ امامیہ کو یقین ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ حضور انور ﷺ کے صحابہ اُن کے ائمہ مہاجرین اور انصار ہیں جن کی بابت اللہ نے فرمایا ہے. اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ اور اُن کی نجات ہونے کا سب کو یقین ہے کیونکہ سب اہل سنت اِس کے قائل ہیں کہ عشرہ مبشرہ یقیناً جنتی ہیں علیٰ ہذا القیاس اس کے بھی قائل ہیں کہ اہل بدر کے حق میں اللہ تعالےٰ نے یہ فرمایا تھا اِعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ (یعنی تم جو چاہو کرو میں تمہاری مغفرت کر چکا ہوں. ہاں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس نے بیعت شجرہ کرلی وہ دوزخ میں نہ جائے گا. چنانچہ صحیح حدیث میں حضور انور ﷺ سے ثابت ہے اور یہ

ہزار چار سو سے زیادہ ائمہ اہل سنت کے ہیں سب اہل سنت اس کے گواہ ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی دوزخ میں نہ جائے گا اور یہ شہادت علم اور دلیل کے ساتھ ہے چنانچہ قرآن اور حدیث بھی اس پر دال ہیں بس

چھٹا جواب: یہ ہے کہ اہل سنت بھی نجات کے قائل ہیں یا تو مطلقا اور یا خاص طور پر جسکی سند کی کوئی دلیل ہو لیکن ان کے مقابلہ میں امامیہ اگر قائل بھی ہوں گے تو بلا دلیل ہوں گے اور یا ایسے کذب کے قائل ہوں گے جس کے کذب ہونے کو وہ خود بھی جانتے ہیں غرض کہ اُن کا وہی حال ہے جو امام شافعی نے فرمایا ہے کہ **ما رایت قوما اشھعد بالزور من الرافضة**

ساتواں جواب: یہ ہے کہ یہ امام جس کی نجاب کے یہ لوگ قائل ہیں یا تو وہ ہر امر میں مطاع ہوگا (یعنی ہر کام میں اُس کی اطاعت کی جائے گی) اگر چہ مومنین میں سے کوئی اُس کے مخالف بھی ہو اور یا وہ ان ہی امور میں مطاع ہوگا کہ جہاں اللہ اور اُس کے رسول کی طاعت کا امر کرے اور ان امور میں بھی جن کو وہ اجتہاد سے بتائے جس وقت یہ معلوم نہ ہو کہ اُس کے سوا اُس سے اولی ہے پس اگر امام وہ پہلا ہی ہے تو اس معنی پر اہل سنت کا امام حضور انور کے سوا اور کوئی نہیں ہے کیونکہ اُن کے نزدیک حضرت کے سوا اور کوئی ایسا نہیں ہے کہ ہر امر میں اُس کی اطاعت کرنی ضروری ہو وہ سب اُس کے قائل ہیں جیسا کہ کہ مجاہد، حکم، امام مالک وغیرہ نے کہا ہے کہ ہر آدمی کے قول پر عمل کیا بھی جاتا ہے اور نہیں بھی کیا جاتا۔ سوائے رسول اللہ ﷺ کے اور وہ اپنے امام کے حق میں اس امر کے گواہ ہیں کہ وہ تمام مخلوق سے بہتر ہے اور وہ کہتے ہیں کہ جو شخص اس امام کا اقتداء کرے یعنی جو وہ امر فرمائے اُسے کرلے اور جس سے وہ منع کرے اُس سے رُک جائے تو یہ شخص ضرور بہشت میں جائے گا اور یہ شہادت اِن اِن دلائل کے ساتھ امامیہ کی اُس شہادت سے بہت ہی کامل ہے جو وہ عسکریین وغیرہ کے لئے دیتے ہیں یعنی جو شخص ان کا اطاعت کرے وہ ضرور بہشت میں جائے گا۔ اِس سے ثابت ہو گیا کہ اہل سنت کے امام اکمل ہیں اور جس وقت یہ اُن کی اطاعت کریں تو اُن کی شہادت بھی اُن کے حق میں اکمل ہے اور اس میں اُن کی کوئی برابری نہیں کرسکتا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ **آاللہ خیر اما یشر کون** (یعنی آیا اللہ بہتر ہے یا وہ جسے یہ (اس کا) شریک بناتے ہیں۔ اِس سے مقصود یہ ہے کہ مقابلہ کے وقت محض شر پر محض خیر کی فضیلت ذکر کردی جاتی ہے۔ اگر چہ محض شر میں خیر بالکل

نہیں ہوتی۔ اور اگر ان کی امام سے مراد مقید امام ہے تو اہل سنت پر اسکی طاعت اس وقت ضروری نہیں ہے جس وقت اس کا امر امام مطلق یعنی حضور انور ﷺ کے امر کے موافق نہ ہو یہ لوگ جس وقت اس کی اُن امور میں اطاعت کریں جن میں اُس کی اطاعت کا اللہ نے حکم دیا ہے تو یہ اللہ اور اُس کے رسول ہی کے مطیع ہوں گے پس اس وقت انہیں امام مقید کے بارے میں توقف کرنا کہ وہ بہشت میں ہے یا نہیں کچھ مضر نہ ہوگا جیسا کہ معصوم کے اتباع کو مضر نہیں ہوتا جس وقت وہ معصوم کے خلفاء کا اتباع کرتے رہیں باوجود یہ کہ کبھی وہ خلفاء دوزخیوں میں بھی ہوتے ہیں خاص کر وہ خلفاء جو ان کے نزدیک خود بھی یہ نہیں جانتے کہ وہ لوگوں کو وہی امر کر رہے ہیں جو انہیں معصوم نے کیا تھا یا اُس کے خلاف کر رہے ہیں کیونکہ اُنہیں اس کی خبر ہی نہیں کہ معصوم نے کیا فرمایا ہے. اب رہے اقوال رسول اُنہیں سب جانتے ہیں جو کوئی اُن کے موافق امر کرے گا فوراً معلوم ہو جائے گا کہ یہ اُن اُمور کے موافق ہے علیٰ ہذا القیاس جو خلاف امر کرے گا وہ بھی فوراً معلوم ہو جائے گا کہ یہ امر خلاف ہے اور اُن امور میں سے جس میں اختلاف ہوگا اُس میں خلیفہ رسول اجتہاد کرے گا پس یہ اُس خلیفہ کی طاعت سے بہتر ہے جو کسی مدعی عصمت کا خلیفہ ہو. حالانکہ کوئی ایسا نہیں ہے جو اُس کو جانتا ہو کہ اُس غائب منتظر نے کیا کیا امر کئے ہیں. چہ جائے کہ کوئی یہ جانتا ہو کہ ان کا خلیفہ اُن کے موافق ہے یا مخالف پھر اگر یہ اس امر کا دعویٰ کریں کہ خلفا عامل ہیں اُنہی کی طرف سے امر کرتے ہیں تو ان لوگوں کے علم سے علماء امت کا علم حضور انور کے امر کے ساتھ اتم اور اکمل ہوگا اور اگر ان کے اقوال کی کوئی صحیح دلیل مانگ لے جو حضرت علی وغیرہ سے منقول ہو تو اُس وقت یہ بالکل بند ہو جائیں گے اُنہیں کوئی راستہ نہ ملے گا کیونکہ اسناد اور راویوں کا انہیں علم نہیں ہوتا جتنا اہل سنت کو ہے۔

آٹھواں جواب: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسی شخص کے لیے سعادت کی ضمانت کی ہے جس نے اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کی. اور جس نے نہ کی اس کے حق میں شقاوت کی وعید ہے پس دار و مدار سعادت کا اللہ اور اُسکے رسول کی اطاعت پر ہے. جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے. وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا. یعنی اور جو اللہ اور (اُس کے) رسول کی اطاعت کرے تو

وہ (اُن مقبول بندوں میں سے ہوگا جو قیامت میں ایسے (برگزیدہ) لوگوں کے ساتھ ہوں جن پر اللہ نے (اپنی) نعمت اُتاری ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہیدوں اور نیک لوگوں کے ساتھ (ہوں گے) اور یہ لوگ (بہت) اچھے رفیق ہیں. اس کے سوا اور ایسی ہی آیتیں ہیں. جب اللہ تعالے خود یہ فرماتا ہے کہ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (یعنی اللہ سے تم حتی الوسع ڈرتے رہو) تو اب جو کوئی حتی الوسع اللہ اور اُس کے رسول کی طاعت میں کوشش کرے گا تو وہ ضرور جنتی لوگوں میں سے ہوگا. پس شیعی علماء کا یہ کہنا کہ "لن یدخل اجلنتة الا من کان امامیا" یعنی جنت میں وہی جائے جو امامیہ فرقہ میں ہو" تو یہ بعینہ یہود اور نصاریٰ کے قول کی طرح ہے کہ وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ. بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (البقرہ۔ ۱۱۱۔۱۱۲) (یعنی اور (یہود) کہتے ہیں کہ ہرگز یہود کے سوا (نصاریٰ کہتے ہیں) نصاریٰ کے سوا کوئی جنت میں جانے ہی نہ پائے گا. یہ اُن کی خیالی آرزوئیں ہیں. (اے محمد ان سے) کہو کہ اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو تو (کوئی) اپنی دلیل پیش کرو. ہاں جس نے اللہ کے آگے اپنا سر جھکا دیا اور وہ اچھے کام (بھی) کرتا رہا تو اُس کے رب کے ہاں اُسکا اجر اُس کو ملے گا اور نہ اُن کو (آخرت میں کسی قسم کا) ڈر ہوگا اور نہ اُن کو (دنیا کے فوت ہونے کا اندیشہ اور غم ہوگا) یہ سب کو معلوم ہے کہ یہ منتظر جس کے شیعی علماء مدعی ہیں اس کی اطاعت کسی پر واجب نہیں ہے کیونکہ خاص اُس کا قول کسی کو معلوم ہی نہیں ہے پس اس وقت جس نے حضور انور کی اطاعت کر لی وہی بہشت میں جائے اگر چہ اُس امام پر وہ ایمان بھی نہ لایا ہو اور جو شخص اُس امام پر ایمان لے آیا وہ بہشت میں نہ جائے گا ہاں اگر اُس نے حضور انور ﷺ کی اطاعت کر لی غرض سعادت کا دارومدار رسول ہی کی اطاعت کے ہونے نہ ہونے میں پر ہے اور یہی جنتیوں اور دوزخیوں کے درمیان میں فارق ہے۔ محمد ﷺ لوگون میں فارق ہیں پس اس سے معلوم ہو گیا کہ سعادت کا یقین رکھنے والے اہل سنت ہی ہیں اور نجات بھی اُن ہی لوگوں کی ہے جو اہلسنت میں سے ہوں. شیعی علماء فرماتے ہیں کہ امامیہ نے اپنا مذہب اُن ائمہ معصومین سے حاصل کیا ہے جو علم، فضل، زہد، ورع، عبادت، دعاء، تلاوت قرآن میں مشغول رہنے کے ساتھ مشہور

ہیں اور اول سے آخر عمر تک ہمیشہ اسی پر رہے ہیں. اور بعض اُن میں سے لوگوں کو علم سکھاتے تھے اور ہل اتی اور آیت طہارت اور آیت ابتہال وغیرہ اُن ہی کے حق میں نازل ہوئی ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک رات دن میں ہزار رکعت پڑھا کرتے تھے اور باوجود اس قدر جہاد کے قرآن شریف کی تلاوت بھی برابر کرتے رہتے تھے. سواول ان ائمہ میں علی بن ابو طالب ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے بعد تمام مخلوق سے افضل تھے اور جن کو اللہ تعالی نے رسول اللہ ﷺ کی جان بنا دیا تھا چنانچہ فرمایا وَ اَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَکُمْ اور رسول اللہ نے اُنہیں بھائی کر لیا تھا اور اپنی صاحبزادی اُن سے بیاہ دی تھی. علاوہ اُس کے اُن کے فضائل بے انتہاء ہیں اور بہت سے معجزے بھی اُن سے ظاہر ہوئے ہیں. یہاں تک کہ بعض لوگوں نے اُن کی بابت رب ہونے کا بھی دعوے کیا تھا. لیکن آپ نے ان کو قتل کر دیا تھا اُن کے مراتب کا غلو یہاں تک ہو گیا تھا جس سے غلاۃ اور نصیریہ بنے. اُن کے دو صاحبزادے رسول اللہ ﷺ کی اولاد تھے. وہ اہل جنت کے جوانوں کے سردار ہیں اُن دونوں کو رسول اللہ نے امام فرمایا ہے اور وہ دونوں سب لوگوں سے زیادہ زاہد اور اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے ان دونوں نے راہِ خدا میں لڑنے کا یہاں تک حق ادا کیا کہ خود بھی شہید ہو گئے. اور امام باوجود اپنے نہایت فاخرانہ لباس کے کمل پوش تھے. بلا اس کے کہ کسی کو اس کی اطلاع ہو. ایک دن نبی ﷺ نے امام حسین کو لیکر اپنی دائیں ران پر بٹھا لیا اور حضرت کے صاحبزادے ابراہیم آپ کی بائیں ران پر تھے اُسی وقت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور یہ فرمایا کہ اللہ ان دونوں کو آپ کے پاس رکھنا نہیں چاہتا لہذا آپ اُن میں سے ایک کو پسند کر لیجئے اُس وقت نبی ﷺ نے یہ فرمایا. اِس وقت اگر حسین مرے تو میں اور علی اور فاطمہ تینوں روئیں گے اور اگر ابراہیم مر گئے تو اُن کے صدمہ میں میں ہی روؤنگا چنانچہ آپ نے یہ سوچ کر اپنے صاحبزادے ابراہیم کے مرنے کو اختیار کر لیا. پھر تین ہی روز کے بعد وہ اللہ کے ہاں سدہار گئے. جب حسین رسول اللہ کے سامنے آتے تو آپ یہ فرمایا کرتے کہ ایسے شخص کو مرحبا ہو جس پر میں نے اپنا بیٹا قربان کر دیا. ان کے بعد علی بن حسین امام زین العابدین ہیں جو دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے تھے اور رات کو نماز پڑھتے اور کلام الٰہی کی تلاوت کرتے رہتے تھے اور ایک رات دن میں ہزار رکعت نماز پڑھا کرتے تھے اور ہر رکعت کے بعد وہ دعائیں پڑھا

کرتے تھے جوان سے اور اُن کے باپ دادوں سے منقول ہوئی ہیں پھر صحیفہ کو ہاتھ میں سے رکھ کے یہ فرمایا کرتے کہ مجھے علی کی عبادت سے کیا نسبت ہے پھر اس قدر روتے کہ آنسو رخساروں کے گوشت میں سے بہنے لگتے۔ حضور انور ﷺ نے آپ کا نام سید العابدین رکھا تھا۔ ہشام بن عبدالملک نے اپنے حکومت کے زمانہ میں حج کیا تھا۔ جہاں استلام رکن کی اُس نے ہر چند ہی کوشش کی لیکن کثرت ازدحام کے باعث اُسے استلام نصیب نہ ہوا پھر زین العابدین آئے تو اُن کے لیے سب لوگ کھڑے ہو گئے بلکہ حجر اسود سے سب ہٹ گئے یہاں تک کہ امام نے اس کا استلام کر لیا اس وقت سوائے ان کے حجر اسود کے پاس اور نہ رہا اس پر ہشام بن عبدالملک کو بہت تعجب ہوا اُس نے پوچھا تو فرزدق شاعر نے بہت سے اشعار کے ساتھ اُسے جواب دیا جن میں امام کے اعلیٰ درجہ کی تعریف تھی اس پر ہشام بہت ناراض ہوا اور حکم دیا کہ فرزدق کو قید کیا جائے۔ پھر امام زین العابدین نے ایک ہزار اشرفیاں فرزدق کے پاس بھیجیں اُس نے وہ واپس کر دیں اور کہا کہ میں نے یہ اشعار فقط اللہ اور اُسکے رسول کی خوشنودی کے لیے کہے ہیں لہٰذا اِس کا میں معاوضہ نہیں لیتا امام نے فرمایا کہ ہم اہل بیت ہیں ہم اپنے ہاں سے جس چیز کو نکال دیتے ہیں پھر واپس نہیں لیا کرتے اِس وقت فرزدق نے وہ اشرفیاں قبول کر لیں۔ مدینہ منورہ میں بہت سے لوگ ایسے تھے کہ اُن کے کھانے کے لیے رات کو اُن کے پاس آ جاتا تھا اور کسی کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ کہاں سے آتا ہے مگر جب ہمارے آقا امام زین العابدین کا فصال ہو گیا تو وہ رزق آنا بھی بند ہو گیا اُس وقت معلوم ہوا کہ یہ اُن ہی کی طرف سے تھا۔ آپ کے بیٹے محمد باقر زہد اور عبادت میں سب سے بڑھے ہوئے تھے اور اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے رسول اللہ ﷺ نے اُن کا نام باقر رکھا تھا ایک دن جابر بن عبداللہ انصاری اُن کے پاس آئے اُس زمانہ میں بہت چھوٹے تھے۔ جابر نے اُن سے کہا تمہارے دادا رسول ﷺ تمہیں سلام کہتے تھے۔ آپ نے فرمایا میرے دادا پر بھی سلام ہو کسی نے جابرؓ سے پوچھا کہ یہ کیا قصہ ہے کیونکہ حضرت کی وفات ہوئے تو کئی برس گزر گئے جابر نے کہا میں ایک روز رسول اللہ کے پاس بیٹھا تھا اور حسین حضور کی گود میں بیٹھے کھیل رہے تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ اے جابر حسین کا ایک بیٹا ہوگا جس کا نام علی ہوگا اور جب قیامت آئے گی تو ایک منادی پکارے گا کہ سید العابدین کھڑے ہو جائیں چنانچہ ان کے وہ بیٹے

کھڑے ہوں گے پھر سید العابدین کا بھی ایک بیٹا ہوگا جس کا نام محمد باقر ہوگا وہ علم کو خوب پھیلائے گا. جس وقت تم اُن سے ملو تو میری طرف سے اُنہیں سلام کہنا. ان سے امام ابوحنیفہ وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے.

جعفر: ان کے صاحبزادے حضرت جعفر صادق علیہ السلام تھے جو اپنے زمانہ میں سب سے افضل اور سب سے زیادہ عابد تھے علماء سیر کا قول ہے کہ اُنہوں نے ریاست کی خواہش نہیں کی عبادت ہی میں مشغور رہے عمر بن ابی المقدم کہتے تھے کہ جب میری نظر جعفر بن محمد صادق پر پڑتی تھی مجھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ بقیہ انبیاء میں سے ہیں اور فقہ امامیہ. معارف حقیقت، عقائد یقینیہ کو ان ہی نے پھیلایا تھا جس امر کی آپ خبر دیتے تھے وہ اُسی طرح ہوجاتا تھا. اسی واسطے لوگوں نے اُن کا نام صادق امین رکھ چھوڑا تھا. عبداللہ بن حسن نے اپنے دونوں صاحبزادوں سے بیعت کرانے کے لیے اکابر علویہ کو جمع کیا تھا اس پر جعفر صادق نے فرمایا کہ یہ امر اس طرح راست نہیں آئے گا. عبداللہ اس بات سے ناراض ہوگئے آپ نے منصور کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ تو قباؤ اصفر والے کا حصہ ہے منصور نے جس وقت یہ سنا بہت خوش ہوئے کیونکہ اُنہیں یقین تھا کہ جو کچھ آپ نے فرمایا ہے یقیناً ہو کر رہے گا اور سمجھ گئے کہ بیعت مجھ سے ہوگی.

موسےٰ کاظم: ان کے بیٹے تھے جو عبد صالح کے نام سے پکارے جاتے تھے یہ اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ عابد تھے رات کو نمازیں پڑھتے دن کو روزے رکھتے کاظم ان کا نام اس لیے ہوگیا تھا کہ جب آپ کو کسی سے کوئی تکلیف پہنچتی تو آپ اُس سے عدادت رکھنے اور سزا دینے کے عوض اور اُسے مال دے دیتے تھے اُن کے فضائل موافق مخالف سب نے نقل کئے ہیں. ابن جوزی حنبلی کہتے ہیں. شقیق بلخی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں ۱۴۹ھ میں حج کرنے گیا اور اتفاق سے قادسیہ میں اُترا یک کیا دیکھتا ہوں کہ ایک جوان نہایت ہی خوبصورت گندمی رنگ اونی کپڑے پہنے ہوئے سر پر عمامہ باندھے پاؤں میں جوتے پہنے ہوئے سب سے علیحدہ بیٹھا ہے. میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ جوان کوئی صوفی معلوم ہوتا ہے یہ چاہتا ہے کہ لوگوں پر بار ہو یعنی لوگوں سے کچھ وصول کرے میں نے دل ہی دل میں قسم کھائی کہ میں اُس کے پاس جا کر اُسے دھمکادوں گا اتنے میں اُس

جوان نے مجھے دیکھتے ہی کہا کہ اے شقیق "اِجْتَنِبُوْا کَثِیراً مِنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ" (یعنی بہت بدگمانیوں سے بچو کیونکہ بعض بدگمانی یقیناً گناہ ہوتی ہے) اُس وقت میں نے دل میں کہا کہ یہ تو کوئی بڑا نیک آدمی ہیں کہ جو کچھ میرے دل میں تھا وہی بیان کر دیا میں ضرور اس سے ملوں گا اور اپنی خطا معاف کرا دوں گا اتنے میں وہ میری نظروں سے غائب ہو گئے کہیں نظر نہ آئے پھر جب ہم ایک اور منزل پر جا کر اُترے تو پھر میں نے دیکھا کہ وہی جوان وہاں کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں تمام اعضا جنبش میں ہیں۔ اور آنکھوں سے آنسو گر رہے ہیں۔ پھر میں نے سوچا کہ اب ان سے مل کر عذر معذرت کروں گا اس وقت اُنہوں نے اپنی نماز جلدی سے ختم کر دی پھر فرمایا اے شقیق وانی الغفار لمن تاب وامن وعمل صالحاً ثم اهتدی (یعنی اور یقیناً اُس شخص کو بخشنے والا ہوں جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک کام کرے پھر ہدایت یافتہ ہو جائے۔) میں نے کہا یہ تو کوئی ابدال میں سے ہیں کیونکہ میرے دل کی باتیں دو دفعہ بتلا چکا ہے۔ خیر پھر ہم آلہ میں پہنچے تو میں نے دیکھا کہ وہی جوان وہاں کوئیں پر کھڑے ہیں اور ہاتھ میں لوٹا ہے پانی لینا چاہتے ہیں اتفاق سے لوٹا ہاتھ سے چھوٹ کر کوئیں میں جا پڑا اُسی وقت آپ نے آسمان کی طرف منہ اُٹھا کر یہ مثلث پڑھی۔

انت ربی اذا ظلمئت الی الماء وقوتی اذا اردت الطعاما

یاسیدی مالی سواها

یعنی اے پاک پروردگار جس وقت مجھے پانی کی ضرورت ہوتی ہے تو ہی میری سیرابی (کا باعث) ہے اور جس وقت مجھے کھانے کی ضرورت ہوتی ہے تو ہی میری روزی (کا سبب) ہے اے میرے آقا میرے پاس تو اِس کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے (لہٰذا اب میں پانی کاہے سے پیوں گا۔)
شقیق کہتے ہیں اللہ کی قسم میں نے خود کوئیں کو دیکھا کہ اُس کا پانی اوپر چڑھ آیا لوٹا اوپر تیر رہا تھا۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے لوٹا اٹھایا اور پانی بھر کر وضو کیا چار رکعت پڑھیں۔ پھر وہیں ریت کے ایک ٹیلے پر چڑھ گئے اور اُس کی مٹھایاں بھر بھر کر اُس لوٹے میں ڈال دیں اور اُسے پینے لگے۔ میں نے کہا اُس رزق میں سے جو اللہ نے آپ کو عطا کیا ہے یا جو اللہ نے آپ پر انعام کیا ہے کچھ بچا کچھا مجھے بھی عنایت کر دیجئے فرمایا اے شقیق ہم پر تو ظاہر اور باطن میں اللہ تعالے ہمیشہ انعام کرتا ہی رہتا ہے لیکن تم

اپنے اللہ کے ساتھ حسن ظن رکھا کرو پھر آپ نے وہی لوٹا مجھے دے دیا میں نے اُس میں سے پیا دیکھتا کیا ہوں کہ وہ تو میٹھے ستو ہیں. قسم ہے اللہ کی ایسے مزے دار اور خوشبودار ستو میں نے کبھی نہیں پیے میرا پیٹ بھر گیا اور میں خوب سیر ہو گیا بعد میں کئی روز تک مجھے کھانے پینے کی مطلق خواہش نہ ہوئی. پھر میں نے اُنہیں نہ دیکھا یہاں تک کہ میں مکہ معظمہ پہنچ گیا. اتفاق سے جو میری نظر قبہ سراب پر پڑی تو دیکھتا ہوں کہ وہی حضرت نہایت گریہ وزاری اور خوش وخضوع کے ساتھ کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں اور صبح تک اسی طرح کھڑے پڑھتے رہے. جس وقت صبح صادق ہوگئی تو آپ وہیں مصلّے پر بیٹھے تسبیح پڑھتے رہے.
پھر صبح کی نماز پڑھی اور سات طواف بیت اللہ کے کئے پھر جب چلنے لگے تو میں بھی پیچھے ہولیا دیکھتا کیا ہوں کہ اُن کے ساتھ تو بہت سے خادم غلام اور بڑا جاہ وحشم ہے جو حالت میں نے ان کی پہلے دیکھی تھی اب تو رنگ ہی اور ہے. بہت لوگ آ آ کر سلام کرتے اور برکت حاصل کرتے ہیں میں نے اُن لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہیں کہا یہ موسےٰ بن جعفرؑ ہیں. میں نے کہا مجھے بھی اِس سے تعجب ہوتا تھا کہ ایسی کرامتیں تو سوائے ایسے سید کے اور کسی سے ظاہر نہیں ہوسکتیں. اس روایت کو حنبلی نے نقل کیا ہے.
بشر حافی نے جو بڑے اولیاء اللہ اور صفیہ کرام میں سے ہیں اِن ہی کے ہاتھ پر توبہ کی تھی اور صورت اس کی یہ تھی کہ یہ موسےٰ کاظم بغداد میں ایک گھر کے پاس سے نکلتے تھے کہ وہاں سے گانے بجانے اور باجوں گاجوں کی آواز آئی. تھوڑی دیر کے بعد ایک لونڈی کوڑے کی ٹوکری لے کے باہر آئی اُسے دروازہ پر پھینک دیا آپ نے اُس سے پوچھا کہ اے لونڈی یہ صاحب خانہ غلام ہے یا آزاد وہ بولی نہیں بلکہ آزاد ہے آپ نے فرمایا تو سچ کہتی ہے اگر غلام ہوتا تو اپنے آقا سے ضرور ڈرتا پھر وہ لونڈی اندر گئی اُس کے آقا نے پوچھا. وہ اُس وقت شراب کی دستر خوان پر بیٹھا تھا کہ تو نے اتنی دیر کہاں لگائی لونڈی نے کہا مجھ سے ایک آدمی نے یہ یہ باتیں کہی ہیں اُسی وقت وہ ننگے پاؤں بھاگا گیا اور مولانا موسیٰ بن جعفر سے ملا. آپ کے ہاتھ پر توبہ کی فقط شیعی علماء کا قول یا عقیدہ ختم ہو گیا.

جواب: اول تو ہم اسے تسلیم نہیں کرتے کہ امامیہ نے اپنا مذہب اہل بیت سے لیا ہے نہ امامیہ نے اور نہ اور کسی نے بلکہ یہ حضرت علی اور ائمہ اہل بیت کے اُن تمام اصول میں مخالف ہیں جن میں یہ اہل سنت والجماعت کا خلاف کرتے ہیں ان کی توحید، عدل، امامت. تینوں کے مخالف ہیں کیونکہ حضرت

علی اور ائمہ اہل بیت کے نزدیک تو اللہ تعالے کی صفات تقدیر خلفاء ثلثہ کی خلافت حضرت ابوبکر اور عمر کی فضیلت وغیرہ بہت سے مسائل کا ثبوت ہے اور یہ سب کے سب شیعوں کے مذہب کے مناقض ہیں.

دوسرا جواب: یہ ہے پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ مسائل امامیہ یعنی صفات اور تقدیر وغیرہ اپنے دینی اصول کے مسائل میں شیعہ کا بہت ہی اختلاف ہے ایسا ان کا ایک قول بھی نہیں ہے جو ائمہ معصومین سے منقول ہو یہاں تک کہ مسئلہ امامت کی بابت اُن کا اضطراب مشہور ہے اسی طرح نص کی بابت بھی اُن کے بعض اختلافات پہلے مذکور ہو چکے ہیں. اس کے علاوہ امام منتظر میں بھی اُن کے بہت سے اقوال ہیں. بعض کہتے ہیں جعفر بن محمد زندہ ہیں. بعض کہتے ہیں کہ اُن کے صاحبزادہ زندہ ہیں بعض کہتے ہیں عبداللہ بن معاویہ زندہ ہیں. بعض کا اُن میں یہ بھی قول ہے کہ علی نے حسن اور حسین کو خاص کر دیا تھا. اور یہی لوگ محمد بن حنفیہ کو بھی وصی کہتے ہیں. یہی لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ علی بن حسین نے اپنے صاحبزادے ابی جعفر کو وصیت کر دی تھی. اور یہی یہ بھی کہتے ہیں، کہ اُنہوں نے اپنے بیٹے عبداللہ کو وصیت کر دی تھی یہ بھی اُن کا قول ہے کہ جعفر نے اپنے بیٹے اسماعیل کو وصیت کی تھی اسماعیل نے اپنے بیٹے محمد بن اسماعیل کو وصیت کر دی تھی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اُنہوں نے اپنے بیٹے عبداللہ کو وصیت کر دی تھی اور اُنہوں نے اپنے بیٹے موسیٰ کو وصیت کر دی تھی. غرض یہ کہ کچھ شیعہ تو نص کو محمد بن حسن تک پہنچاتے ہیں اور کچھ لوگ بنی میمون القداح تک جو اپنی جماعت میں حاکم تھا اور کچھ لوگ نص کو بنی ہاشم سے لیکر بنی عباس تک پہنچاتے ہیں اور یہ ممتنع ہے کہ ایسے متناقضہ اقوال امام معصوم سے ماخوذ ہوں لہذا اُن کا یہ قول باطل ہو گیا کہ اُن کے تمام اقوال معصوم سے ماخوذ ہیں.

تیسرا جواب: یہ ہے کہ ہم نے بفرض محال مان لیا کہ حضرت علی معصوم ہیں لیکن جب شیعوں میں اس قدر بے انتہاء اختلاف اور اتنا نزاع ہے تو یہ کس طرح معلوم ہو سکتا ہے. کہ یہ قول حضرت علی کا ہے اور پھر لطف یہ کہ ہر شخص اس کا مدعی ہے کہ جو کچھ میں بیان کرتا ہوں وہ میں نے معصوم ہی کے اقوال سے اخذ کیا ہے. اس کے علاوہ اُن کے پاس مشہور راویوں کی اسانید وغیرہ بھی نہیں ہیں. جیسی اہل سنت کے پاس ہیں تا کہ اُن کے پاس مشہور راویوں کی اسانید وغیرہ بھی نہیں ہیں. تا کہ اُن کی سندوں اور راویوں کے عادل ہونے کو ہم خود دیکھ بھال لیں بلکہ وہ محض منقولات اور ایسے لوگوں پر منقطع ہو جاتی

ہیں جن کا نقل میں کثرت کذب اور کثرت تناقض مشہور ہے تو پھر بھلا کوئی عاقل اس پر کس طرح اعتماد اور بھروسہ کرسکتا ہے اور اگر یہ نص کے تواتر کا دعوے کریں تو یہ دعوے اوروں کے دعوے سے معارض ہو جائے گا کہ وہ بھی ایسے ہی تواتر کے مدعی ہیں کیونکہ وہ تمام لوگ جو نص کے قائل ہیں جس وقت ایسا ہی دعوے کریں تو پھر دونوں دعووں میں کچھ فرق نہیں رہے گا۔ ان وجوہات سے علی کی عصمت کا ثبوت فرض کرنا ایک ایسا مذہب ہے جو ان سے ماخوذ نہیں ہے لہذا حضرت علی کی بابت اُن لوگوں کا محض دعوی عصمت کا کرنا بعینہ ایسا ہے جیسا مسیح کی بابت نصارے کا دعوے آلہیت ہے۔ حالانکہ یہ مذہب مسیح سے ماخوذ نہیں ہے۔

چوتھا جواب: یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے مذہب میں دو مقدموں کے محتاج ہیں ایک تو یہ کہ ائمہ میں سے جس کی طرف یہ اپنے کو منسوب کرتے ہیں اُس کی عصمت ثابت ہونی چاہیے دوسرے یہ کہ اس نقل کا اُس امام سے ثبوت ہونا چاہیے حالانکہ یہ دونوں مقدمے باطل ہیں کیونکہ مسیح معبود نہیں ہیں بلکہ وہ رسول کریم ہیں اور بفرض اِس کے وہ معبود ہوں یا رسول کریم ہوں اُن کا فرمانا حق ہے لیکن جو نصاریٰ کہتے ہیں یہ اُن کا فرمان نہیں ہے اسی طرح علی میں بھی مسیح کی مشابہت ہے کہ کچھ لوگ ان کا مرتبہ حد سے بڑھاتے ہیں کچھ حد سے زیادہ گھٹاتے ہیں علیٰ ہذا القیاس کی بابت کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ معبود ہیں اور دوسرے کہتے ہیں کہ یہ کافر اور ناجائز کی اولاد ہیں۔ اسی طرح حضرت علی کو بھی کچھ لوگ معبود بتاتے ہیں اور کچھ لوگ کافر ظالم کہتے ہیں۔

پانچواں جواب: یہ ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب امام حسن امام حسین، علی بن حسین اور اُن کے صاحبزادے محمد اور اور جعفر بن محمد کے مناقب اور فضائل اِس قدر ثابت ہیں کہ شیعی علماء نے بھی ذکر نہیں کیے برخلاف اس کے بہت سی ایسی جھوٹی باتیں ذکر کی ہیں۔ جو اپنے ناقل کی جہالت پر دلالت کرتی ہیں چنانچہ اُن کا یہ کہنا کہ ہل اتی ان ہی کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ حالانکہ باتفاق تمام علماء کے ہل اتی مکیہ ہے اور حضرت علی کا نکاح حضرت فاطمہؓ سے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ہوا ہے اور حضرت فاطمہ کی رخصت جنگ بدر کے بعد ہوئی ہے اور امام حسن ہجرت کے دوسرے سال اور امام حسین ہجرت کے چوتھے سال ہل اتی نازل ہونے سے کئی سال کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔ اب اُن

کا یہ کہنا کہ یہ سورت اُن ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے ایسا جھوٹ ہے کہ جسے قرآن شریف کے نازل ہونے اوران سادۃ الاخیار کے احوال کی کچھ بھی خبر ہواس سے یہ جھوٹ چھپ نہیں سکتا باقی رہی آیت طہارت اُس میں بھی اہل بیت کی طہارت اور اُن سے پلیدی رفع کرنے کو ثابت کرتا ہے کیونکہ اللہ کا یہ فرمانا اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا بعینہ اس آیت جیسا ہے مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلٰكِنْ يُرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ اور جیسی کہ یہ آیت ہے يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ. وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا. يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا. یعنی اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے لیے (اپنے) احکام صاف صاف ظاہر کردے اور جو (اچھے) لوگ تم سے پہلے (گزر چکے) ہیں ان کے طریقے تمہیں تعلیم کرے اور تم پر رحم کرے اور اللہ دانا (اور) حکمت والا ہے اور اللہ (تو) چاہتا ہے کہ تم پر رحمت (نازل) کرے اور جو لوگ (نفسانی) خواہشوں کے پیرو ہیں (یعنی کفار) وہ (کم بخت یہ) چاہتے ہیں کہ تم (راہ حق سے) بہت دور ہٹ جاؤ اور اللہ چاہتا ہے کہ تم (اگلی امتوں کی سختیاں دور کر کے دین کو تم پر) ہلکا کردے اور انسان کو کمزور پیدا (بھی) کیا گیا ہے ان آیتوں میں ارادہ امر، نہی، رضا. تینوں پائے جاتے ہیں کیونکہ یہ ارادہ وہ مشیت نہیں ہے جس میں وقوع مراد پائی جائے اگر اس میں وقوع مراد پایا جانا تسلیم کرلیا جائے گا تو جن لوگوں کی طہارت کا اللہ نے ارادہ کیا ہے وہ سب ظاہر ہوگئے ہوں گے یہ بات ان قدریہ شیعہ کے قول کے زیادہ مناسب ہے جن کے نزدیک اللہ تعالی وہ امر چاہ کرتا ہے جو ہوتا نہیں اور ہوتا وہ ہے جو وہ چاہتا نہیں. دیکھو اس آیت اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا کا مقصود یہ ہے کہ مامور کا کرانے اور ممنوع کے نہ کرانے کا تعلق ان کے ارادے اور افعال کے ساتھ ہے جس وقت یہ مامور کو کرلیں گے طاہر ہو جائیں گے نہیں کریں گے نہیں ہوں گے خود شیعہ بھی اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالے بندوں کے افعال پیدا نہیں کرتا نہ وہ اُن کی تطہیر کرسکتا ہے. ہاں جو لوگ تقدیر کے قائل ہیں اُن میں بعض کا قول یہ ہے کہ اللہ تعالے بندوں کے افعال بھی پیدا کرتا ہے اور تطہیر پر بھی

قادر ہے پس جس وقت وہ انہیں اُن امور کا کرنا جن کا انہیں حکم ہے اور اُن امور کو ترک کرنا جو اُن کے حق میں ممنوع ہیں الہام کردے گا تو طہارت وغیرہ حاصل ہو جائے گی. جس سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ یہ آیت ان امور میں سے ہے جن کا اہل بیت کو حکم تھا نہ کہ اُن میں سے جن کے وقوع کی اُن کو خبر دی گئی ہے ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت فاطمہؓ علی، حسن، حسین سب کو ایک چادر اُڑھا کر یہ دعا کی تھی کہ الٰہی یہ میرے اہل بیت ہیں تو ان کی پلیدی دور کر کے انہیں خوب پاک کر دے. اِس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں عائشہ صدیقہ سے نقل کیا ہے اور اہل سنن نے ام سلمہ سے نقل کی ہے مگر یہ حدیث دو طرح سے شیعوں کے قول کے خلاف پڑتی ہے. ایک تو یہ کہ حضور انور نے اُن کے لیے پاکی کی دعا مانگی اور یہ اس کی دلیل ہے کہ آپ نے اس کے وقوع کو نہیں بتایا کیونکہ اگر اُس کا وقوع ہو جاتا تو اُس کے ہو جانے پر حضور انور ﷺ اللہ کا ضرور شکریہ ادا کرتے اور اُس کی حمد و ثنا بیان کرتے محض دعا ہی پر نہ رہتے. دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ افعال عبادہ کا خالق اللہ ہی ہے اور اس آیت میں امر و نہی دونوں شامل ہیں. اب دیکھئے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ . وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا . وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا . يٰنِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا . وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا . وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا .

(الاحزاب۔۳۱ تا ۳۴) ترجمہ اے نبی کی بی بیو جو کوئی تم میں سے صریح برائی کرے گی تو اُس کے لیے دوہرا عذاب دوگنا کیا جائے گا اور یہ اللہ پر آسان ہے. اور جو کوئی تم میں سے اللہ اور اُس کے رسول کی تابعداری کرے گی اور نیک کام کرے گی ہم اُسے اُس (کے نیک کاموں) کا ثواب دوگنا دیں گے اور ہم نے (آخرت میں) اُس کے لیے عمدہ روزی تیار کر رکھی ہے اے نبی کی بی بیو اگر تم پر

پرہیزگاری کرو تم مثل کسی (معمولی) عورت کے نہیں ہو (بلکہ تمہارا بڑا مرتبہ ہے) پس تم تم (اجنبی مرد و سے) بات کرنے میں نرمی نہ کرو (اگر ایسا کروگی) تو جس کے دل میں بیماری ہے وہ (کچھ اور) آرزو کردے گا اور اچھی بات کہا کرو اور تم اپنے گھروں میں رہا کرو اور اگلی جاہلیت کے ظاہر کرنے کی مثل تم (اپنی زینت) ظاہر نہ کرو اور نماز پڑھا کرو اور زکوۃ دیا کرو اور اللہ کی اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو. سوا اس کے نہیں کہ اے (نبی کے) گھر والو اللہ چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی دور کردے اور تمہیں خوب پاک کرے اور اُن کو یاد کرو جو اللہ کی آیتیں اور حکمت (کی باتیں) تمہارے گھروں میں پڑھی جاتی ہیں. بے شک اللہ پاکیزہ باخبر ہے. یہ سیاق یعنی طرز بیان اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ امر و نہی ہے اور اس پر بھی دال ہے کہ حضور انور کی بی بیاں اہل بیت میں داخل تھیں کیونکہ سیاق مخاطبین ہی کے لیے ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ آیت لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ بی بیوں کے علاوہ اوروں کو بھی شامل ہو جیسے علی، فاطمہ، حسن، حسین یہاں اہل بیت کو مذکر صیغہ کے ساتھ ذکر کیا ہے تاکہ وہ مذکر و مؤنث دونوں پر یکساں دلالت کرے. علی وغیرہ اہل بیت ہونے میں ازواج مطہرات سے کچھ زیادہ خصوصیت نہیں رکھتے. اب رہی یہ بات کہ ان ہی کو چادر میں لے لینے کی خصوصیت کیا تھی تو اس کا مسجد قبے والی آیت ہے. چنانچہ ملاحظہ ہو. اس علی التقوی (یعنی بنیاد تقوے پر ہے. اس سے یہ ثابت نہیں ہوا کہ حضور انور کی مسجد کی بنیاد تقوی پر نہیں ہے. پس اللہ کا یہ فرمانا لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ. فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا. وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ. بسبب مسجد قبا ہی کے ہی لیکن باعتبار لفظ کے مسجد قبا کو بھی شامل ہوگا اور مسجد نبوی کو تو بدرجہ اولی شامل ہوگا علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ حضرت کی ازاوج مطہرات آل میں داخل ہیں یا نہیں اس میں دو قول ہیں یہ دونوں روایتیں امام احمد سے منقول ہیں لیکن اصح یہ ہے کہ ازواج مطہرات آل اور اہل بیت میں داخل ہیں. چنانچہ صحیحین کی روایت اس پر صریح دال ہے جیسا کہ حضور کا یہ قول ہے الهم صلی علی محمد وعلی ازواجه ذرية باقی اہل بیت کے موالی یعنی لونڈی غلام یہ ہے بالا اختلاف اہل بیت میں داخل نہیں ہیں. اسی طرح شیعی علماء کا محبت کو واجب کہنا غلط ہے کیونکہ صحیح میں سعید بن المسیب سے مروی ہے کہ ابن عباس سے کسی نے اس آیت کا

مطلب پوچھا کہ قُلْ لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبیٰ (یعنی اے نبی کہہ دو کہ میں تم سے اس (دین کی تبلیغ) پر کچھ اجرت نہیں مانگتا جس پر اسکی کے میرے ساتھ قرابت کی محبت کرو میں نے کہہ دیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ محمد کے قرابتیوں کے ساتھ محبت ضرور رکھو. اس پر ابن عباس بولے کہ تم نے جواب دینے میں جلدی کی اصل میں اُس کا مطالب یہ نہیں ہے کہ کیونکہ قریش میں کوئی بھی ایسا کنبہ قبیلہ نہ تھا جس سے رسول اللہ ﷺ کی کچھ قرابت داری نہ ہو. تو اس لیے اللہ تعالے نے فرمایا کہ اے نبی تم کہہ دو کہ میں تم سے اِس کی اجرت نہیں مانگتا سوائے اِس کے کہ مجھ سے محبت رکھو اُس قرابت میں کہ میرے تمہارے درمیان میں ہے ابن عباس اہل بیت کے بڑے لوگوں میں سے تھے اور قرآن شریف کی تفسیر میں سب سے زیادہ ماہر تھے یہ تفسیر اُن سے ثابت ہے اور یہی مطلب اصل معلوم بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالے نے **الا المودة لذی لقربی** نہیں فرمایا **الا المودة فی القربیٰ** فرمایا ہے کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے **ذوی القربیٰ** کا ارادہ کیا تو فرمایا وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَذِی الْقُرْبیٰ اور نہ **المودة فی ذی القربی** کہیں محاورہ میں آتا ہے بلکہ لوگ **المودة لذی القربی** بولتے ہیں. لہذا اب یہ مطلب کیونکر بنے گا حالانکہ اللہ نے قُلْ لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبیٰ فرمایا ہے اور یہ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور ﷺ اُجرت کا کبھی سوال نہ کرتے تھے بلکہ آپ کی اُجرت اللہ پر تھی لیکن اس آیت کے سوا اور دوسری دلیلوں کے باعث اور اہل بیت کے لیے ہمارا خبر گیری کرنا حضور کی مزدوری کی وجہ سے ہرگز نہ ہوتا تھا علاوہ اس کے یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ یہ آیت مکی ہے (یعنی ہجرت سے پہلے نازل ہوئی ہے) اور اُس وقت حضرت علی کی فاطمہ سے شادی بھی نہ ہوئی تھی. اور نہ کوئی اولاد تھی پھر یہ آیت اُن کے بارے میں کس طرح ہو سکتی ہے. باقی رہی آیت ابتہال اس کی نسبت صحیح بخاری میں یہ مروی ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو نبی ﷺ نے علی حسن حسین چاروں کے ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ ان کو لیکر مباہلہ کیا جائے گا. لیکن یہاں اُن کی خصوصیت آپ نے اِس لیے کی کہ ان کے سوا اور کوئی ان سے زیادہ قریب رشتہ دار نہ تھا کیونکہ اُس وقت آپ کا کوئی لڑکا ایسا نہ تھا جو اپنے پاؤں پر آپ کے ساتھ چلتا لیکن آپ حسن کی نسبت فرماتے تھے کہ یہ میرا بیٹا ہے اُس وقت سوائے فاطمہ کے اور بیٹی بھی

نہ رہی تھی کیونکہ یہ مباہلہ اُس وقت ہوا ہے کہ جب نجران کا وفد آیا اور یہ سب نصاریٰ تھے یہ قصہ فتح مکہ کے بعد بلکہ ۹ھ میں ہوا ہے اسی بارے میں آل عمران کے شروع کی آیتیں نازل ہوئی ہیں۔ اسی میں حج فرض ہوا ہے اور اسی کا نام سنۃ الوفود یعنی وفد کا سال ہے کیونکہ جب ۸ھ میں مکہ فتح ہوا تو ہر طرف سے وفود عرب حضور انور ﷺ کی خدمت میں آنے شروع ہو گئے تھے غرض یہ ہے کہ یہ آیت صرف اس قدر دلالت کرتی ہے کہ حضور انور کے ساتھ رشتہ کا سب سے زیادہ تعلق تھا لیکن یہ دلالت اس کی مقتضی نہیں ہے۔ کہ اُن میں سے فرد واحد تمام مسلمانوں سے افضل ہو اور نہ یہ کہ اُن سب سے اعلم ہو کیونکہ فضیلت تو کمال ایمان اور کمال تقویٰ سے ہوتی ہے نہ کہ قرابت نسب سے جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ (یعنی اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ اعزاز کے قابل وہ ہوتا ہے جو زیادہ متقی ہو۔ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ کتاب وسنت کے اعتبار سے سب سے زیادہ متقی صدیق اکبر ہی تھے۔ حضور انور سے متواتر ثابت ہے آپ نے فرمایا لو کنت متخذا من اھل الارض خلیلا لا تتخذت ابابکر خلیلا (یعنی روئے زمین کے تمام لوگوں میں سے کسی کو خلیل بنانا چاہتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا۔ اس کی مفصل بحث پہلے ہو چکی ہے۔

حضرت علی کا رات دن میں ایک ہزار رکعت پڑھنا: پھر شیعی علماء کی یہ نقل کرنا کہ حضرت علی رات دن میں ایک ہزار رکعت پڑھا کرتے تھے عجیب وغریب بات ہے اصل میں یہ اُن کی فضیلت اور واقعی حال سے بے خبری ہے اول تو اس لئے کہ یہ کوئی فضیلت نہیں ہے کیونکہ حضور انور ﷺ سے صحیح حدیث میں ثابت ہو چکا ہے کہ رات کو حضور انور ﷺ تیرہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے اور ایک اور صحیح حدیث میں یہ بھی ثابت ہے آپ نے فرمایا افضل القیام داؤد دکان ینکم نصف الیل ویقوم ثلثہ وینام سدسہ (یعنی رات کو نماز پڑھنے کا افضل طریقہ وہ ہے جس طرح داؤد نے کیا ہے آدھی رات تک سوئے اور رات کے تہائی حصہ میں نماز پڑھتے رہے اور چھٹے حصے میں پھر سو گئے) یہ بھی ثابت ہے کہ حضور انور ﷺ رات کو مرغ کی آواز پر اُٹھتے تھے۔ اور یہ بھی ثابت ہے آپ نے یہ خبر سنی کہ چند آدمی ایسا کہہ رہے ہیں ایک کہتا ہے کہ میں دن رات روزہ سے ہی رہا کروں گا اور افطار نہ کیا کروں گا دوسرا کہتا ہے کہ میں رات نماز ہی پڑھتا رہا کروں گا اور ذرا نہ سوؤں

گا. تیسرا کہتا ہے کہ میں کبھی گوشت نہ کھاؤں گا چوتھا کہتا ہے. میں کبھی شادی نہ کروں گا. حضور انور نے یہ خبریں سن کر انہیں بلا کے فرمایا کے یاد رکھو میں روزہ بھی رکھتا ہوں افطار بھی کرتا ہوں رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں سوتا بھی ہوں اور گوشت بھی کھاتا ہوں اور شادی بھی کر رکھی ہے. اب جو میری سنت اور میرے طریقہ سے منہ موڑے گا وہ میری اُمت میں سے نہیں ہونے کا. پھر ایک حدیث میں حضور انور سے مروی ہے. جب آپ نے عبداللہ ابن عمرو بن عاص کو یہ کہتے سنا جب تک میں زندہ رہوں گا دن کو ہمیشہ روزے رکھوں گا اور ساری رات نماز پڑھا کروں گا تو آپ نے اُن سے فرمایا کہ عبداللہ تم ایسا نہ کرنا کیونکہ اگر ایسا کرو گے تو نہ سونے کے باعث آنکھیں علیحدہ آشوب کر آئیں گی بدن میں جدا ناطاقتی آ جائے گی حالانکہ تمہارے ذمہ اللہ کا بھی حق ہے تمہارے نفس کا بھی حق ہے تمہارے ہمسایوں کا بھی حق ہے کہ وقت بے وقت اُن کا بھی کچھ کام وغیرہ کر دو اور تمہاری بیوی کا بھی حق ہے لہٰذا سب ہی کے حق ادا کرنے چاہئیں. خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہمیشہ ساری رات نماز پڑھنی مستحب نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے حضور انور کی ثابتہ سنت میں سے نہیں ہے اسی طرح ہمیشہ روزہ رکھنے کیونکہ روزے رکھنے کا افضل طریقہ وہ ہے. جس طرح داؤد علیہ السلام رکھتے تھے کہ ایک دن روزہ رکھا دوسرے دن نہ رکھا اور اسی طرح حضور انور سے جو اس بارے میں ثابت ہے وہ یہ ہے کہ حضور انور رات دن میں چالیس رکعت کے قریب پڑھتے تھے اور علی چونکہ حضور انور کی سنت سے بخوبی واقف اور آپ کی ہدایت کے انتہاء درجہ کے پیرو تھے اُن کی شان سے یہ بہت ہی بعید ہے کہ وہ ایسی مخالفت کرتے بفرض محال اگر ایسا ہونا ممکن بھی ہو تو ایک رات دن میں ہزار رکعتوں کا پڑھنا مع قیام اور تمام واجبات ادا کرنے کے ممکن نہیں ہے کیونکہ کھانا، سونا، گھر کے کاروبار، رعایا کے حقوق ادا کرنا وغیرہ ایسے ضروری امور ہیں کہ اُن میں معقول وقت صرف ہو جاتا ہے خواہ آدھا یا کچھ کم و زیادہ اور ایک گھنٹہ میں تو دو سو رکعت یا اُس کے قریب قریب پڑھی بھی نہیں جا سکتیں ہاں اگر کوئی کوے کی طرح ٹھونگیں مارنے لگے تو اُس کا کچھ ذکر نہیں ہے مگر حضرت علی سے یہ امید نہیں ہے کہ وہ منافقوں کی سی نماز پڑھتے ہوں کہ منافق سورج کے غروب ہونے کا انتظار دیکھتا رہتا ہے. جس وقت وہ ڈوبنے لگتا ہے تو جھٹ اُٹھ کر چار ٹھونگیں مار لیتا ہے. ذکر الٰہی بھی اُن میں قدرے قلیل ہی کرتا ہے حالانکہ حضور انور نے کوؤں کی سی ٹھونگیں مارنے

سے منع فرمایا ہے غرض ایسے امور حضرت علی کی طرف سے نقل کرنے اور کہنے والے کی جہالت پر دلالت کرتے ہیں. علاوہ ازیں تہجد کے ساتھ شب بیداری کرنا اور ایک رکعت میں قرآن شریف پڑھ لینا تو حضرت عثمان سے بھی ثابت ہے لہٰذا ان کا تہجد اور تلاوت قرآن اوروں سے بہتر ہے۔ علاوہ ازیں شیعی علماء کا یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد تمام مخلوق سے افضل علی ابن ابی طالب ہی تھے سو یہ محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے اگلے پچھلے مسلمانوں میں سے تمام مسلمانوں کا اس میں نزاع ہے.

پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ حضرت علی کو اللہ تعالے نے رسول اللہ ﷺ کا نفس بنا دیا تھا. چنانچہ فرمایا وانفسنا وانفسکم تو اسکا جواب یہ ہے کہ حدیث مواخاہ تو باطل اور موضوع ہے کیونکہ حضور انور نے خود اپنی کسی سے بھائی بندی کی ہی نہیں. اور نہ مہاجرین کی آپس میں کرائی نہ انصار کی ایک دوسرے سے کرائی. ہاں مہاجرین اور انصار کی آپس میں کرادی تھی۔ چنانچہ سعد بن ربیع اور عبدالرحمٰن بن عوف دونوں آپس میں بھائی کردیئے تھے اسی طرح سلمان فارسی اور ابوالدرداء آپس میں دونوں بھائی تھے جیسا کہ یہ صحیح حدیث ثابت ہے رہا اللہ کا یہ فرمانا وانفسنا وانفسکم سو یہ بعینہ ایسا ہے جیسا اللہ نے یہ فرمایا ہے. لَوْلَا اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا. (یعنی جب تم نے اس تہمت کو سنا تو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنے لوگوں پر بھلائی کا گمان کیوں نہ کیا) یہ آیت عائشہ صدیقہ کے افک کے قصہ میں نازل ہوئی ہے کیونکہ مومنین میں ایک آدمی نفس مومنین اور نفس مومنات سے ہوتا ہے اسی طرح اللہ کا یہ ارشاد ہے. فتوبو الی بارئکم فاقتلو انفسکم (یعنی تم سب اپنے اللہ کے سامنے توبہ کرو اور بعض بعض کو قتل کردے ایسا ہی اللہ کا یہ قول ہے۔ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَاءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ (یعنی اور وہ وقت یاد کرو کہ) جب ہم نے تم سے (اس بات کا) عہد لے لیا (تھا) کہ آپس میں خونریزیاں نہ کرنا اور نہ اپنے شہروں سے ایک دوسرے کو جلاوطن کرنا) یعنی بعض بعض کو نہ نکال دینا پس اس آیت میں انفس سے مراد اخوان (یعنی بھائی ہیں خواہ نسبی ہوں یا دینی. حضور انور نے حضرت علی سے فرمایا تھا کہ انت منی وانا منک (یعنی تم مجھ سے ہو اور میں تم سے) یہی اشعریین سے فرمایا تھا جس وقت اشعریین جنگ میں جاکر عاجز و ناچار ہوگئے یا مدینہ منورہ ہی میں اُن کا روپیہ پیسہ ختم ہوگیا تو

جو کچھ لوگوں کے پاس تھا سب ایک جگہ جمع کیا اور جمع کر کے برابر اُن میں تقسیم کر دیا اس وقت حضرت نے اُن کے حق میں فرمایا کہ هم منی و انا منهم (یعنی وہ مجھ سے ہیں اور میں اُن سے) اور یہ حدیث میں ہے اور پہلے دلیل بھی صحیح حدیث میں ہی ہے اور ایک صحیح میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت نے جلیب سے فرمایا کہ هذا منی و انا منه اس کا بھی ہم مفصل بیان کر چکے ہیں.

علیؓ و فاطمہؓ کی شادی: اب رہا حضرت علی کی حضرت فاطمہ کے ساتھ شادی کر دینا اس میں حضرت علی کی بیشک فضیلت ہے جیسا کہ حضور انور نے حضرت عثمان کے ساتھ اپنی دو صاحبزادیوں کی شادی کر دی تھی. لہٰذا یہی فضیلت عثمان کے لیے بھی ہے. اسی وجہ سے انکا کا نام ذی النورین تھا. اسی طرح حضور انور ﷺ نے ابوبکر و عمر کی صاحبزادیوں سے شادی کی تھی تو یہ اُن دونوں کے لیے فضیلت ہے غرض کہ خلفاء اربعہ سے حضور انور کا سمد ھیانہ تھا.

علیؓ کے معجزات: پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ حضرت علیؓ سے بہت سے معجزات بھی صادر ہوئے ہیں ایک تعجب خیز امر ہے شیعی علماء نے کرامات اولیاء کا نام معجزات رکھ لیا ہے. اہل سنت والجماعت میں ایسے صدہا لوگ ہیں جن سے صدور کرامت بیان کیا جاتا ہے. ہاں کہنے والے یہ کہتے ہیں کہ کرامات والوں میں علی کا مرتبہ بعض سے بڑھا ہوا ہے. اس کے علاوہ کرامتیں متواتر تو اہل سنت میں اُن عام لوگوں سے بھی اکثر صادر ہوئی ہیں جو ابوبکر و عمر کی فضیلت کے قائل ہیں لہٰذا علی سے کرامتوں کا ثابت ہونا کچھ تعجب انگیز امر نہیں ہے۔ باقی محض کرامات کے صادر ہونے میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو اس امر پر دلالت کرے کہ علی سب سے افضل ہیں۔ پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ بعض لوگ اُن کے معجزات کے باعث اُن کے رب ہونے کے مدعی ہوئے ہیں اور آپ نے ان کو قتل کر دیا ہے تو یہ مقولہ انتہاء درجہ کی جہالت کا ہے. جس کی چند دلیلیں ہیں ایک تو یہ کہ حضور انور ﷺ کے معجزات بہت بڑے بڑے ہیں لیکن اُن کی بابت کسی ایک صحابی نے بھی معبود ہونے کا دعویٰ نہ کیا. دوسری دلیل یہ کہ ابراہیم خلیل اور موسیٰ کے بھی بہت بہت بڑے معجزے ہیں حالانکہ انکی بابت بھی معبود ہونے کا کوئی مدعی نہ ہوا. تیسری دلیل یہ ہے کہ ہمارے نبی کے معجزے اور موسیٰ کے معجزے مسیح کے معجزوں سے بہت بڑے ہیں. لیکن ان دونوں کی بابت کسی نے بھی معبود ہونے کا دعویٰ نہ کیا جیسا کہ مسیح کی بابت دعویٰ کیا گیا ہے. چوتھی دلیل یہ ہے کہ

مسیح کی بابت معبود ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ محمد اور ابراہیم اور موسیٰ کی بابت یہ دعویٰ نہیں کیا گیا حالانکہ یہ دعویٰ اس پر دلالت نہیں کرتا کہ عیسیٰ ہی ان سب سے افضل تھے اور نہ اس پر کہ اُن کے معجزے ان سب سے بڑھے چڑھے تھے۔ پانچویں دلیل یہ ہے کہ ان دونوں کی بابت معبود ہونے کا دعویٰ کرنا جھوٹا دعویٰ ہے اور جھوٹا ہی دعویٰ نے اس کا مقابلہ کیا ہے یعنی مسیح کی بابت معبود ہونے کا دعویٰ کرنا جھوٹا دعویٰ اور علی کی بابت خوارج کا دعویٰ کیونکہ خوارج علی کو کافر کہتے ہیں۔ پس اگر یہ کہنا جائز ہو کہ ان کی بابت معبود ہونے کا دعویٰ محض شبہ قوی ہونے کی وجہ سے کیا گیا ہے تو یہ کہنا بھی جائز ہوگا کہ ان کی بابت کفر کا دعویٰ بھی شبہ ہی قوی ہونے کی وجہ سے کیا گیا ہے۔ اور یہ کہنا بھی جائز ہوگا کہ اُن سے اس قدر گناہ صادر ہوئے ہیں کہ ان کا مقتضی یہ تھا کہ خوارج ان کے باعث اُنہیں کافر کہیں۔ ساتھ ہی خوارج اُن لوگوں سے زیادہ عقلمند ہیں جو اُن کی بابت معبود ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ پس اگر ایسی باتوں سے حجتیں کرنی جائز ہوں اور یہ دعویٰ تعریف اور منقبت شمار کئے جائیں تو علی سے بغض رکھنے والوں اور خوارج کے دعوے اِن سے بہت ہی قوی ہوں گے علاوہ ازیں خوارج کو غالیہ رافضیوں سے کیا نسبت ہے۔ کیونکہ خوارج تو نماز۔ روزے اور تلاوت قرآن شریف میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں اور اُن کے بڑے بڑے لشکر اور عساکر ہیں اور وہ ظاہر اور باطن میں دین اسلام کے پیرو ہیں حالانکہ غالیہ رافضی جو معبود ہونے کے مدعی ہیں یا تو وہ سب سے زیادہ جاہل ہیں اور یا سب سے زیادہ کافر ہیں بلکہ غالیہ کے کافر ہونے پر تمام علماء شیعہ سنی کا اجماع ہے اور خوارج کو فقط وہی لوگ کافر کہتے ہیں اور نہ اُن میں کسی کو قتل کرنے کا حکم دیا جیسا کہ غالیہ کو جلا دینے کا حکم کر دیا تھا بلکہ آپ نے اُن سے جنگ بھی نہیں کی باوجودیکہ انھوں نے عبداللہ بن حباب کو قتل کر دیا تھا اور لوگوں کی کھیتیاں لوٹ لی تھیں پس علی اور تمام صحابہ اور علما کے اجماع سے یہ ثابت ہو گیا کہ غالیہ رافضیوں سے خوارج بدرجہا بہتر ہیں پس اگر شیعہ کیلئے یہ جائز ہو کہ وہ فرقہ غالیہ کے الٰہیت کے دعوے کو علی کی فضیلت پر حجت پیش کریں تو خوارج کیلئے بطریق اولیٰ یہ جائز ہوگا کہ وہ اُسی کو اُس کیخلاف پر حجت ٹھرائیں۔

حسن و حسین: باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ علی کے دونوں صاحبزادے رسول اللہ ﷺ کی اولاد اور اہل جنت کے جوانوں کے سردار تھے رسول اللہ ﷺ نے اُن کو امام فرمایا تھا وغیرہ وغیرہ۔ اس کا

جواب یہ ہے کہ جو صحیح حدیث میں حضور انور ﷺ سے بلا شک وشبہ ثابت ہے وہ یہ ہے کہ حضور انور ﷺ نے حسن کے حق میں یہ فرمایا تھا میرا یہ بیٹا سید ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کی بڑی دو جماعتوں میں صلح کرائے گا۔ حضور انور ﷺ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے انھیں اپنے زانوں پر بٹھالیا جبکہ دوسرے زانو پر اُسامہ بن زید بیٹھے ہوئے تھے اُس وقت آپ نے یہ دعا کی۔ اللھم انی اجھما واحب من یحبھا ۔ یعنی یا الٰہی مجھے ان دونوں سے محبت ہے اور اس سے بھی کہ جو ان دونوں سے محبت کرے) یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ حسن نے جو امامت لینے پر جنگ نہیں کی اور لوگوں میں صلح کرانے ہی کو مقصود سمجھا تو اُن کا یہ فعل محبوب یعنی اللہ اور اُس کے رسول ﷺ دونوں کو پسندیدہ تھا اور یہ مصیبت نہ تھی بلکہ مسلمانوں سے لڑنے سے زیادہ یہ نہ لڑنا ہی اللہ تعالی اور رسول ﷺ کو پسند تھا اسی وجہ سے ان سے اور اسامہ بن زید سے حضور ﷺ انور محبت بھی کرتے تھے اور یہی وجہ دعا کرنے کی بھی تھی۔ چنانچہ یہ دونوں فتنہ وفساد میں پڑنے کو بہت بُرا سمجھتے تھے۔ بن زید نے تو نہ کبھی علی کا مقابلہ کیا نہ امیر معاویہ سے کبھی لڑے علیٰ ہذا القیاس حسن بھی علی کو ہمیشہ جنگ نہ کرنے ہی کا مشورہ دیتے تھے اور یہ اس کے خلاف ہے جس پر شیعہ جمے ہوئے ہیں کہ یہ صلح ہی مصیبت اور بُرائی تھی اور یہی باعث ذلت تھی اور یہ کہ اگر وہاں امام معصوم ہوتے تو ہر ایک کے ذمہ اُنکی اطاعت کرنی واجب تھی اور جو اُن کے سوا والی ہو اُس کی ولایت باطل ہے یہ جائز نہیں ہے کہ اُس کے ساتھ ہو کر جہاد کیا جائے اور نہ اُس کے پیچھے نماز پڑھی جائے تو اس بنا پر امت محمدیہ ﷺ پر یہ صلح سب مصیبتوں سے بڑی مصیبت ہوتی۔ حالانکہ اس میں فساد دین لازم آتا ہے اور پھر اس بارے میں حسن کے لئے کونسی فضیلت رہے گی جس پر ان کی تعریف کی جائے ہاں غایت درجہ یہ نکلتا ہے کہ حسن کے ضعیف ہونے کی وجہ سے قتال واجب میں شامل ہونے سے اُنھیں معذور سمجھا جائے حالانکہ حضور انور ﷺ نے حسن کو صلح ہی کرانے میں سید اور محمود فرمایا ہے عاجز اور معذور نہیں فرمایا نہ حسن جنگ کرنے میں امام حسین سے زیادہ عاجز تھے بلکہ یہ اس میں ان سے کہیں زیادہ قوی تھے امام حسین نے تو یہاں تک جنگ کی جیسا کہ لوگوں کا بیان ہے کہ وہ خود بھی قتل ہو گئے۔ اب اگر جو کچھ حسین نے کیا ہے یہی افضل اور واجب تھا تو گویا حسن نے واجب کو ترک کیا اور یا اُس سے عاجز رہے اور اگر حسن ہی کا کرنا افضل اور صلح ہو گا تو یہ اُس

پر دلالت کرے گا کہ جنگ کا نہ کرنا ہی افضل اور اصلح تھا اور یہ کہ حسن نے جو کچھ کیا ہے وہ اللہ تعالی اور اُس کے رسول ﷺ کو اس سے زیادہ محبوب ہے۔ جو اُن کے سوا اوروں نے کیا۔ حضور انور ﷺ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے ان دونوں کو مع اُن کے والدین کے چادر کے نیچے کر لیا تھا اور یہ دعا کی تھی کہ الٰہی یہ میرے اہل بیت ہیں ان کی ناپاکی دُور کر کے اُنھیں خوب پاک کر دے اور یہ کہ آپ نے اُنھیں مباہلہ میں بھی بلایا تھا۔ اس کے علاوہ بھی اُن کے فضائل بہت سے ہیں گو ہم یہ مانتے ہیں کہ سادات مومنین کے بڑے لوگوں میں سے تھے لیکن ان دونوں کا اپنے زمانہ کے تمام لوگوں سے زیادہ زاہد اور عالم ہونا محض قول بلا دلیل ہے۔ اس کی دلیل ضرور ہونی چاہئے۔

حسن حسین کا جہاد: باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ ان دونوں نے راہِ اللہ تعالیٰ میں جہاد کرنے کا یہاں تک حق ادا کیا کہ خود بھی شہید ہو گئے یہ اُن پر محض اتہام ہے کیونکہ حسن نے تو اس کام سے خود علیحدہ ہو کر خلافت امیر معاویہ کو سونپ دی تھی باوجودیکہ اُن کے ساتھ بہت سے لشکر تھے لیکن اُنھوں نے مسلمانوں سے لڑنا پسند نہ کیا اُن کے فضائل میں اس قسم کے امور متواتر ہیں باقی رہی اُن کی موت بعض کا قول یہ ہے کہ یہ زہر دے کر مارے گئے ہیں اور یہی اُن کے لئے شہادت اور اُن کے حق میں کرامت ہے اگر اس تخیل کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو پھر یہ ماننا تو ضرور پڑے گا کہ وہ جہاد کرتے ہوئے میدان جنگ میں تو نہیں مارے گئے۔ اب رہے حسین۔ انھیں جب اس بات کا علم ہو گیا کہ لوگ میرا دینگے تو وہ کربلا پہنچے لیکن جب یہ خبر ہوئی کہ جنھوں نے ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا وہ پھر گئے تو آپ قسطنطنیہ تشریف لے گئے۔ اور خلاف شریعت لڑ کے جان نہ دی جس سے ہم آئندہ ثابت کر دینگے۔ انشاء اللہ۔ باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ حسن اپنے فاخرانہ لباس کے نیچے اونی کپڑا کمبل وغیرہ پہنتے تھے تو اُن کا یہ قول اسی قسم کا ہے جیسا علیؓ کی بابت کہا تھا کہ وہ ہزار رکعت نماز پڑھا کرتے تھے کیونکہ اس میں کوئی فضیلت کی بات نہیں ہے بلکہ محض غلط ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر سوت وغیرہ کے کپڑوں کے نیچے اُونی کپڑوں کے پہننے میں کوئی فضیلت ہوتی تو حضور انور اپنی امت کے لئے ضرور مشروع کر دیتے یا فرما دیتے یا خود کرتے۔ نہ حضور انور کے زمانہ میں آپ کے کسی صحابی نے کیا اور نہ اس کی آپ نے رغبت ظاہر فرمائی تو اُس سے معلوم ہو گیا کہ اس میں کسی طرح کی فضیلت نہیں ہے لیکن ہاں حضور

انورﷺ نے سفر میں کپڑوں کے اوپر اونی جبہ پہنا ہے. اب رہا اونی کپڑے پہننا اور سوتی وغیرہ نہ پہننا. ہماری شریعت میں یہ مستحب نہیں ہے اور نہ حضور انورﷺ کی یہ ہدایت ہے کسی نے محمد بن سیرین سے کہا تھا کہ ایک فرقہ کے لوگ صرف اُونی کپڑا پہنتے ہیں اور وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ مسیح اُونی کپڑا پہنتے تھے اس پر آپ نے یہ فرمایا کہ اوروں کے طریقے سے ہمارے نبی کا طریقہ زیادہ بہتر اور پسندیدہ ہے پھر علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ حضر میں بلا ضرورت اونی کپڑا پہننا مکروہ ہے یا نہیں ہاں سفر میں اس کا پہننا نہایت عمدہ ہے کیونکہ وہاں اُس کی ضرورت ہونے کا خیال ہے کہ شاید کہیں سردی یا بارش وغیرہ کی تکلیف ہونے لگے پھر اس تقدیر پر کہ آپ نے محض اطاعت اور قربت الٰہی کے لئے اونی کپڑا پہنا ہو تو خاکساری کے لئے اُس کا ظاہر کرنا کپڑوں کے نیچے پہن کر چھپانے سے بہتر ہے کیونکہ کپڑوں کے نیچے پہننے میں تو سوائے اپنی جان کو بلا فائدہ تکلیف دینے کے اور کوئی بھی نفع نہیں ہے حالانکہ اللہ تعالی نے اپنے بندوں پر وہی امر فرمایا جس میں اللہ تعالی کی زیادہ اطاعت ہو اور بندوں کا اس میں بے انتہا نفع ہو ایسی تکلیف کا اُنھیں حکم نہیں فرمایا جس میں اُن کا کوئی نفع نہ ہو. حضور انورﷺ نے تو یہ فرمایا ہے کہ **انالـلّٰـه غنی عن تعذیب هذ انفسه** یعنی اللہ تعالی کو اس کی ضرورت نہیں ہے کہ کوئی اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالے).

حسین و ابرہیم: پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ ایک دن نبیﷺ نے حسین کو اپنی دائیں ران پر بٹھایا اور آپ کے صاحبزادے ابراہیم آپ کی بائیں ران پر تھے اسی وقت جبریل نازل ہوئے اور حضور انورﷺ سے یہ کہا کہ اللہ تعالی ان دونوں کو آپ کے پاس رکھنا نہیں چاہتے. لہٰذا آپ ان میں سے ایک کو پسند فرما لیجیے اُس وقت حضور انورﷺ نے فرمایا کہ اگر حسین مر گئے تو مجھے اور علی اور فاطمہ تینوں کو صدمہ ہوگا اور اگر ابراہیم فوت ہوئے تو مجھ ہی پر صدمہ گزرے گا اس خیال سے آپ نے ابرہیم ہی کا فوت ہونا اختیار کر لیا۔ چنانچہ تین ہی دن کے بعد پھر وہ اللہ کو پیارے ہو گئے اور اُس کے بعد پھر یہ حالت رہی کہ جب کبھی حسین آپ کے سامنے آتے تو آپ یہ فرماتے مرحبا ہو ایسے آدمی کو جس پر میں نے اپنا بیٹا ابراہیم قربان کر دیا. فقط۔

جواب: اس حدیث کو علماء میں سے کسی نے بھی نقل نہیں کیا نہ اس کی کوئی سند مشہور ہے نہ حدیث کی

کتابوں میں کہیں اس کا پتہ چلتا ہے نہ کوئی اس کی اسناد کو پہچانتا ہے اور شیعی علماء نے بھی نہ کوئی اس کی سند ذکر کی اور نہ کسی حدیث کی کتاب کا حوالہ دیا بلکہ اُنھوں نے اپنی عادت کے مطابق بلا زم احادیث سائبہ کی طرح نقل کر دیا حالانکہ یہ سب جانتے ہیں کہ احادیث منقولہ کے سچے جھوٹے ہونے میں تمیز ہو ہی نہیں سکتی بلا اُن طریقوں کے جو اُس پر دلالت کیا کرتے ہیں ورنہ محض نقل کا دعویٰ کرنا بمنزلہ باقی اور دعوؤں کے ہے اس کے علاوہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ باتفاق تمام محدثین کے یہ حدیث جھوٹی بنائی ہوئی ہے بلکہ یہ جہلا کی حدیثوں سے ہے کیونکہ اس حدیث کے مقتضا پر ابراہیم اور حسین دونوں کے جمع کرنے اور دنیا میں رہنے دینے میں اللہ کے ہاں کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہے جو حسن اور حسین کے جمع کرنے میں ہے. لہٰذا حسن کا جینا ابراہیم کے جینے سے بڑا درجہ رکھتا ہے. کیونکہ جب حسن یا حسین کی موت ابرہیم کی موت سے زیادہ کی بات تھی تو حسن کا جینا بھی ابراہیم کے جینے سے بڑا ہی درجہ رکھتا ہوگا حالانکہ حسن مع حسین کے زندہ رہے علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ کا حق اوروں کے حق سے بڑا ہے اور علی خود بھی یہ جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ مجھ سے اولیٰ ہیں چنانچہ وہ اپنی جان سے زیادہ آنحضرت ﷺ سے محبت رکھتے تھے پس اِس بنا پر اگر ابراہیم فوت ہوئے تھے تو حضرت علیؓ کو اپنے بیٹے کے صدمہ سے زیادہ نبی ﷺ کی وجہ سے ابراہیم کا صدمہ ہونا چاہئے تھا. ہاں اِس کے جواب میں کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ بیٹے کی فطری محبت ہوتی ہے وہ نہیں ٹل سکتی تو بس یہی جواب حضور انور ﷺ کی محبت میں بھی موجود ہے. چنانچہ جس وقت ابراہیم فوت ہوئے. حضور انور ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور دل غم کے مارے چور ہو رہا تھا اُس وقت آپ یہ فرماتے جاتے تھے کہ اے ابراہیم مرضی مولیٰ میں ہم دم نہیں مار سکتے لیکن ہمیں تمھاری وجہ سے صدمہ بہت ہے. صحیح حدیث میں اسی طرح کہنا مستحب آیا ہے تو اس صورت میں آپ اُن کی موت کو کیونکر اختیار کر کے دوسروں پر قربان کر سکتے تھے اس کے علاوہ کیا یہ جائز ہے کہ ایک معصوم بے گناہ بچہ دوسرے معصوم بچہ پر قربان کر دیا جائے بلکہ اگر یہ جائز بھی تھا تو اس کا عکس ہونا اولیٰ تھا کیونکہ اگر کسی کے پاس فقط اتنا ہی خرچ ہے کہ یا تو بیٹے کو پرورش کر لے یا نواسے کو تو باتفاق تمام مسلمانوں کے بیٹے ہی کا پرورش کرنا واجب ہے کیونکہ بیٹا ہر طرح نواسے سے مقدم ہے اور اگر موت یا کسی صدمہ کا دفع کرنا بلا بیٹا یا نواسا دیئے ممکن ہی نہ ہو تو اس صورت میں بیٹے

ہی کو بچانا مشروع ہے خاص کر اس صورت میں کہ کرامت کا دارومدار یہ لوگ حضور انور ﷺ کی قرابت ہی کو سمجھتے ہیں اور حضرت علی کے فضائل میں اعلیٰ حضور انور ﷺ کی قرابت ہی کو شمار کرتے ہیں. اسی طرح حسن اور حسین کے حق میں بھی یہی سمجھتے ہیں. یہ سب کو معلوم ہے کہ بیٹا سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے اب اقرب پر بھلا ابعد کیونکر مقدم ہو جائیگا کیونکہ سبب تو فقط قرابت ہی ہے انسؓ بن مالکؓ نے فرمایا ہے کہ اگر حکم الٰہی یہ ہوتا کہ نبی ﷺ کے بعد بھی نبی ہو تو صاحبزادے ابراہیم یقیناً زندہ رہتے لیکن اوروں کا اس امر میں اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں ہے جس کو اللہ تعالیٰ نبی بنادے تو اُس کا بیٹا بھی نبی ہوگا علاوہ ازیں یہ کیوں ہوا کہ ابراہیم حسین پر فدا کئے گئے اور حسن پر فدا نہ کئے گئے حالانکہ صحیح حدیثیں اس پر دال ہیں کہ ان دونوں میں حسن ہی افضل تھے اور اسی پر تمام اہل سنت اور شیعہ کا اتفاق بھی ہے ایک صحیح حدیث میں یہ مروی ہے کہ حضور انور ﷺ نے حسن کے حق میں یہ دعا کی تھی الٰہی مجھے اس سے محبت ہے اور تو بھی اس سے محبت کر اور اُس سے بھی محبت کر جو اس سے محبت کرے تو اُن پر ابراہیم کیوں فدا کئے گئے جن سے محبت رکھنے والوں کے حق میں بھی حضور انور ﷺ نے اللہ کے محبت رکھنے کی دعاء کی.

علی بن حسین : یہ علم اور دین میں بڑے تابعین اور سادات میں سے تھے انھوں نے اپنے والد ابن عباس مسور بن مخرمہ. نبی ﷺ کے مولی. ابو رافع اور امہات المومنین یعنی عائشہ صدیقہ. ام سلمہ صفیہ اور مروان بن الحکم. سعید بن المسیب. عبداللہ بن عفان اور عائشہ کے مولی ذکون وغیرہ سے علم حدیث حاصل کیا تھا اور ان سے ابوسلمہ. بن عبدالرحمٰن یحیی بن سعید انصاری زہری. ابوازناد. زید بن اسلم یا اُن کے بیٹے اور ابو جعفر نے حدیثیں روایت کی ہیں. یحیی بن سعید کا قول ہے کہ مدینہ منورہ میں میں نے جتنے بھی ہاشمی دیکھے ہیں ان سب میں یہی افضل تھے. محمد بن سعد نے طبقات میں کہا ہے کہ علی بن حسین ثقہ مامون کثیر الحدیث عالی رفیع آدمی تھے اور حماد بن زید سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں نے علیؓ بن حسینؓ سے سنا ہے کہ جتنے ہاشمیوں سے میری ملاقات ہوتی ہے ان سب میں یہی افضل تھے کہتے تھے کہ اے لوگو تم ہم سے اسلامی محبت رکھو اور تمھیں ہم سے ہمیشہ محبت رہے گی یہاں تک کہ پھر وہ ہم پر عاری ہو جائے گی سیبہ بن لقاسہ کہتے ہے کہ علی بن حسین دینے میں بخل کیا کرتے تھے لیکن جب

اُن کا وصال ہو گیا تو لوگوں کو معلوم ہوا کہ آپ مدینہ منورہ میں در پردہ سو (۱۰۰) اہلبیت کو کھانا دیتے تھے. غرض کہ خشوع خضوع اور پوشیدہ صدقہ کرنا وغیرہ ان میں ایسے فضائل تھے کہ جو مشہور ہیں. یہاں تک کہ یہ اپنی صلاحیت اور دین کی وجہ سے اکابر کی مجلسوں سے بھی علیحدہ رہتے تھے اور عمر فاروق کے مولیٰ زید بن اسلم کی مجلس میں بیٹھا کرتے تھے یہ زید بھی تابعین میں بڑے اہل علم اور اہل دین میں سے تھے لوگ علی بن حسین سے طعنہ کے طور پر کہتے کہ تم اپنے لوگوں کی مجلسیں چھوڑ کر اس کی مجلس میں جاتے اور بیٹھتے ہو آپ فرماتے کہ ہاں ہر آدمی وہیں بیٹھتا ہے جہاں اپنے دل کی صلاحیت اور صفائی پاتا ہے. باقی شیعی علماء کا یہ بیان کہ آپ ایک ہزار رکعت پڑھا کرتے تھے. اس پر ہم پہلے مفصل بحث کر چکے ہیں کہ یہ ممکن ہی نہیں ہے ہاں ایسے طریقہ پر جس کی شریعت میں بُرائی آئی ہے لہٰذا ایسے لوگوں کے مناقب میں ایسے امور ذکر کرنا مناسب ہی نہیں ہے. اسی طرح وہ امور بھی جو اُنھوں نے ذکر کئے ہیں کہ ان کا نام رسول ﷺ نے سید العابدین رکھا تھا یہ بھی ایسی بات ہے کہ اس کی کچھ اصل نہیں نہ اہل علم اور اہل دین میں سے کسی نے اسے نقل کیا.

امام باقر: اسی طرح ابو جعفر محمد بن علی بھی بہترین علماء اور اہل دین میں سے تھے. بعض کا قول ہے کہ اُن کا نام باقر اسی لئے ہوا تھا کہ اُنھوں نے علم کو بہت پھیلایا تھا نہ اس لئے کہ اُنھوں نے سجدے کر کر کے اپنی پیشانی کو زخمی کر لیا تھا باقی اُن کا اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ عالم ہونا اس کے ثبوت کے لئے دلیل کی ضرورت ہے. کیونکہ زہری ان ہی کے ہم عمروں میں سے ہیں حالانکہ وہ لوگوں کے نزدیک ان سے بڑے عالم تھے. حضور انور ﷺ سے اُن کا نام باقر نقل کرنا اہل علم کے نزدیک اس کی بھی کوئی اصل نہیں ہے بلکہ یہ موضوع حدیثوں میں سے ہے. اسی طرح جابر کا انھیں حضور انور ﷺ کی طرف سے سلام پہنچانا بھی محدثین کے نزدیک احادیث موضوعہ میں سے ہے ہاں اس حدیث کے سوا اور حدیثیں انھوں نے جابر بن عبداللہ سے روایت کی ہیں جیسا کہ غسل اور حج وغیرہ کی بابت جو احادیث صحیحہ میں سے ہیں. والد علی بن حسین کے ساتھ جابر کے بوڑھے ہو جانے کے بعد اُن کے پاس گئے تھے. ابو جعفر نے جابر اور انس بن مالک سے علم حدیث حاصل کیا ہے اور صحابہ میں ابن عباس ابی سعید خدری، ابو ہریرہ وغیرہ سے بھی روایت کی ہے. سعید بن المسیب. محمد بن حنفیہ. عبداللہ بن ابی رافع علی کے

محرر سے بھی روایت کی ہے۔اور اس سے ابو اسحاق ہمدانی۔عمرو بن دینار۔زہری۔عطاء بن ابی رباح۔ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن۔اعرج جو عمر میں اُن سے بڑے تھے اور ان کے صاحبزادے جعفر۔ابن جریج۔یحییٰ بن ابی کثیر۔اوزاعی وغیرہ نے حدیثیں روایت کی ہیں۔

جعفر: آپ بھی بہترین علماء اور دین دار لوگوں میں سے تھے آپ نے اپنے نانا اپنی والدہ ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق کے والد سے علم حاصل کیا تھا اور محمد بن منکدر۔نافع مولی بن عمر۔زہری۔عطاء بن ابی رباح وغیرہ سے بھی حدیث سیکھی تھی اور اُن سے یحییٰ بن سعید انصاری مالک بن انس سفیان ثوری سفیان بن عیینہ ابن جریج شعبہ یحییٰ بن سعید القطان۔حاتم بن اسماعیل حفص بن غیاث۔محمد بن اسحاق بن بشار نے حدیثیں روایت کی ہیں۔عمرو بن ابی المقدم کہا کرتے تھے جس وقت جعفر بن محمد کو دیکھتا ہوں تو معاً مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ بقیہ انبیاء میں سے ہیں۔باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ یہ ریاست کولات مار کے عبادت میں مشغول ہو گئے تھے۔یہ بات عقائد امامیہ کے بالکل خلاف ہے۔کیونکہ اُن کے نزدیک امام پر واجب ہے کہ وہ ریاست پر قائم رہے وجہ اس کی یہ ہے کہ اُس کے وقت میں اور کوئی امام نہیں ہوتا تو اب ان کے خیال کے مطابق اگر یہ واجب تھا تو نوافل عبادات میں مشغول ہونے سے حکمرانی کرنا بہتر تھا۔اب رہا شیعی علماء کا یہ دعویٰ کرنا کہ جعفر صادق ہی نے فقہ امامیہ کے بالکل خلاف ہے کیونکہ اُن کے نزدیک امام پر واجب ہے کہ وہ ریاست پر قائم رہے وجہ اس کی یہ ہے کہ اُسکے کے وقت میں اور کوئی امام نہیں ہوتا تو اب اُن کے خیال کے مطابق اگر یہ واجب تھا تو نوافل عبادات میں مشغول ہونے سے حکمرانی کرنا بہتر تھا۔اب رہا شیعی علماء کا یہ دعویٰ کرنا کہ جعفر صادق ہی نے فقہ امامیہ معارف حقیقیہ اور عقائد یقینیہ کو پھیلایا ہے اس میں دو باتیں پائی جاتی ہیں یا تو یہ کہ اُنھوں نے علم میں وہ امور ایجاد کیے ہوں جو اُن سے پہلے لوگ نہ جانتے تھے اور یا یہ کہ اُن سے پہلے لوگوں نے اِس علم کے شائع کرنے میں کوتاہی اور تصور کیا ہو جس کا شائع کرنا واجب تھا اور کیا کسی عاقل کو اس میں شک ہو سکتا ہے کہ معارف حقیقیہ اور عقائد یقینیہ حضور انور ﷺ نے اپنی امت کے لئے کامل طور پر نہیں بیان فرمائے اور یہ کہ آپ سے آپ کے صحابہ نے حاصل کر کے تمام مسلمانوں کو نہیں پہنچائے اس سے یا تو امام جعفر پر اعتراض لازم آتا ہے اور یا اُن لوگوں پر۔لہٰذا یہ کہنا ٹھیک نہیں

ہے بلکہ سب سے بڑا اتنی جھوٹی باتیں تو اُن کے اب وجد کے بھی سر نہیں منڈھی گئیں. وہ بیچارے اُن جھوٹی باتوں سے بری الذمہ ہیں مثلاً اُن پر یہ بہتان اُٹھایا گیا ہے کہ کتاب البطاقہ اُن ہی کی تصنیف سے ہے اور وہ نجوم اور جفر میں ید طولیٰ رکھتے تھے اُس کے علاوہ حقائق التفسیر میں ابوعبدالرحمن نے اُن سے وہ وہ جھوٹی باتیں نقل کی ہیں جن سے اللہ نے اُنھیں منزہ رکھا ہے اور یہاں تک کہ اگر کوئی شخص ان جھوٹی باتوں کی تحقیق کرنی چاہے تو وہ ان کو امام جعفر ہی کی طرف منسوب کریگا بلکہ کچھ لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ رسائل اخوان الصفا ان، ہی کی ماخوذ سے ہے. جس کی بابت ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں. امام جعفر کا انتقال ۱۴۸ھ ہجری میں ہوا ہے اور یہ رسالے قریب قریب دوسو سال کے بعد تصنیف ہوئے ہیں یعنی یہ اُس وقت تصنیف ہوئے ہیں کہ جب ۳۵۰ھ ہجری میں سے بھی کچھ زیادہ میں دولت اسماعیلیہ باطنیہ کا ظہور رہا ہے جو بنو قاہرہ معزیہ کہلاتے تھے اور اس زمانہ میں یہ رسالے اُس مذہب ہی کے ظاہر ہونے کے سبب تصنیف کئے گئے ہیں کہ جو ظاہر میں مذہب رفض تھا اور باطن میں کفر محض. یہ لوگ اتباع شریعت پر غالب آ گئے حالانکہ اُن کے باطن اُن کے ظاہر کے بالکل خلاف تھے باطن میں یہ لوگ فلاسفہ کا مذہب رکھتے تھے اور اسی کے مطابق یہ رسالے وضع کئے گئے. ان رسالوں کو چند حفلسفہ مشہور لوگوں نے تصنیف کیا تھا غرضکہ یہ قصہ ۳۰۰ھ ہجری کے بعد چوتھی صدی کے شروع میں ہوا ہے.

موسیٰ بن کاظم شیعی علماء فرماتے ہیں کہ ابو حاتم رازی نے کہا ہے یہ ثقہ امین بڑے سچے ائمہ مسلمین میں سے تھے۔

جواب: موسیٰ مدینہ منورہ میں ۱۲۰ھ ہجری کے کچھ دن بعد میں پیدا ہوئے ہیں. اول اول خلیفہ مہدی نے اُنھیں بغداد لے جا کر پھر مدینہ پہنچا دیا تھا ہارون رشید کے زمانہ تک یہ مدینہ ہی میں رہے پھر ہارون رشید عمرہ سے واپس آتے ہوئے موسیٰ کو اپنے ہمراہ بغداد لے گئے اور وہاں قید کر دیا آخر وقت وفات تک یہ قید خانہ میں رہے. ابن سعد کہتے ہیں کہ ان کی وفات ۱۸۳ھ ہجری میں ہوئی ہے ان کی ایسی کچھ زیادہ روایتیں نہیں ہیں. انھوں نے فقط اپنے والد جعفر سے روایت کی ہے اور ان سے ان کے بھائی علی نے ترمذی اور ابن ماجہ میں نقل کی ہے. لیکن موسیٰ کے بعد پھر اہل بیت میں سے کسی نے کوئی ایسا علم نہیں سیکھا جس کی خبریں مشہور کتابوں اور تواریخ میں مذکور رہوں ہاں ان تینوں کی حدیثیں

صحاح ستہ۔ سنن اور مسندوں میں پائی جاتی ہیں، اور اُن کے فتوے بھی اُن کتابوں میں ملتے ہیں جو فتاوی سلف کے بارے میں تصنیف کی گئی ہیں جیسا کہ ابن مبارک۔ سعید بن منصور۔ عبدالرزاق ابی بکر بن شیبہ وغیرہ کی کتابیں۔ لیکن اُن کے بعد اُن کی اولاد میں سناٹا رہا۔ نہ اُن کی کوئی روایت کسی حدیث کی بابت ہے نہ اُن مشہور کتابوں میں جو سلف کے فتاوے کے بارے میں تصنیف کی گئی ہیں اُن کا کوئی فتوی ہے نہ اُن کی کوئی تفسیر ہے۔ نہ اور کچھ ہے نہ اُنکے کہیں کچھ اقوال مشہور ہیں ہاں اُن کے بعض فضائل اور محاسن ایسے ہیں جنکے یہ اہل تھے موسیٰ بن جعفر عبادت اور زہد میں بیشک مشہور تھے۔ مگر وہ حکایت مشہورہ جو شقیق بلخی سے مروی ہے یہ بالکل جھوٹی ہے کیونکہ موسیٰ بن جعفر کے حسب حال یہ حکایت ہرگز نہیں ہوسکتی اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اپنے والد جعفر کے انتقال کے بعد مدینہ ہی میں رہتے رہے جعفر کا انتقال ۱۴۸ھ میں ہوا تھا اور یہ اُس وقت تک عراق کی طرف بھی نہیں گئے تھے بھلا پھر کیونکر ہوسکتا ہے کہ قادسیہ میں پہنچتے اور باوجود اس قدر مشہور ہونے کے تن تنہا وہاں اُترتے اُنھیں تو بہت سے امور درپیش تھے مثلاً ملک گیری میں یہ متہم تھے اور اُن پر بغاوت کر دینے کا شبہ تھا اسی وجہ سے اول مہدی نے پھر ہارون رشید نے اُنھیں ماخوذ کر کے بغداد پہنچا دیا تھا اب رہا یہ کہ بشر حافی نے اُن ہی کے ہاتھ پر توبہ کی تھی یہ بھی محض جھوٹ ہے۔ موسیٰ بن جعفر کو جس وقت ہارون رشید عراق لے گیا تو اُس نے فوراً انھیں قید کر دیا اتنی مہلت کہاں تھی کہ یہ بشر کے یا اور کسی کے مکان پر چلے جاتے۔

علی رضا: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ اُن کے صاحبزادے علی رضا ہیں جو اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ زہد اور سب سے بڑے عالم تھے۔ بہت سے مشہور فقہاء نے اُن سے علم تحصیلا تھا۔ مامون کو جس وقت اُن کا کمال اور فضل معلوم ہوتو اُس نے اُنھیں حاکم کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ سکہ بھی اُن ہی کے نام کا چلتا تھا اہل آفاق کے نام حکم نامے بھیج دیئے تھے کہ سب اُن سے بیعت کریں اور اُن کے میلے کچیلے کپڑے پھکوا کر سبز لباس زیب تن کرا دیا تھا۔

جواب: افسوس ہے کہ ہمارے دوست شیعہ ایسے الفاظ سے اُن کی تعریف کرتے ہیں جو در حقیقت تعریف نہیں ہوتی اور ایسے ایسے دعوے گھڑتے ہیں جن کی کوئی دلیل نہیں ہوتی اور ایسی ایسی باتیں بیان کرتے ہیں کہ اگر ان حضرات کی فضیلت شیعوں کے کلام کے سوا اور کسی کے کلام سے کسی کو معلوم نہ

ہوتو اُن کی مصنوعی تعریفیں ہمیشہ کے لیے اُن کے واسطے ہجو بلیغ بن جائیں. علی بن موسیٰ کے مشہور محاسن اور مکارم اور وہ تعریفیں ہیں جو اُن کی حالت کے مناسب اور لائق ہیں جنہیں اہل معرفت بخوبی جانتے ہیں لیکن شیعی علماء نے ابھی تک اُن کی ایک فضیلت بھی دلیل کے ساتھ ذکر نہ کی باقی رہا اُن کا یہ کہنا کہ وہ اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ زاہد اور سب سے بڑے عالم تھے محض دعوے بلا دلیل ہی ہے جو شخص کسی کی تعریف کرنے میں حد سے زیادہ بڑھ جائے وہ ایسے ہی دعوے کیا کرتا ہے سب جانتے ہیں کہ اُن کے زمانہ میں ایک نہیں بلکہ بہت سے لوگ ایسے تھے جو علم اور زہد میں اُن سے بدرجہا بڑھے ہوئے تھے. جیسے امام شافعی، اسحٰق بن راہویہ، احمد بن حنبل اشہب بن عبدالعزیز ابوسلیمان دالانی معروف کرخی اور اُن کے امثال کے علاوہ ازیں محدثین میں سے کسی نے بھی اُن سے کچھ نہیں سیکھا نہ حدیث کی کتابوں میں اُن کی کوئی روایت نقل کی ہاں ابوصلت ہروی وغیرہ نے ان کی ایسی جھوٹی باتیں نقل کی ہیں کہ خدا تعالے صادقین کو اُن سے محفوظ رکھے. باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ بہت سے مشہور فقہاء نے اُن سے علم حاصل کیا ہے سو یہ سب سے زیادہ جھوٹ ہے کیونکہ جمہور فقہا جو مشہور ہیں اُنہوں نے اُن سے کچھ حاصل نہیں کیا اور اگر کسی ایسے فقیہ نے کچھ حاصل کیا ہو جو جمہور فقہاء میں معروف نہیں ہے تو اُس کا کوئی انکار نہیں کرتا کیونکہ فقہا اُن لوگوں سے بھی حاصل کیا کرتے ہیں جو علم میں متوسط درجہ کے ہوں یہاں تک کہ جو متوسط سے کم نہ ہوں. بعض لوگوں نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ معروف کرخی علی بن موسیٰ کے خادم تھے اور اُن ہی کے ہاتھوں پر یہ مسلمان بھی ہوئے یا یہ کہ خرقہ اُن کو اُن ہی سے پہنچا تھا یہ سراسر کذب اور معروف کرخی پر بہتان عظیم ہے.

فاطمہؓ: شیعی علماء نے اسی قسم کی فضیلتوں سے حضرت بی بی فاطمہ کو بھی نہیں بخشا، چنانچہ وہ متفق اللفظ خاتون محشر کی فضیلت میں مفصلہ ذیل حدیث نقل کرتے ہیں.

قال رسول الله ﷺ ان فاطمة احصنت فرجها فحرمها الله وزريتها على النار (یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فاطمہ نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی اِس لیے اُن پر اُن کی اولاد پر آگ (یعنی دوزخ) کو حرام کردیا ہے. مگر یہ بھی باتفاق تمام محدثین کے جھوٹی ہے اور اس کا جھوٹ محدثین کے علاوہ اوروں کو بھی معلوم ہوسکتا ہے کیونکہ اُن کا یہ کہنا کہ فاطمہ نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی تھی اس

لیے اللہ نے اُن پر اور اُن کی اولاد پر دوزخ کو حرام کر دیا یقیناً باطل ہے۔ کیونکہ سارہ (حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بی بی) نے بھی اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی تھی لیکن اللہ نے اُن کی تمام اولاد پر آگ کو حرام نہیں فرمایا اور یہ فرمایا۔ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۔ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ (الصفات ۱۱۲ تا ۱۱۳) (یعنی اور ہم نے اُن (ابراہیم) کو اسحاق کی بشارت دی جو نیکوں میں ایک نبی ہیں اور ہم نے اُن پر اور اسحاق پر برکت نازل کی اور اُن دونوں کی اولاد میں سے کوئی نیکی کرنے والا اور کوئی اپنی جان پر صریح ظلم کرنے والا ہے)۔ اور فرمایا وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ (الحدید ۲۶) (یعنی اور بے شک یقیناً ہم نے نوح کو اور ابراہیم کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا تھا۔ اور ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب مقرر کی پس اُن میں سے بعض ہدایت یافتہ ہوئے اور ان میں کے اکثر بدکار ہوئے۔ یہ سب جانتے ہیں کہ بنی اسرائیل اُن ہی کی اولاد میں ہیں۔ حالانکہ اُن میں کفار اس قدر ہیں کہ اللہ کے سوا اُن کا کوئی شمار نہیں کر سکتا اس کے علاوہ حضور انور ﷺ کی پھوپی صفیہ نے بھی اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی تھی حالانکہ اُن کی اولاد بھی محسن اور ظالم دونوں کی طرح کی ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ وہ عورتیں جنہوں نے شرمگاہوں کی حفاظت کی ہے اس قدر ہیں کہ اُن کی تعداد اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا حالانکہ پھر ان کی اولاد میں نیک اور بد مومن اور کافر سب قسم کے لوگ ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت فاطمہ کو فضیلت اور عظمت محض اس وجہ سے نہیں ہے کہ اُنھوں نے شرمگاہ کی حفاظت کی۔ کیونکہ اس میں تو حضرت فاطمہ اور مسلمانوں کی تمام عورتیں شریک ہیں اور حضرت فاطمہ سیدۃ نساء العالمین بھی اسی وصف کے باعث نہیں ہوئیں بلکہ اس وصف کے ساتھ جو اس سے بھی زیادہ اخص ہے بلکہ یہ تو شیعی علماء کی علمیت کا پورا ثبوت ہے کہ وہ اپنی لاعلمی کی وجہ سے نہ عمدہ دلیل بیان کر سکتے ہیں اور نہ ایسا جھوٹ بول سکتے ہیں جو چلنے کے قابل ہو۔ ان سب کے علاوہ حضرت فاطمہ کی بھی ساری اولاد پر دوزخ حرام نہیں ہے بلکہ اُن میں بھی نیک اور بد دونوں ہیں۔ ان میں اکثر وہ لوگ ہیں جنہیں شیعی علماء کافر کہہ چکے ہیں۔ ان ہی میں سے وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے ابوبکر اور عمر کا ساتھ دیا جیسے کہ زید بن علی بن حسین وغیرہ جو حضرت فاطمہ ہی کی اولاد میں سے تھے۔

چنانچہ شیعوں نے زید بن علی بن حسین کو اور جو اُن کے ساتھی تھے سب کو چھوڑ دیا اور اُن کے حق میں کافر اور فاسق ہونے کے قائل ہو گئے۔ بلکہ اُس کے علاوہ علی بن موسیٰ کا اپنے بھائی کو نصیحت کرنا بھی اس پر دال ہے کہ فاطمہ کی اولاد میں مطیع اور عاصی دونو قسم کے لوگ ہیں اور اُنہیں کرامت آلہی اللہ کی اطاعت ہی کے باعث نصیب ہوئی ہے۔ حالانکہ یہ بات تمام مخلوق میں قدر مشترک ہے کیونکہ جو کوئی اللہ کی اطاعت کرے گا اللہ اُس کی عزت اور تکریم کرے گا اور جو کوئی اُسکی نافرمانی کرے گا تو وہ اللہ کے اہانت کرنے کا مستحق ہوگا۔ اسی پر قرآن اور حدیث دلالت کرتے ہیں لیکن شیعی علماء نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ ماموں نے اُن کو حاکم کر دیا تھا ہاں یہ صحیح ہے لیکن اُن کا یہ کہنا پُورا نہیں ہو سکتا کیونکہ علی بن موسے اپنے مرنے تک برابر حاکم ہی رہے۔ ماموں نے اس عہدہ سے اُنہیں معطل نہیں کیا۔ حالانکہ شیعوں کا یہ خیال ہے کہ ماموں نے اُنہیں زہر دے کر مار دیا تھا پس اگر ماموں کا پہلا فعل یعنی حاکم بنانا حجت ہے تو یہ دوسرا فعل یعنی زہر دے دینا بھی حجت ہوگا۔ اور اگر یہ حجت نہیں ہے تو پھر علی بن موسے کے مناقب میں ایسے امور ذکر کرنے بھی مناسب نہیں ہیں لیکن حقیقت مناقب سے ہمارے دوست مزید واقفیت نہیں رکھتے نہ انہیں ان طریق کی خبر ہے جن سے مناقب معلوم ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے یہ لوگ ابی نواس کے اشعار سے استدلال لاتے ہیں۔ حالانکہ اگر اشعار سچے بھی ہوں تو ایسے شاعر کی شہادت سے جو کذب و فجور میں مشہور ہو کسی شخص کے فضائل کبھی ثابت نہیں ہو سکتے۔ ابونواس نے جو شعر کہا ہے۔ وہ بھی ٹھیک نہیں بنتا۔ کسی نے ابونواس سے کہا تھا کہ تو علی رضا کے مناقب کیوں نہیں بیان کرتا تو اُس وقت اُس نے یہ شعر پڑھا۔

"قلت لا استطیع مدح امامه کان جبریل خادمه لابیه"

یعنی میں نے کہا میں ایسے امام کی مدح نہیں کر سکتا جس کے باپ کا جبرئیل خادم تھا۔ اور یہ سب جانتے ہیں کہ یہ وصف مشترک ہے جو حضرت علی کی اولاد ہیں اُن میں بھی اور جو اُن کی اولاد نہیں ہیں اُن میں بھی کیونکہ آدمی کا انبیاء کی اولاد سے ہونا سب میں قدر مشترک ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ تمام لوگ نوح اور آدم کی اولاد سے ہیں اور بنی اسرائیل خواہ یہودی ہوں یا غیر یہودی یہ ابراہیم اسحٰق یعقوب کی اولاد سے ہیں ہمارے احباب شیعوں کی اکثر حجتیں اور دلیلیں یہی اشعار ہوتے ہیں جس سے اُن کی لاعلمی

پائی جاتی ہے. معمولی عقل کا انسان بھی اشعار اور حکایتوں سے کسی کے مناقب پر کبھی استدلال نہیں لایا کرتا.

علی جواد: شیعی علماء فرماتے ہیں محمد بن علی جواد اور علم، سخاوت، اتقا میں اپنے والد کی طرح نہایت ہی طاق اور فیاض آدمی تھے جب اُن کے والد رضا کا انتقال ہو گیا تو باوجود اُن کی کم عمری کے اُن کی زیادتی علم اور دین داری اور کمال عقل کی وجہ سے ماموں اُن کا گردیدہ ہو گیا اور اپنی بیٹی ام الفضل کی شادی اُن سے کرنی چاہی. پہلے اُس نے اپنی دوسری بیٹی ام حبیب کی شادی اُن کے والد سے کر دی تھی. اِس خبر سے عباسیوں کو بہت فکر ہوا اور اُنہیں بُرا لگا اور یہ اندیشہ ہوا کہ ہم میں سے کہیں حکومت نہ جاتی رہے. جس طرح اُن کے باپ سے بیعت ہو گئی تھی اب اُن سے نہ ہو جائے اس سے مقرب اور درباری لوگ ماموں کے پاس جمع ہوئے اور اس خیال سے اُسے باز رکھنا چاہا اور یہ کہا کہ یہ ابھی بچہ ہے انہیں ابھی علم بھی کچھ نہیں ہے ماموں نے یہ جواب دیا کہ میں اُن کی حالت اور علم کو تم سے زیادہ جانتا ہوں اور اگر تم چاہو تو اُن کا امتحان لے لو چنانچہ اس پر وہ سب رضامند ہو گئے اور قاضی یحیٰی بن اکثم کو بہکا سکھا کے اور بہت سا مال دیکر اس بات پر جمایا کہ اُن کا کسی ایسے مسئلہ میں امتحان لو جس میں اُن سے جواب نہ بن آئے یہ ساکت ہو جائیں. اِس امتحان کا اُن لوگوں نے ایک دن معین کر دیا مقررہ دن پر ماموں نے محمد بن علی قاضی اور عباسین کو جمع کیا اس مجمع میں قاضی نے امام سے کہا کہ آپ سے میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں فرمایا پوچھو. قاضی نے کہا آپ اس محرم کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو کسی شکار کو مار ڈالے آپ نے اُس سے یہ سنتے ہی چند الزامی سوال کیے اور یہ فرمایا کہ اُس نے حل میں مارا ہے یا حد حرم میں عالم تھا یا جاہل. پہلی ہی مرتبہ کیا یا کہ اب دوبارہ کیا ہے. شکار چھوٹی قسم کے جانوروں میں سے تھا یا بڑی قسم کے. یہ محرم غلام تھا یا حر. بچہ تھا یا بوڑھا. یہ شکار پرندوں میں سے تھا یا کہ چوپایوں میں سے یہ سوال ہوتے ہیں یحیٰی بن اکثم کے ہوش باختہ ہو گئے. اُس کے چہرے پر زردی چھا گئی یہاں تک کہ تمام اہل مجلس کو قاضی کی پریشانی کی کیفیت معلوم ہو گئی اُس وقت ماموں نے اہل مجمع سے کہا بولو یہ بچہ عالم ہے یا جاہل. سب نے اپنا کان پکڑا اور خاموش ہو رہے. اس کے بعد ماموں ان کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا آپ شادی کرنا چاہتے ہیں. فرمایا ہاں. کہا تو نکاح کا خطبہ اپنے لیے آپ خود ہی پڑھ لیجئے. آپ نے خطبہ پڑھا اور پانچ سو درہم مہر معین ہو کر جیسا کہ حضرت فاطمہ کا تھا نکاح ہو گیا.

جواب: محمد بن علی جواد بنی ہاشم میں سے تھے اور یہ سخاوت میں بے شک مشہور تھے اسی لیے اُن کا نام جواد پڑ گیا تھا. پچیس برس کی عمر میں اُن کا انتقال ہو گیا ۱۹۵ھ میں یہ پیدا ہوئے تھے اور ۲۲۰ھ یا ۲۱۹ھ میں انتقال ہو گیا تھا ہاں یہ صحیح ہے مامون نے اپنی بیٹی کا نکاح اُن سے کر دیا تھا اور وہ اُنہیں ہر سال ایک لاکھ درہم دیتا تھا معتصد پھر معتصد اُنہیں بغداد لے گیا اور وہیں اُن کا انتقال ہو گیا باقی سب کہانیاں ہیں یہ حکایت یحیٰی بن اکثم کی جو شیعی علماء نے بیان کی ہے یہ اُن جھوٹی حکایتوں میں سے ہے جن سے سوائے عوام کے اور کوئی ہرگز خوش نہ ہوگا یحیٰی بن اکثم بڑے فقیہ اور عالم آدمی تھے اُن کی شان سے یہ بعید بات ہے کہ وہ کسی کو ساکت کرنے کے لیے یہ مسئلہ پوچھتے کہ ایک محرم نے شکار کو مار ڈالا کیونکہ اس مسئلے کا حکم تو فقہا کے بچے بھی جانتے ہیں یہ کوئی بڑی عجیب و غریب علمی بات نہیں ہے اور نہ کوئی ایسی بات ہے جسے خاص خاص مشہور علماء ہی جانتے ہوں. اس کے علاوہ شیعی علماء نے جو علی جواد کے نام سے ذکر کیا ہے وہ فقط مارنے والے کے احوال تقسیم اور تفصیل ہے اس میں بھی اُن اقسام کے حکم کا بیان نہیں ہے اور محض تقسیم کو ذکر کر دینا اقسام کے احکام سے واقف ہونے کو متقضی نہیں ہے اور اگر یہ دلالت بھی کرے تو اس سوال ہی کے حسن ہونے پر دلالت کرے گی. حالانکہ یہ لازم نہیں ہے کہ اگر کوئی سوال اچھے کرے تو وہ جواب بھی اچھے ہی دے پھر اگر ان اقسام کا ذکر کرنا قاضی پر ضروری تھا تو پوری قسمیں تو امام نے بھی ذکر نہیں کیں اور اگر واجب نہ تھا تو چند قسموں کے ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ منجملہ ان اقسام کے یہ دریافت کرنا بھی ضروری تھا کہ آیا جان بوجھ کر مارا ہے یا غلطی سے مر گیا ہے اور یہ تقسیم اُن کے اس طرح پوچھنے سے زیادہ بہتر تھی کہ وہ عالم تھا یا جاہل کیونکہ جان بوجھ کر مارنے اور غلطی سے مر جانے میں باتفاق تمام علماء کے گناہ ہونے میں فرق ہے اور غلطی سے مر جانے پر جزا لازم ہونے کی بابت اختلاف مشہور ہے. چنانچہ سلف اور خلف میں سے ایک جماعت کا مذہب تو یہ ہے کہ اُس کے ذمہ کوئی جزا نہیں ہے اور یہی ایک روایت امام احمد سے بھی ہے وہ کہتے ہیں وجہ اس کی یہ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے. وَمَنْ قَتَلَهُ مِنكُم مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ (المائدہ ۹۵) (یعنی اور تم سے جو کوئی اُسے قصداً مارے گا تو جس (شکار) کو مارا ہے چوپایوں میں سے اُس کا مثل (اس جرم کا) بدلہ ہے. پس اس آیت میں جزا

وجوب ہونے کے لیے خاص متعمد ا ہی کو ذکر کیا ہے اور یہ خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنا اس کو مقتضی ہے کہ اگر خطاءً کسی سے کوئی شکار مرجائے تو اُس کے ذمہ جزا نہیں ہے. کیونکہ اصل قانون ذمہ کا بری ہی ہونا ہے اور نص نے فقط متعمد ہی پر جزا واجب کی ہے اور مخطی اصل پر ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ خاص مسئلہ کے حق میں حکم بیان کرنا مخطی سے اُسکے منتفی ہونے کو مقتضی ہے کیونکہ یہ صفت کا مفہوم ہے. جو سیاق شرط میں ہوتا ہے لیکن وہ جمہور جو مخطی پر جزا واجب ہونے کے قائل ہیں وہ اُسے عموم احادیث اور آثار سے ثابت کرتے ہیں اور اس پر قیاس کرتے ہیں کہ آدمی کے خطاء قتل کر دینے میں جنا ہے اور کہتے ہیں کہ خاص متعمد کو اللہ نیک اس لیے ذکر کیا ہے کہ اُس نے اور احکام بھی وہی ذکر کیے ہیں جو متعمد کے ساتھ خاص ہیں. اور وہ وعید ہیں کیونکہ فرمایا ہے. لِيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِ عَفَا اللَّهُ عَمَّا سَلَفَ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللَّهُ مِنْهُ یعنی تا کہ وہ اپنے کام کی سزا کو چکھ لے جو کچھ گزر چکا اللہ نے اُس سے درگزر فرمائی اور جو کوئی دوبارہ کرے گا اللہ اُس سے انتقام لے گا. جب اُس نے جزا اور انتقام کو ذکر کر دیا تو یہ مجموع متعمد کے ساتھ مختص ہوگا اور یہ لازم نہیں ہے کہ عمد کے نہ ہونے پر اُن میں سے بعض ثابت ہو اور اسی کی مثل یہ آیت ہے. وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا. یعنی اور جب تم زمین پر سفر کیا کرو تو (اس میں) تم پر کچھ گناہ نہیں ہے کہ نماز سے کچھ کم کر دیا کرو اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے۔ پس یہاں اللہ تعالیٰ نے قصر سے عدد اور ارکان دونوں کی کمی کرنے کا ارادہ کیا ہے اور اس قصر میں جو دونوں قسمیں شامل ہیں سفر اور خوف کے متعلق ہے۔ لیکن دونوں کے ساتھ خاص ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُن میں سے ایک احدالامرین کے ساتھ ثابت نہ ہوگا۔ اس قسم کی نظیریں بہت سی ہیں اور اسی وجہ سے امام کو یہ پوچھنا چاہیے تھا کہ آیا اس محرم کو وہ شکار مارتے وقت اپنا محرم ہونا یاد تھا یا وہ بھول گیا تھا کیونکہ بھول کر مارنے والے میں جاہل سے زیادہ اختلاف ہے حالانکہ امام نے جاہل کو تو پوچھا اور اس کو نہ پوچھا اور یہ بھی پوچھنا تھا کہ اس محرم نے اُس کو اس لئے مار دیا کہ اُس نے اس پر حملہ کیا تھا۔ یا اس لئے کہ یہ بھوک میں بے بس اور مجبور تھا۔ یا اُس نے بلاسبب محض ظلم اور عبث ہی سے مارا ہے علاوہ ازیں ان قسموں میں سائل کی اِس صریحی جہالت سے امام

معصوم کا مرتبہ بلند ہے اللہ تعالی ایسی جہالت سے اُسے منزہ اور بری رکھتا ہے خیال تو کیجئے کتنا جاہلانہ سوال ہے کہ آیا حل میں مارا ہے یا حرم میں! کیونکہ محرم تو جس وقت شکار کو مارتا ہے اُس کی جزا اس پر واجب ہو جاتی ہے اور اس پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے چاہے وہ حل میں ہو یا حرم میں وہاں حرم کے شکار کو مارنا حلال اور محرم دونوں پر حرام ہے۔ اُس وقت کوئی محرم تھا اور اُس نے حرم کے شکار کو مار دیا تو وہ حرمت اور زیادہ مؤکد ہو گئی لیکن جزا ایک ہی ہے (باقی امام کا یہ پوچھنا کہ اب پہلی ہی دفعہ مارا ہے یا دوبارہ مارا ہے سو یہ فرق ضعیف ہے اہل علم میں سے اس کی طرف کوئی نہیں گیا تمام جمہور اسی پر ہیں کہ خواہ کوئی پہلی دفعہ مارے یا دوسری دفعہ جزا برابر واجب ہوگی (اور اُس کا یہ کہنا کہ حضرت فاطمہ کا مہر پانچ سو درہم کا تھا) یہ بھی ثابت نہیں ہے بلکہ ثابت تو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیبیوں اور صاجزادیوں میں سے کسی کا مہر پانچ سو درہم بارہ اوقیہ اور نش سے زیادہ نہیں کیا نش کے معنی نصف ہیں (اور ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے) یہی حضرت عمرو غیرہ سے مشہور ہے۔ لیکن اب رہیں ام حبیبہ تو اُن کا نکاح حضور انور ﷺ سے نجاشی (شاہ حبشہ) نے کر دیا تھا اور اُنہوں نے ہی اپنے پاس سے مہر بھی زیادہ دے دیا تھا بہر حال یہ ثابت ہو یا نہ ہو مہر کا کم ہی ہونا سنت ہے اور اسی واسطے علماء نے اُس کو مستحب قرار دیا ہے کہ حضور انور کی بیبیوں اور صاجزادیوں کے مہر سے زیادہ مہر نہ کیا جائے ایک روایت ہے کہ حضرت علی نے حضرت فاطمہ کے مہر میں اپنی درع دی تھی بہر حال دونوں امروں میں سے کسی میں بھی کوئی ایسی بات نہیں ہے جو امام کی فضیلت پر دلالت کرتی ہو چہ جائے کہ اُن کے عالم ہونے پر دلالت کرے اگر چہ اُن کے لیے بدون اِس کے بھی بہت سے فضائل ثابت ہیں۔

امام عسکری: پھر شیعی علماء فرماتے ہیں کہ اُن کے صاجزادے علی ہادی تھے اور اُن ہی کو عسکری بھی کہتے تھے اور وجہ عسکری کہنے کی یہ تھی کہ متوکل نے اُن کو مدینہ منورہ سے بغداد بلوالیا تھا پھر وہاں سے رَے کے علاقہ میں سر کی حرب چلے گئے اور وہیں ایک موضع میں رہنے لگے جسے لوگ عسکر کہتے تھے لیکن پھر وہاں سے سر ہی واپس چلے آئے وہاں بیس برس اور نو مہینے رہے متوکل نے ان کو اس لیئے بلوایا تھا کہ علی سے دلی عداوت رکھتا تھا۔ پھر اُس نے سُنا کہ علی کا مدینہ میں بہت اعزاز ہے اور لوگوں کا اُن کی طرف بہت میلان ہے اس لیے اُسے اُن سے اندیشہ ہوا اُس نے یحییٰ بن ہرثمہ کو بلا کر حکم دیا کہ علی

کو حاضر کر اس پر اہل مدینہ میں شور مچ گیا کہ مبادا، ان کے ساتھ کوئی بُرائی نہ کی جائے کیونکہ علی ان لوگوں پر بہت احسانات کرتے تھے اور نماز کی وجہ سے ہمیشہ مسجد ہی میں رہتے تھے آخر یحیٰی بن ہرثمہ نے یہ قسم کھائی کہ انہیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ دی جائے گے۔ پھر اُن کے مکان کی تلاشی ہوئی تو وہاں سے سوائے مصاحف اور چند دعاؤں اور علم دین کی کتابوں کے کچھ نہ نکلا اس سے یحیٰی کے دل میں اُن کی بہت وقعت ہوگئی اور اُس نے اُن کی خدمت اپنے ہی ذمہ لے لی جب بغداد پہنچے تو اول ابو اسحاق بن ابراہیم طائی والی بغداد سے ملاقات ہوئی اُس نے کہا اے یحیٰی یہ شخص رسول اللہ ﷺ کی اولاد سے ہے اور متوکل کو تو جانتا ہے اب اگر تو ذرا بھی متوکل کے سامنے اُن کی طرف سے بُرائی کردے گا تو وہ فوراً انہیں قتل کرا دے گا اور قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ اس خونِ ناحق پر باز پُرس کریں گے۔ لہٰذا سوچ سمجھ کر کام کرنا۔ یحیٰی نے اُس سے قسم کھا کر کہا کہ میں تو اُن کی خوبیاں ہی بیان کروں گا خیر یحیٰی کا قول ہے جب میں متوکل کے پاس پہنچا تو میں نے ان کی خوش اخلاقی زہد اور پرہیزگاری اس سے بیان کی۔ اُس نے امام کا بہت اعزاز کیا تھوڑے دنوں کے بعد متوکل بیمار ہوگیا پھر اُس نے یہ نذر مانی کہ اگر مجھے آرام ہوگیا تو میں بہت سے درہم خیرات کروں گا پھر آرام ہونے کے بعد اُس نے تمام فقہاء سے دریافت کیا کہ بہت سے درہموں کی تعداد بتلاؤ لیکن کسی فقیہ کو اس کا جواب نہ آیا اور سب ساکت ہوگئے آخر اُس نے علی ہادی کے پاس یہ مسئلہ دریافت کرنے کے لیے آدمی بھیجا آپ نے فرمایا کہ تراسی درہم خیرات کردے تیری نذر پوری ہوجائے گی۔ متوکل نے اِس فتوے کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ۔ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ (یعنی بے شک اللہ نے تمہاری بہت جگہ مدد کی ہے) اور وہ بہت جگہ اسی قدر تھیں کیونکہ نبی ﷺ نے ستائس (۲۷) غزوے کیے ہیں اور چھپن (۵۶) لشکر بھیجے ہیں اور یہ سب تراسی ہوئے۔ مسعودی کا قول ہے کہ متوکل کے دل میں علی بن محمد کی طرف سے کسی نے یہ شبہ ڈال دیا کہ اُن کے مکان میں قم کے باشندوں کے ہتھیار ہیں اور اُن کا ارادہ ملک گیری کا ہے۔ متوکل نے یہ سن کر ترکوں کی دوڑ بھیج دی اُنہوں نے راتوں رات اُن کے مکان کا محاصرہ کرلیا اور تلاشی لی تو وہاں کچھ بھی نہ ملا ایک بند کرہ میں دیکھا تو وہاں علی ہادی بیٹھے ہوئے قرآن شریف پڑھ رہے تھے ایک اونی درع اُن پر پڑی ہوئی تھی

غور سے دیکھا تو آپ ریتے اور کنکریوں پر بیٹھے ہوئے اللہ کے شوق ذوق میں قرآن شریف پڑھ رہے ہیں سپاہیوں نے اسی حالت میں اُٹھا کے اور سوار کر کے آپ کو متوکل کے پاس پہنچا دیا جس وقت آپ اس کے پاس پہنچے تو وہ شراب کا پیالہ ہاتھ میں لیے ہوئے تھا اُس نے اس حالت پر بھی آپ کی بہت تعظیم و تکریم کی۔ اور اپنے پاس بٹھالیا۔ اور وہ پیالہ شراب کا آپ کی نذر کیا۔ آپ نے فرمایا قسم ہے اللہ کی میرے گوشت اور خون کو آج تک کبھی شراب کا نشہ نہیں ہوا۔ لہٰذا مجھے معاف رکھو۔ چنانچہ پھر اس نے نہیں دیا اور یہ کہا کہ مجھے کچھ سنایئے آپ نے كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ سے لیکر آگے آیتیں سنائیں پھر اس نے کہا کہ کوئی شعر بھی سناؤ آپ نے فرمایا کہ مجھے شعر گوئی کا ربط بہت کم ہے اُس نے کہا نہیں کچھ نہ کچھ ضرور ہونا چاہیے اُس وقت آپ نے چند شعر پڑھے وہ شعر سنکر متوکل اس قدر رویا کہ اُس کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی فقط شیعی علماء کا کلام ختم ہوا۔

جواب: یہ کلام بھی ویسا ہی ہے جیسا شیعی علماء نے پہلے بیان کیا ہے اُنہوں نے کوئی تعریف صحیح دلیل کے ساتھ نہیں کی بلکہ ایسے امور ذکر کئے ہیں جن کو سب علماء جانتے ہیں کہ یہ یقیناً باطل ہیں کیونکہ اُنہوں نے اس حکایت میں یہ ذکر کیا ہے کہ والی بغداد اسحٰق بن ابراہیم طائی تھا۔ حالانکہ یہ ان لوگوں کی جہالت ہے کیونکہ یہ اسحٰق بن ابراہیم خزاعی تھے اُنہیں اور اُن کے گھر والوں کو سب جانتے ہیں کہ یہ سب خزاعہ کے خاندان میں سے تھے کیونکہ یہی اسحٰق بن ابراہیم حسین بن مصعب کے بیٹے ہیں اور اُن کے چچازاد بھائی عبداللہ بن طاہر بن حسین بن مصعب خراسان کے حاکم مشہور تھے اور اُن کے بیٹے محمد بن عبداللہ بن طاہر متوکل وغیرہ کے زمانہ حکومت میں بغداد میں نائب رہے ہیں جس وقت امام احمد بن حنبل کا انتقال ہوا تو اُن کی جنازہ کی اُن ہی نے نماز پڑھائی تھی اور معتصم اور واثق حکومت میں اور کچھ متوکل کے زمانہ میں بھی یہی اسحٰق بن ابراہیم نائب رہے ہیں اور یہ بھی سب کے خزاعہ ہی کے خاندان سے تھے اُن میں کوئی طے کے خاندان کا نہ تھا ساتھ ہی اہلبیت مشہور ہیں۔ باقی یہ بات جو شیعی علماء نے ذکر کی ہے کہ متوکل نے یہ نذر مانی تھی کہ وہ بہت سے درہم خیرات کرے گا اُس نے یہ مسئلہ تمام فقہا سے دریافت کیا لیکن کسی سے جواب نہ ملا اور یہ کہ علی بن محمد نے اُسے یہ حکم دیا کہ تراسی درہم خیرات کردے نذر پوری ہو جائے گی اور دلیل میں یہ آیت پڑھی۔ لقد نصركم الله فی

مواطن کثیرۃ. اور یہ کہ یہ مواطن کثیرہ اسی قدر تھے کیونکہ نبی ﷺ نے ستائیس غزوے کئے ہیں اور چھپن لشکر بھیجے ہیں یہ حکایت کیا تو سراسر لغو ہے اور یا عسکری پر فتوے دینے کا محض بہتان باندھا ہے کیونکہ کسی کا یہ کہنا کہ میرے ذمہ بہت سے درہم ہیں یا کوئی یہ کہہ دے کہ قسم ہے اللہ کی میں فلاں آدمی کو بہت سے درہم دوں گا یا میں بہت سے درہم خیرات کروں گا تو علماء مسلمین سے کسی کے نزدیک بھی اس طرح کہنے کو تر اسی پر حمل نہیں کر سکتے یہ حجت مذکورہ چند وجوہ سے باطل ہے اول تو یہ کہ مواطن سے یہ مراد لینی کہ ستائیس غزوے ہوئے اور چھپن مرتبہ لشکر کشی ہوئی یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ باتفاق تمام علماء سیر کے حضور انور نے ستائیس غزوے نہیں کیے بلکہ اس سے کم کیے ہیں دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ آیت جنگ حنین میں نازل ہوئی ہے اس آیت میں اللہ تعالے نے اُن موقعوں کی خبر دی ہے جو اس سے پہلے ہو چکے تھے۔ لہٰذا واجب ہے کہ مواطن کثیرہ اس سے پہلے ہو لیے ہوں حالانکہ جنگ حنین کے بعد ہی طائف اور تبوک کی بھی جنگ ہوئی ہے بلکہ اُس کے بعد اور بھی بہت سی جگہ لشکر کشی ہوئی ہے جیسا کہ جریر بن عبداللہ کو ذی الخلصہ کی طرف بھیجنا۔ جریر حضور انور کی وفات سے تقریباً ایک سال پہلے مسلمان ہوئے تھے اکثر غزوے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ہی ہوئے ہیں تو اس آیت میں تمام غزووں وغیرہ کی خبر ہرگز نہیں ہو سکتی تیسری وجہ یہ ہے کہ مسلمان سب لڑائیوں میں کامیاب نہیں ہوئے. جنگ احد اور جنگ موتہ کا وقوعہ ہی موجود ہے اور ان کے علاوہ اور بہت سے مواقع اسی قسم کے ہیں کہ مسلمان منصور نہیں ہوئے پس اگر تمام مغازی اور سرایا تر اسی ہوں تو سب میں یہ منصور نہیں ہوئے ہیں. چوتھی وجہ یہ ہے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ آیت میں کثیر مراد تر اسی ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس لفظ سے یہی خاص عدد مراد ہوا کرے کیونکہ کثیر کا لفظ تو عام ہے ہزار دو ہزار ہی نہیں بلکہ بہت سے ہزاروں کو شامل ہے اور جب یہ اتنی مقداروں کو شامل ہے. تو اب بعض قسموں کو مراد لینا اور بعض کو نہ لینا یہ حکم بلا دلیل ہے پانچویں وجہ یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا۔ مَنْ ذَالَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفُهُ لَهٗ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً (یعنی کوئی ایسا ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے تاکہ (اللہ تعالیٰ) اُس کے مال (کے ثواب) کو کئی گنا بڑھا دے) پھر نص حدیث سے یہ ثابت ہے کہ نیکی کو اللہ تعالے سات سو گنے تک بڑھا دیتا ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ نیکی کو اللہ دو ہزار گنے تک بڑھا دیتا اور ان

سب ضعاف (یعنی گنوں) کا نام کثیرہ ہے اور اسی طرح وہ مواطن بھی کثیرہ ہی ہیں اور دوسری جگہ اللہ نے فرمایا۔ كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللهِ وَاللهُ مَعَ الصَّابِرِينَ یعنی بسا اوقات اللہ کے حکم سے تھوڑے لوگ بہت لوگوں پر غالب آ جاتے ہیں اور اللہ صابرین کے ساتھ ہے تو یہاں بھی کثرت اعداد کی بہت سی قسموں کو شامل ہے۔ کیونکہ جن لوگوں کو بہت کہا گیا ہے وہ کسی معین عدد میں محصور نہیں ہیں کیونکہ اگر تھوڑے آدمی ایک ہزار ہوں اور جو بہت ہیں وہ تین ہزار ہوں تو بہ نسبت بڑے عدد کے یہ بھی کم ہیں۔ پھر اللہ نے فرمایا۔ إِذْ يُرِيكَهُمُ اللهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلاً وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَكِنَّ اللهَ سَلَّمَ (یعنی (اے نبی وہ وقت یاد کرو) جب ان (کافروں) کو اللہ تمہیں تمہارے خواب میں کم دکھلاتا تھا اور اگر انہیں تم کو بہت (کر کے) دکھا دیتا تو یقیناً تم سست ہو جاتے اور (لڑائی) کے کام میں باہم اختلاف کرتے لیکن اللہ نے (تمہیں اس سے) بچالیا) سب جانتے ہیں کہ اللہ نے اہل بدر کو سو سے زیادہ کر کے دکھایا تھا حالانکہ نسبت اور اضافت کے اعتبار سے اُسے قلیلاً ہی فرمایا اور ان سب امور سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قلت اور کثرت اضافی امر ہیں اسی لیے اس بارے میں فقہا کا اختلاف ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ میرے ذمہ فلاں شخص کا مال عظیم ہے یا خطیر ہے یا کثیر ہے یا جلیل ہے تو آیا اس کی تفسیر اس سے کی جائے گی اور وہ یہ معنی کہے کہ جس سے آدمی متمول ہو جائے جیسا کہ امام شافعی اور امام احمد کے شاگردوں میں سے ایک گروہ کا قول ہے یا اُس کی تفسیر تسلیم نہ کی جائے گی مگر یہ کہ جسے مال خطیرہ کہہ سکیں جیسا کہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا قول ہے اور امام احمد کے بعض شاگردوں کے اس میں دو قول ہیں۔ اور دوسرے قول والوں میں سے بعض نصاب سرقہ متعین کرتے ہیں۔ بعض نصاب زکوۃ مقرر کرتے ہیں۔ اور بعض دیت کا اندازہ لگاتے ہیں غرض یہ نزاع تو اقرار میں ہے کیونکہ یہ خبر ہے اور کسی امر ماضی کی خبر دینی اسکا تو فقط مخبر کو علم ہوتا ہے۔ مگر مسئلہ مذکور انشاء ہے جیسا کہ کوئی وصیت کر دے کہ فلاں کو میرے مال میں سے بہت سے درہم دے دینا اس موقع پر راجح تر صورت یہ ہے کہ اس میں متکلم کے عرف کی طرف رجوع کیا جائے پس جس عدد کا نام اُس کے عرف میں کثیر ہوگا اسی کے مطابق کلام کو اس پر حمل کر لیں گے اور اگر کوئی بادشاہ اپنی نذر میں دراہم کثیرہ کہے تو اُس کہنے کو سو یا سو کے قریب قریب

درہموں پر حمل نہیں کریں گے. بلکہ اگر اس کا کلام دیت کی مقدار یعنی بارہ ہزار درہموں پر حمل کیا جائے تو اس سے کم پر حمل کرنے سے بہتر ہے اور لفظ تو اس سے بھی زیادہ کا احتمال رکھتا ہے لیکن یہ مقدار تو وہ ہے جو شرع میں بھی تسلیم کیا جاتی ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ قلت اور کثرا امورنسبیہ اضافیہ میں سے ہے جیسے کہ عظیم اور لوگوں کی حالت میں اختلاف ہونے سے ان میں بھی اختلاف آ جاتا ہے. لہٰذا ہر آدمی کا کلام اسی معنی پر حمل کیا جاتا ہے جو اُس مقام میں اُس کے حال کے مناسب ہو. اب رہی وہ حکایت جو شیعی علماء نے مسعودی سے نقل کی ہے۔ اس کی سند منقطع ہے. علاوہ اِس کے مسعودی کی تاریخ میں اس قدر جھوٹی باتیں ہیں کہ سوائے اللہ کے اُنہیں کوئی شمار ہی نہیں کرسکتا پھر اُس حکایت منقطعۃ الاسناد پر کیونکر کوئی اعتماد کرسکتا ہے. جو ایسی کتاب میں ہو جو کثرت کذب میں مشہور ہے ساتھی ہی اِس کے یہ کہ اس میں کوئی فضیلت بھی نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو ایسی ہے کہ وہ اکثر عام مسلمانوں میں بھی ہوتی ہے بلکہ عام لوگوں میں اس سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔

حسن :۔ پھر شیعی علماء فرماتے ہیں کہ اُن کے صاحبزادے حسن عسکری تھے جو اپنے زمانہ میں سب سے افضل بڑے عالم زاہد فاضل عابد آدمی تھے اور بہت سے علماء نے اُن سے روایت کی ہے. فقط

جواب: یہ کہانی بھی بالکل جھوٹ ہے کیونکہ وہ علماء جو احادیث روایت کرنے میں معروف و مشہور ہیں وہ ان حسن بن علی عسکری کے زمانہ میں تھے. لیکن علماء کی کتابوں میں ان کی کوئی روایت ان سے مشہور نہیں ہے علیٰ ہذا القیاس۔ احادیث کی کتابوں کے شیوخ بخاری مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ بھی اُس زمانہ میں موجود تھے یا ان سے کچھ پہلے اور کچھ بعد میں ہوئے ہیں اس کے علاوہ حافظ ابوالقاسم بن عساکر نے اُن شیوخ کے نام جمع کئے ہیں یعنی ان ائمہ کے اساتذہ کے نام لیکن ان میں کوئی ایسا نہیں ہے جس نے حسن بن علی عسکری سے روایت کی ہو باوجود یہ کہ اُن کی روایتیں اہل حدیث کے ہزاروں مؤلفوں سے مروی ہیں تو اب کوئی کیونکہ کہہ سکتا کہ حسن سے اکثر علماء نے روایت کی ہے دوسرے یہ کہ وہ رواتیں کہاں ہیں جو اُن سے مروی ہوئی ہیں. پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ وہ اپنے زمانہ میں سب سے افضل تھے یہ بھی محض غلط اور لغو ہے۔

محمد: شیعی علماء کہتے ہیں کہ اُن کے صاحبزادے مولانا مہدی محمد علیہ السلام ہیں ابن جوزی نے سند

کے ساتھ ابن عمر سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آخر زمانہ میں میری اولاد میں سے ایک آدمی پیدا ہوگا اُس کا نام میرے نام پر ہوگا اور اُس کی کنیت بھی میری کنیت پر ہوگی وہ تمام روئے زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا جیسا کہ پہلے ظلم و ستم سے بھری ہوئی ہوگی پس یہ وہی مہدی ہیں جن کی بابت حضرت نے پیشین گوئی فرمائی ہے۔

جواب: علماء میں سے محمد بن جریر طبری اور عبدالباقی بن نافع وغیرہ نے انساب اور تواریخ کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ حسن بن علی عسکری کی نہ کوئی نسل تھی نہ اُن کا کوئی بیٹا تھا امامیہ فرقہ کے لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اس کا ایک بیٹا تھا جسکی بابت اُن کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ بچپن ہی میں سامرا کے جزیرہ سرداب میں داخل ہوگیا تھا۔ بعض کہتے ہیں اُس کی عمر دو سال کی تھی بعض کہتے ہیں تین سال کی تھی۔ بعض کہتے ہیں پانچ سال کی تھی تو فرض کریں اگر یہ ہو بھی تو حکم الٰہی میں جو نص قرآن اور حدیث اور اجماع سے ثابت ہے۔ واجب یہ ہے کہ ایسا بچہ اُسکے پاس رہنا چاہیے جو اُس کی پرورش کرے مثلاً ماں یا نانی وغیرہ اور اُس کا ایسے شخص کے پاس رہے جو اُس کی حفاظت کرے یعنی یا تو اُس کے باپ کا وصی ہو اگر اُس نے کسی کو وصیت کردی ہو یا کوئی قرابت دار ہو یا بادشاہ کا نائب ہو وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ اپنے باپ کے مرجانے کے بعد یتیم ہو گئے تھے اللہ تعالے فرماتا ہے۔ وَابْتَلُوا الْيَتَامَى حَتَّى إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَنْ يَكْبَرُوا۔ یعنی (اور یتیموں (کے حالات) کو آزمایا کرو یہاں تک کہ جب وہ شادی (کے سن) کو پہنچیں پھر اگر تم ان میں (ہوشیاری اور) حسن تدبیر دیکھو تو اُن کے مال اُن کے حوالہ کردو اور اس (مال) کو فضول خرچ کر کے نہ کھایا کرو اور اس جلدی میں کہ کہیں یہ بڑے ہو جائیں (تو ہم سے مال لے لیں گے) اس سے معلوم ہوا کہ جب تک بچہ شادی کے سن کو نہ پہنچ جائے اور حسن تدبیری اُس میں نہ معلوم ہونے لگے اُس کا مال اُس کے حوالہ کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے تو اب ایسا شخص جو اپنی جان اور مال کو دوسروں کے قبضہ میں رکھنے کا مستحق ہو وہ تمام مسلمانوں کا امام معصوم کیونکر ہو سکتا ہے اور یہ بات کیونکر ہو سکتی ہے کہ جو اُس پر ایمان نہ لائے وہ مسلمان ہی نہ ہو۔ علاوہ اس کے خواہ اُس کو موجود مانیں یا معدوم سمجھیں اس پر انکا بھی اتفاق ہے کہ دینی یا دنیوی کسی

طرح کا نفع اُس سے کسی کو نہیں ہوتا نہ وہ کسی کو کچھ سکھاتا ہے۔ نہ اُس کی بُری یا بھلی صفات وغیرہ کسی کو معلوم ہیں نہ امامت کے مقاصد اور مصلحتوں میں کوئی بات حاصل ہوتی ہے نہ خاص نہ عام بلکہ اگر اُسکا وجود فرض کرلیا جائے تو اس سے نفع تو نہیں ہوگا بلکہ اُلٹا ضرر تمام عالم کو پہنچے گا کیونکہ جو اس پر ایمان لانے والے ہیں اُنہیں اُس سے کسی طرح نفع نہیں ہے نہ اُنہیں کوئی بہتری اور لطف اُس سے حاصل ہوتا ہے لیکن جو لوگ اُسے جھوٹا کہتے ہیں تو وہ اُن کے معتقدوں کے خیال کے مطابق اپنے جھوٹ کہنے کی سزا بھگتیں گے۔ لہٰذا اُس کا ہونا خلق اللہ کے لیے مضر ہوا بھلائی کا جس میں نام بھی نہیں ہے علاوہ اس کے ایسے شخص کو پیدا کرنا حکیم عادل کے فعل سے نہیں ہوسکتا بلکہ اُس کے فعل سے ایسا ہونا بہت بعید ہے اور اگر امامیہ والے یہ کہیں کہ وہ لوگوں سے اُن کے ظلم کی وجہ سے چھپ رہے ہیں تو پہلا جواب تو یہ ہے کہ بڑا ظلم تو اُن کے باپ دادا کے زمانہ میں ہوا تھا حالانکہ وہ کہیں نہ چھپے۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ اُن پر ایمان لانے والے بھی دنیا میں بہتیرے بستے ہیں اُن سب کو کسی خاص وقت میں وہ جمع کیوں نہیں کر لیتے یا کوئی رسول کیوں نہیں بھیج دیتے کہ وہ اُن لوگوں کو علم اور دین کے کچھ احکام تعلیم دیا کرے۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ یہ تو ممکن ہے کہ وہ اُن موضعوں میں اپنی قیام گاہ کرلیں جہاں اُن کے شیعہ رہتے ہیں جیسے کہ ملک شام کے وہ پہاڑ جہاں رافضیہ عاصیہ رہتے ہیں اور ان کے سوا اور بھی مواضع عاصیہ بہت سے ہیں۔

چوتھا جواب: یہ ہے کہ جب محض خوف کی وجہ سے اُن سے یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی کو علم اور دین کی باتیں بتائیں تو پھر اُن کے ہونے میں کوئی لطف اور مصلحت نہیں ہے اور یہ اُن کے مدعا کے خلاف ہے جسے وہ ثابت کرتے ہیں بخالف اُن انبیاء کے جو سچے رسول تھے اور اُن کی تکذیب کی گئی کیونکہ اُنہوں نے رسالت کی برابر تبلیغ کی اور جو ان پر ایمان لایا اُسے ایسی بھلائی نصیب ہوئی کہ وہ دنیا و آخرت میں مالا مال ہوگیا مگر اس امام منتظر کے آج تک بھی لطف نہ حاصل ہوئے۔ سوائے ایسے انتظار کے جو کبھی پورا ہی نہیں ہوتا اور سوائے ہمیشہ کی حسرت اور رنجیدگی کے سارے جہان کی دشمنی کے اور ایسی دعا کے جسے اللہ تعالیٰ کبھی قبول ہی نہیں کرتا کیونکہ ساڑھے دس سو برس سے بھی زیادہ مدت ہوگئی کہ یہ

لوگ اُن کے ظہور اور خروج کی دعا کر رہے ہیں اور اُس کے پوری ہونے کا آج تک بھی کچھ ظہور نہیں ہوا۔ اس کے علاوہ مسلمانوں میں اتنی مدت تک کسی کا جینا ایک ایسا امر ہی کہ امت محمد یہ میں عادت مطروہ کے مطابق اُس کے جھوٹے ہونے کو ہر شخص جانتا ہے کیونکہ ایسا کوئی بھی نہیں معلوم ہوتا جو اسلام کے زمانہ میں پیدا ہو کر سینکڑوں برس تک زندہ رہا ہو۔ صحیح حدیث میں حضور انور سے ثابت ہے کہ آپ نے اپنی آخری عمر میں فرمایا کہ مجھے آج ہی رات یہ امر معلوم کرایا گیا ہے کہ ہر صدی کے ختم پر ایک ایسا سال آتا ہے کہ جو لوگ اُس صدی میں تھے ان میں سے سال میں کوئی روئے زمین پر نہیں رہتا پس جس کی عمر اس وقت ایک سال یا دو سال کی تھی وہ سو برس سے زیادہ کبھی زندہ نہیں رہ سکتا اور جب اس زمانہ میں عمریں اس سے زیادہ نہ ہوتی تھیں تو اکثر فطرت باری تعالیٰ کے مطابق یہ ہے کہ اُس کے بعد کے زمانہ والوں کی عمریں بدرجہ اولیٰ اس سے زیادہ نہ ہوں کیونکہ جس قدر زمانہ گزر جاتا ہے اور اولادِ آدم کی عمریں اکثر کم ہی ہوتی جاتی ہیں زیادہ نہیں ہوتیں چنانچہ نوح جیسا کہ مشہور ہے ساڑھے نو سو برس دنیا میں اور آدم علیہ السلام ایک ہزار برس زندہ رہے ہیں یہ سب جانتے ہیں کہ پہلے زمانہ میں عمریں زیادہ ہوتی تھیں اور اس امت کی عمریں ساٹھ ستر کے درمیان میں ہیں چنانچہ یہ بھی حدیث میں آچکا ہے باقی خضر کے زندہ ہونے سے اس پر حجت لانا یہ باطل سے باطل دلیل پیش کرنا ہے۔ کیونکہ تمام علماء اور محققین اس پر متفق ہیں کہ اُن کا انتقال ہو چکا ہے اور اگر اُن کے زندہ رہنے کو تسلیم بھی کرلیں تو وہ اس امت میں سے نہیں ہیں علاوہ ازیں بہت سے جھوٹے آدمی ایسے پائے جاتے ہیں جو خضر ہونے کے مدعی ہوتے ہیں اور انہیں دیکھنے والا بھی یہی خیال کرتا ہے کہ یہ خضر ہی ہیں اور اس بارے میں بہت سی صحیح حکایتیں ہیں جن کا یہاں ذکر کرنا ہمیں طول معلوم ہوتا ہے اسی طرح اس منتظر امام محمد بن حسن کی کیفیت ہے کیونکہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ ہر اک اُن میں سے یہی دعویٰ کرتا ہے کہ امام محمد بن حسن میں ہی ہوں بعض اُن میں سے اس فرقہ کے لوگوں پر ظاہر ہو جاتے ہیں اور بعض چھپے ہی رہتے ہیں اور وہ ظاہر بھی فقط ایک یا دو پر ہوتے ہیں اب رہی ابن جوزی کی روایت اس کا جواب چند وجہ سے ہے۔

پہلا جواب: تو یہ کہ تم لوگ اہل سنت کی حدیثوں سے حجت نہیں کیا کرتے لہٰذا ایسی حدیثیں تمہیں مفید نہیں ہو سکتیں اور اگر تم کہو کہ یہ اہل سنت پر حجت ہے تو اس کے بارے میں علیحدہ بحث کریں گے۔